سیرت النبی ﷺ کا عملی پہلو

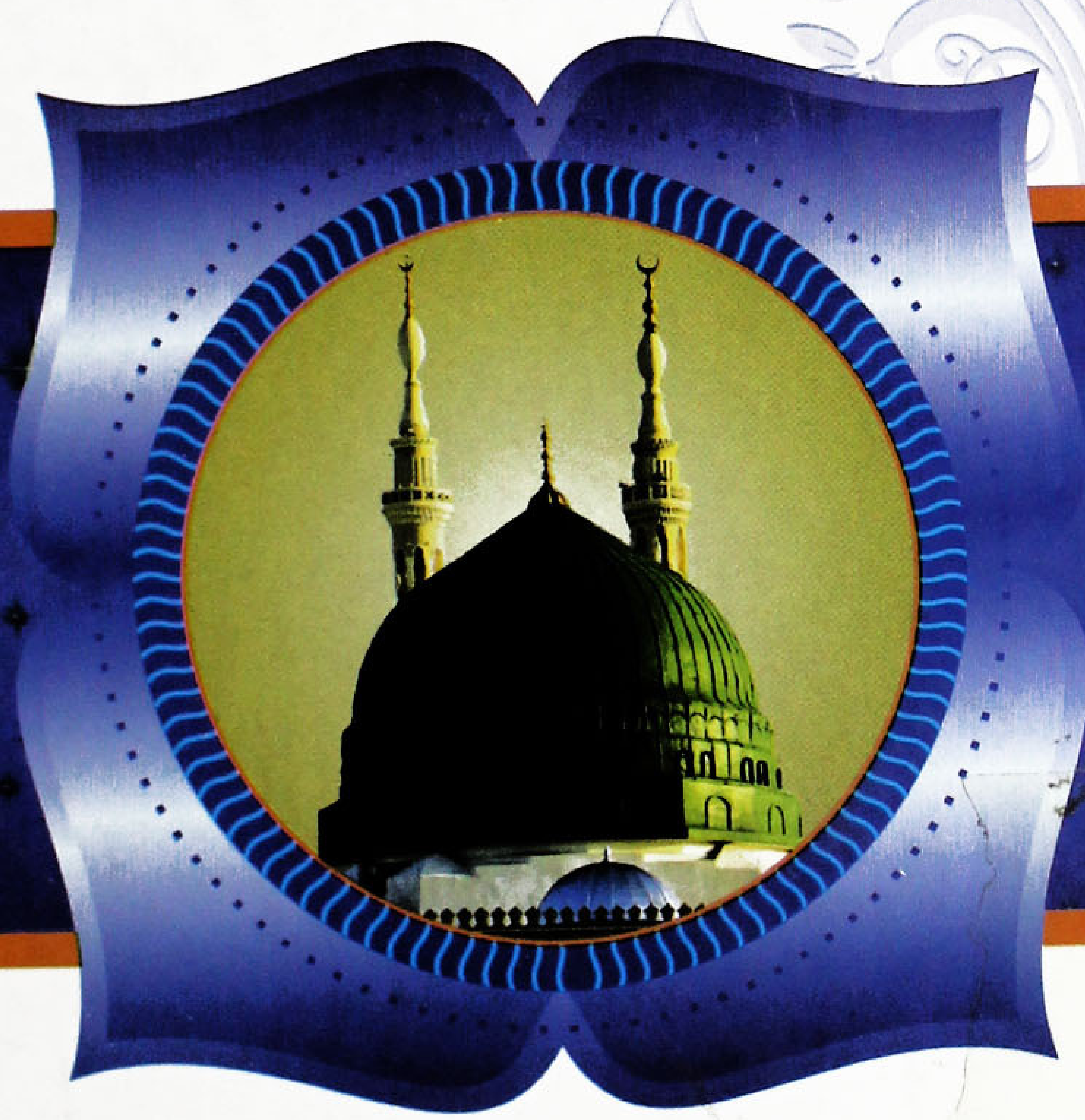

پروفیسر ڈاکٹر حبیب اللہ چشتی

Marfat.com

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی پہلو

پروفیسر ڈاکٹر حبیب اللہ چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی پہلو
مصنف	پروفیسر ڈاکٹر حبیب اللہ چشتی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	فروری 2018ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	ST63

140880

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37225085-37247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail: info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

Marfat.com

فہرست

انتساب	9
(i) سیرت کا لغوی واصطلاحی مفہوم	19
(ii) اہمیت وافادیت	20
(iii) ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہونا	21
(iv) اطاعات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لازم ہونے کے حوالہ سے	23
(v) داعی اعظم ہونے کے ناطے	29
(vi) کامیاب ترین انسان ہونے کی حیثیت	30
تقسیم مناسب اور پیغام سیرت	35
حکمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	47
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصلاح معاشرہ کی بنیادیں	61
(i) شدت احساس اور اخلاص	64
(ii) خشیت الٰہی کی تلقین	66
(iii) اصلاح معاشرہ اور تدریج	70
(iv) معاشرتی برائیوں کا شعور اجاگر کرنا	73
(v) جرم وسزا کا تصور	79
سیرت طیبہ اور تکریم انسانیت	85
(i) اختلاف، احترام انسانی میں مانع نہ ہو	88
(ii) طبقاتی کشمکش کی نفی	91

Marfat.com

(iii) عزت و آبرو کا تحفظ	93
(iv) مذہبی جذبات کا احترام	97
(v) بے گناہ کے قتل کی ممانعت	100
سیرت النبی ﷺ اور مظلوم و بے بس کی چارہ گری	105
صدق و ایفائے عہد۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں	115
پیکر جود و کرم ﷺ	125
جود و عطا۔ وصف دائمی	130
منہ مانگی مرادیں دینے والے	134
قرض لیکر سائل کی ضرورت پوری کرنے والے	139
جود و عطا اور پیغام سیرت	147
مواقع عجز و انکسار اور سیرت النبی ﷺ	155
(i) خوشحالی میسر آنے کے مواقع	155
(ii) فتح و کامرانی کا حصول	158
(iii) جذبہ انتقام	160
(iv) محبتوں اور عقیدتوں کا حصول	163
مظاہر عجز و انکسار اور سیرت طیبہ	166
(i) معمولی کام بھی خود سرانجام دینا	166
(ii) مشورہ قبول کرنا	169
(iii) دوسروں کے مقام و مرتبہ کو بیان کرنا	170
(iv) اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنا	175
صاحب خلق عظیم محمد ﷺ	181
اخلاق کا دائرہ	185

Marfat.com

اخلاق حسنہ اور تعلیمات نبوی	185
اخلاق حسنہ کے مظاہر اور سیرت طیبہ	188
(i) عفو و درگزر	189
(ii) ماتحت لوگوں سے حسن سلوک	193
(iii) مروت و مدارات کا التزام	196
(iv) صلہ رحمی اور تعلق جوڑنا	200
(v) یک طرفہ خیر خواہی	205
محسن اعظم، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	209
عقیدہ کے اعتبار سے	211
مسلمات کے اعتبار سے	215
1۔ وحدت نسل انسانی کا شعور	217
2۔ قانون کی بالاتری	221
3۔ حقوق نسواں کا شعور	227
(i) عزت نفس کی بحالی	229
(ii) حقوق کا تعین	233
(iii) مختلف شعبہ ہائے حیات اور خواتین	237
(iv) عفت و عصمت کی حفاظت	243
4۔ حیوانات کے حقوق کا شعور	245
5۔ حقائق پر اعتماد کا شعور	250
منہج دعوت و ارشاد۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں	261
(i) عظمت کردار	265
(ii) دعوت خیر اور شدت احساس	267

Marfat.com

(iii) لالچ سے مبرا 270
(iv) طعن وتشنیع کو خاطر میں نہ لانا 273
(v) ظلم وتشدد کا رکاوٹ نہ بننا 275
(vi) سنگینی حالات میں ہمت نہ ہارنا 278
(vii) دعوت وارشاد اور اخلاق عالیہ 281
(viii) انا کو نہیں ضمیر کو جگانا 284
(ix) ذات پر مقصد کو غالب کرنا 287
(x) مدعو کی نفسیات کا خیال 290
پیغمبر امن وآشتی 295
محرکات امن اور اس کے موانع کا تدارک سیرت طیبہ کی روشنی میں 295
(1) محرکات امن 298
(i) فکری اصلاح 298
(ii) احترام انسانیت کا شعور 299
(iii) فتنہ وفساد کے اسباب کا خاتمہ 301
(iv) صلح وآشتی کی ترغیب 304
(v) قتل انسانی کی ممانعت 307
(2) موانع امن وآشتی کا تدارک، سیرت طیبہ کی روشنی میں 310
(i) جنگی جنون کا تدارک 311
(ii) جذبہ انتقام کی مکمل نفی 315
(iii) مفاد پرستی کا خاتمہ 319
(iv) مذہبی نفرتوں کا تدارک 323
(3) ترجیحات کا تعین، سیرت طیبہ کی روشنی میں 335

Marfat.com

(i) اصل کو فرع پر ترجیح دی جائے گی	337
(ii) ذاتی نفع پر دوسروں کے نفع کو ترجیح دی جائے گی	341
(iii) تھوڑا دائمی عمل زیادہ عارضی عمل پر راجح ہوگا	344
(iv) حقوق العباد کو حقوق اللہ پر ترجیح حاصل ہوگی	348
(v) نیت کو علم پر ترجیح ہوگی	352
زراعت و شجر کاری، تعلیمات نبوی کی روشنی میں	357
(i) ترغیب و تحریص	360
(ii) انفرادی حق ملکیت	363
(iii) زراعت اور راہ اعتدال	366
(iv) جاگیردارانہ سوچ کی نفی	369
(v) کسان پر زیادتی کی ممانعت	371
صحت انسانی کے بنیادی اصول، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں	374
احتیاط اور پرہیز کا التزام	377
خورونوش میں اعتدال کی تلقین	384
علاج کی ترغیب اور اہمیت و افادیت	388
حرام چیزوں سے علاج سے احتراز	392
چند بیماریاں اور طب نبوی ﷺ	394
روحانی علاج	394
مادی علاج	399
مصادر و مراجع	408

Marfat.com

سمجھا نہیں ہنوز مرا عشق بے ثبات
تو کائنات حسن ہے یا حسن کائنات
جو ذکر زندگی کے فسانے کی جان ہے
وہ تیرا ذکر پاک ہے اے زینت حیات
اب تک سجی ہوئی ہے ستاروں کی انجمن
اس انتظار میں کہ پھر آئیں وہ ایک رات
اعظم میں ذکر شاہ یمن کیسے چھوڑ دوں
میرے لیے تو ہے یہی سرمایہ حیات
(محمد اعظم چشتی)

Marfat.com

انتساب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
والدین کریمین
سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ
اور
سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا
کی
خدمت اقدس میں
ہدیہ خلوص

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

محمد حبیب اللہ چشتی
دور بیع الاول 1437ھ

Marfat.com

سارے جہاں کی حکمتیں تیرے کلام پر نثار
سارے جہاں کی دولتیں تیرے نظام پر نثار
ہم تری ذات پر فدا، ہم ترے نام پر نثار
تیری گلی میں ہوں مقیم، تیرے مقام پر نثار
عرش سے اور فرش سے تجھ پر سلام اور صلوٰۃ
شرق ہے تجھ سے مستفیض، غرب ہے تجھ سے فیض یاب
دونوں جہاں کی رحمتیں ہوگئیں تیری ہم رکاب
جو ترے در کی خاک تھے ہوگئے آسمان جناب
لطف ترا ہے بے شمار، فیض ترا ہے بے حساب
عرش سے اور فرش سے تجھ پر سلام اور صلوٰۃ

(مولانا ظفر علی خان)

Marfat.com

سوئے منزل

اس دنیا میں ہر انسان کامیابی کا متلاشی ہے۔ وہ شب و روز کامیابی پانے کے لیے ہی مصروف سعی و عمل ہے۔ کوئی انسان بھی یہ نہیں چاہتا کہ وہ ناکام ہو اور خائب و خاسر ہو کے دنیا سے جائے۔ لیکن اس کے باوجود اکثریت اس مقام کے حصول میں ناکام رہتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ کہ انسان کامیابی کا متلاشی رہنے کے باوجود ناکام و نامراد ہو کر دنیا سے رخت سفر باندھ لیتا ہے۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ کامیابی پانے کے لیے صرف محنت اور جدوجہد کافی نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ محنت اور جدوجہد کا رخ صحیح سمت میں ہو ورنہ تمام محنتیں رائیگاں ہو جائیں اور تمام جدوجہد بے مقصد رہے گی مثلاً اگر ایک مکان بہت خوبصورت اور حسین و جمیل بنایا گیا ہے جسے گرانے کی قطعاً ضرورت نہیں لیکن کسی انسان پر اسے گرانے کا بھوت سوار ہو جائے اور وہ اوزار لے کر اسے منہدم کرنا شروع کر دے تو اسے گرانے میں وہ محنت تو ضرور کرے گا مگر تھکاوٹ سے چور چور بھی ہو جائے گا لیکن جب وہ اسے گرا کے فارغ ہو گا تو اسے کچھ حاصل نہیں ہوا ہو گا۔ بلکہ وہ اپنا بہت سا نقصان کر چکا ہو گا یعنی اس کی محنت نے اسے کوئی فائدہ نہیں دیا بلکہ الٹا اس کا نقصان ہوا۔

مذہبی نقطہ نظر سے اس بات کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ایک آدمی کسی بت کا پجاری ہے تو زندگی بھر اس کی عبادت کرتا ہے اس کے نام کے چڑھاوے چڑھاتا ہے لیکن قیامت کے دن اس کی یہ تمام محنتیں رائیگاں جائیں گی اور اسے ان کا کوئی اجر نہیں ملے گا کیونکہ اس کی محنت کا رخ صحیح نہیں تھا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا اور اس کے پاک نام پر مال و دولت لٹاتا تو یقیناً رب کریم اسے اس کی محنتوں سے کئی گنا بڑھ کے اجر دیتا اور اپنی رحمتوں کی چادر اس پر تان دیتا۔

ہر انسان اپنی زندگی میں کامیابی کا متمنی بھی ہے لیکن محنت کا رخ درست سمت میں نہ ہونے کی وجہ سے وہ اتنی محنت اور جدوجہد کے باوجود ناکام رہتا ہے۔ وہ درست سمت کا

Marfat.com

تعین اس لیے نہیں کر پاتا کہ ہر انسان ایک مخصوص خول میں ہوتا ہے اس کی تمام آراء وافکار اسی کی ترجمانی کرتے ہیں اور وہ حقیقت مطلقہ کا ادراک کرنے سے عاجز رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ کسی ایک مسئلہ کے حل میں بڑے بڑے مفکرین اور فلاسفر کی رائے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً ریاست کا نظام کیسے چلانا ہے۔ اس کے لیے جمہوریت بہتر ہے یا صدارتی نظام ہے۔ اس مسئلہ کا حل پارلیمانی نظام ہے یا صدارتی نظام۔ ہر فکر کے پیچھے بڑے بڑے مفکرین اور فلاسفر نظر آئیں گے۔ اگر انسان حقیقت مطلقہ کا ادراک کرسکتا تو ایک ہی مسئلہ کے حل میں ذہین ترین انسانوں کی آراء اس طرح مختلف نہ ہوتیں۔

انسان کو کہا گیا کہ زندگی تیرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے۔ تو نے اس کی قدر کرنی ہے اور کامیاب زندگی بسر کر کے واپس رب کے حضور لوٹ جانا ہے۔ انسان دنیا میں آیا تو اس نے دیکھا کہ زندگی کے ہر مسئلہ میں نظریات وافکار کی بھرمار ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کسی بات پر دلائل کے انبار لگا رہا ہے۔ انسان حیران ہے کہ وہ کدھر جائے؟ کیا کرے؟ کس کو مانے؟ کس کا انکار کرے؟ اور زندگی اتنی طویل بھی نہیں کہ وہ اسے تجربات میں ہی گزار دے۔

اللہ تعالیٰ انسان کا صرف خالق ہی نہیں ہے اس کا رب بھی ہے۔ وہ انسان کی ہر ضرورت کو پورا فرماتا ہے۔ اس نے انسانیت کو کامیابی کی راہ دکھانے کے لیے اپنے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے انسان پر حقیقت کو واضح فرمایا۔ یہ اس چیز کا واضح اعلان تھا کہ اے گروہ انسانیت! جس طرح ہم نے تمہاری پیاس بجھانے کیلئے پانی کا انتظام کیا، تمہیں روشنی دکھانے کے لیے سورج، ستارے اور چاند کے چراغ جگمگا دیئے اسی طرح ہم نے حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے اور حقیقی کامیابی کی راہ تم پر واضح کرنے کے لیے اپنے انبیاء ورسل علیہم السلام کو تم میں مبعوث فرمایا ہے۔ اگر کوئی بندہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری بھوک مٹانے کے لیے اناج پیدا کیا، میری پیاس بجھانے کے لیے پانی کے چشمے ابال دیئے لیکن میری روح کی تسکین کے لیے اور مجھ پر راہ راست واضح کرنے کے لیے کچھ نہیں کیا تو

Marfat.com

دراصل ایسا انسان صرف انبیاء ورسل علیہم السلام کا انکار نہیں کررہا بلکہ دراصل وہ میری شان ربوبیت کا انکار کررہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ

(الانعام:91)

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسے کرنے کا حق تھا۔ جب انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان پر کچھ بھی نازل نہیں کیا۔

انسانوں کو کامیابی کی راہ دکھانے اور انہیں حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے انبیاء ورسل علیہم السلام کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری رہا۔ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوس قدسیہ انسانیت کو حقیقت کا درس دیتے رہے۔ پھر ایک ایسی ذات بابرکات ﷺ کو مبعوث فرمایا جن کی حیات مبارکہ میں قیامت تک تمام انسانیت کی رہنمائی کا سامان جمع فرمادیا، جن کی ذات اقدس بنی نوع انسان کی کامیاب ترین شخصیت ہیں، جن کے طرز حیات کے سبب اتنی کامیابیاں ان کے قدموں میں آئیں کہ تاریخ انسانیت ان کے عشر عشیر کی مثال پیش کرنے سے بھی قاصر ہے۔ اب پوری نوع انسانی کے لیے صدائے حق بلند ہوتی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ﴿۲۱﴾ (الاحزاب)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک حسین نمونہ ہے۔ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر کی آرزو کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد رکھتا ہو"۔

یعنی اے بنی نوع انسان! اب حقیقت کے ادراک کے لیے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے لیے تمہیں نہ در در کی ٹھوکریں کھانے کی ضرورت ہے نہ نت نئے تجربات میں وقت کی متاع بے بہا برباد کرنے کی احتیاج ہے۔ میرے رسول محتشم ﷺ نے جس طرح زندگی بسر کی ہے وہ طرز زندگی بہت حسین وجمیل بھی ہے اور ہر کامیابی کی ضمانت بھی۔ تم

Marfat.com

انہیں راہوں پر چلتے جاؤ جو راہیں رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش پا سے مزین ہیں۔ کیف و سرور میں بھی رہو گے اور کامیابی و کامرانی بھی تمہارے قدم چومے گی۔

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا اور آپ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الم نشرح) کی بشارت کے مطابق رفعت ذکر کا ہی ایک مظہر ہے کہ اہل ایمان نے تو دارین کی سعادت سمجھ کر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر پہلو پر اتنا کام کیا کہ محبتوں اور عقیدتوں کی انتہا کر دی

اک طرح کا مضمون ہو سو رنگ سے باندھوں

ماننے والوں نے تو اپنے محبوب دلربا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ پر لکھنا ہی تھا کیونکہ یہ ان کے لیے دنیا اور آخرت کی سعادتیں پانے کی کلید تھی۔ شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا خوبصورت ترجمانی فرمائی

ما ان مدحت محمد بمقالتی

ولکن مدحت مقالتی بمحمد

غیروں نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر اپنے اپنے انداز میں لکھا کیونکہ دنیا کے سب سے بڑے انسان، کائنات کی کامیاب ترین شخصیت اور اربوں انسانوں کے ممدوح صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے اعراض دلیل کا بھی قتل تھا اور رفعت ذکر کے وعدہ الٰہی کی بھی مخالفت تھی اور میرے رب کا ہر وعدہ آخری حد تک سچ ہوتا ہے۔

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر پہلو پر لکھا گیا اور کمال لکھا گیا۔ میرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پہ اتنا لکھا گیا جس کا عشر عشیر بھی کسی اور شخصیت پر نہیں لکھا گیا۔

یہ کتاب ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی پہلو''، ایک تو تاجدار کونین، میرے ملجا و ماوی، میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات سے محبتوں اور عقیدتوں کے اظہار کی ایک ادنیٰ سی کاوش ہے۔ خیال سے لیکر تکمیل تک اور پہلے حرف سے لے کر آخری حرف تک سب کچھ انہیں کی بندہ پروری اور ذرہ نوازی کا اظہار ہے۔

Marfat.com

میری طلب بھی انہیں کے کرم کا ہے صدقہ
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

اس کتاب سیرت النبی ﷺ کو تسلسل سے بیان نہیں کیا گیا بلکہ قرآن وسنت اور کتب سیرت سے استفادہ کرتے ہوئے ان چیزوں کو پیش کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش کی گئی ہے جن کا تعلق ہماری زندگی کے ساتھ ہے تاکہ ہم اپنی عملی زندگی کو سیرت النبی ﷺ کے نورتاباں سے منور ومزید کرسکیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم رہبر ورہنما تو مصطفیٰ کریم ﷺ کو مانیں لیکن زندگی گزارنے کی رہنمائی کسی اور سے لیتے رہیں عقیدت ومحبت کا اظہار تو ذات رسالت مآب ﷺ سے کریں اور زندگی میں قیادت کسی اور کی مانتے رہیں اور منظر یہ ہو

تیرے رستے سے الگ کیوں ہیں ہمارے رستے
یوں تو ہر بات پہ ہم بات سنائیں تیری

اس میں جو حق اور صواب ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم، رسول رحمت ﷺ کی نظر عنایت میرے شیخ طریقت، والدین اور معزز اساتذہ کرام کی دعاؤں کا ثمرہ ہے اور جو خطا ہے میری قلت علمی اور نافہمی کی وجہ سے ہے۔ میری اصحاب فکر ونظر اور معزز قارئین سے التماس ہے کہ مجھے میری خامیوں سے مطلع فرمائیں میں ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ انہیں درست کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

میں ادارہ ضیا القرآن کے مینجنگ ڈائریکٹر عزت مآب الحاج محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب اور ادارہ کی جملہ انتظامیہ کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ وہ میری کتابیں بڑی محبت، محنت اور خوبصورتی سے شائع کرتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو مزید ترقی نصیب فرمائے اور اس کی تمام انتظامیہ اور جملہ کارکنوں کو دونوں جہانوں کی سعادتیں اور برکتیں عطا فرمائے۔ اور خداوند کریم میری دربارِ رسالت میں اس ادنیٰ چاکری کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے اور جملہ قارئین کے لیے دنیا و آخرت کا سرمایہ بنائے۔
آمین ثم آمین۔

بروز حشر میرے اس یقین کی لاج رکھ لینا
تمہارا ہوں، تمہارا ہوں تمہارا یارسول اللہ

اللھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه
اللھم ارنا الاشیا کما ھی۔ وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبه المکرم و رسوله المحتشم
محمد و علی آله و اصحابه و ذریته و ازواجه اجمعین۔

تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گہربار کا ایک ادنیٰ نوکر

محمد حبیب اللہ چشتی
ایف۔جی کالج H-8، اسلام آباد
یکم ربیع الاول 1437 ہجری بمطابق 24 دسمبر 2014ء

Marfat.com

سیرت النبی ﷺ......اہمیت وافادیت

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ
يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾

(الاحزاب)

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات اقدس میں بہترین نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یوم اخر کی آرزو کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو''۔

Marfat.com

سرمایہ حیات ہے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
اسرار کائنات ہے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
پھولوں میں ہے ظہور ستاروں میں نور ہے
ذات خدا کی بات ہے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
بنجر دلوں کو آپ نے سیراب کر دیا
اک چشمہ صفات ہے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
ساغر سرور و کیف کے ساغر چھلک اٹھے
صبح تجلیات ہے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
(ساغر صدیقی)

Marfat.com

سیرت کا لغوی واصطلاحی مفہوم

لفظ سیرت کا سہ حرفی مادہ س۔ ی اور۔ ر۔ ہے۔

ساریسیر سیرا و سیرۃ و تسیارا و مسارا و مسیرۃ کا معنی چلنا، جانا، حرکت کرنا یا آگے بڑھنا وغیرہ ہے۔ سار الکلام کا معنی ہے کلام کا مشہور ہوجانا یعنی کلام آگے ہی بڑھتا گیا اور شہرت پا گیا۔ قرآن مجید میں یہ مادہ انہیں معانی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ (قصص:29)

''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مقررہ مدت پوری کر لی اور اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر چلے''

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (نحل:36)

''پس تم زمین میں چلو''

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (یوسف:109)

''کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا''۔

محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی اس لفظ کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

السیر: الذهاب نهارا ولیلا۔ یقال سار القوم اذا امتدبهم السیر فی جهة توجهوا لها ویقال بارك الله فی مسیرك ای سیرك۔(1)

سیر کا مطلب ہے دن یا رات کو چلنا...... کہا جاتا ہے سارا القوم۔ لوگ چلے۔ جب ان کی منزل کی جانب ان کا چلنا لمبا ہو جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اللہ تیرے جانے میں برکت دے۔

1۔ تاج العروس، مادہ س۔ ی۔ ر۔ دار الفکر للطباعۃ والنشر

Marfat.com

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اس مادہ میں چلنے اور جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ سیرت کا لفظ اسی مادہ سے اسم ہے تو لغوی طور پر سیرت کا مفہوم ٹھہرا کسی کا راہ زندگی پر چلنا اور سفر زیست کو طے کرنا۔ تو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد یہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ کیسے گزاری اور آپ راہ زیست پر کس طرح گامزن رہے۔

اصطلاحی معنی میں سیرت کا لفظ طرز زندگی یا سوانح عمری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز زندگی اور آپ کی مبارک سوانح حیات ہے۔

لفظ سیرت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے امام راغب الاصفہانی فرماتے ہیں۔

السیرۃ الحالۃ التی یکون علیھا الانسان وغیرہ غریزیا کان او مکتسبا۔(1)

سیرت سے مراد انسان یا کسی کی وہ حالت ہے جس پر وہ ہوتا ہے وہ وہبی ہو یا کسبی۔

اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد آپ کے زندگی گزارنے کے احوال و واقعات اور آپ کی مقدس سوانح حیات ہے۔

اہمیت وافادیت

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا معلوم ہو جانا صرف انسان کی معلومات میں اضافے کا سبب ہوتا ہے۔ انسان کا انہیں جاننا یا نہ جاننا اس کی عملی زندگی پر کوئی اثر نہیں کرتا۔ جیسے سومنات کا مندر محمود غزنوی نے فتح کیا تھا یا طارق بن زیاد نے؟ اور اندلس کے کنارے پر کشتیاں طارق بن زیاد نے جلائی تھیں یا محمد بن قاسم نے؟ ان سوالوں کا کوئی بھی جواب ہو وہ انسانی معلومات میں صرف ایک اضافے کا سبب بنے گا۔ اس کی عملی زندگی اور اس کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں لائے گا۔

ان کے مقابلہ میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا انسانی علم میں آنا صرف اس کی معلومات میں اضافے کا سبب ہی نہیں بنتا بلکہ وہ اس کی عملی زندگی پر بھی گہرے اور دوررس

1۔ مفردات الفاظ القرآن۔ مادہ۔ س۔ ی۔ ر، ص 259، العلامہ الراغب الاصفہانی، دار الکتاب العربی

Marfat.com

اثرات مرتب کرتا ہے۔ ان چیزوں کا علم انسانی سوچوں کے رخ تبدیل کر دیتا ہے اور اس کے طرز زندگی کو مکمل طور پر بدل دیتا ہے جیسے جب کوئی صاحب بصیرت شخص یہ جانے گا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اس لیے تباہ و برباد کر دیا گیا تھا کہ وہ کم تولنے کا گناہ کرتے تھے تو کبھی بھی اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا اور جب وہ یہ جانے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کے سبب ذرے مہر و ماہ کی تابانیوں کے امین بن گئے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کو ہر حال میں لازم پکڑے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو جاننا کوئی ایسی چیز نہیں جس کا تعلق صرف معلومات میں اضافے کے ساتھ ہو بلکہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاننے سے انسانی افکار و خیالات یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں اور انسانی زندگی اس نہج پر ڈھل جاتی ہے جو انسان کو دارین کی سعادتوں کا امین بنا دیتی ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کے تعلق کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مضبوط کر دے وہ مومن کے لیے دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگاہی تو وہ سعادت سرمدی ہے جو انسان پر ان راہوں کو متعین کر دیتی ہے جو دارین میں کامیابی اور فلاح پانے کی راہیں ہیں۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت و افادیت کے چند پہلو ملاحظہ ہوں۔

ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہونا

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو اسوہ حسنہ قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ (احزاب)

”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں بہترین نمونہ ہے۔ اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کی آرزو کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔“

Marfat.com

عملی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ ہونے سے مراد کیا ہے؟ اور عملی زندگی میں انسان کے لیے اس کی کیا اہمیت ہے؟ اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے ہمیں ایک بنیادی حقیقت پر غور کرنا ہوگا۔

جب انسان عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اسے زندگی کے بے شمار شعبوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ہر شعبہ حیات میں اسے مختلف نظریات اور متنوع افکار کے حامل انسان نظر آتے ہیں۔ مثلاً سیاسی میدان میں اسے کس نظام کو اپنانا ہے جمہوریت، بادشاہی، صدارتی نظام، پارلیمانی یا کوئی اور طرز حکومت، معاشی میدان میں اسے کونسا نظریہ اپنانا ہے۔ سرمایہ داری، اشتراکیت یا کوئی اور نظام ہر طرز فکر کی پشت پر بڑے بڑے دانشور اور فلسفی موجود ہیں۔ انسان سمجھ نہیں پاتا کہ وہ کدھر جائے؟ اور کون سا طرز زندگی اختیار کرے؟ وہ شاہراہ زیست پر چلتے ہوئے اس مسافر کی طرح حیران و سرگردان ہو جاتا ہے جو کسی ایسے چوک پر پہنچ جائے جس سے کئی راستے نکلتے ہوں اور اسے سمجھ نہ آ رہی ہو کہ اس کی منزل کس راستے پر چلنے میں ہے۔

اگر انسان حقیقت مطلقہ کا ادراک کر سکتا ہے تو مختلف مسائل کے حل میں انسانی آراء و افکار مختلف نہ ہوتے۔ انسانی افکار کا یہ اختلاف ذاتی مسائل سے لے کر عالمی مسائل تک پھیلا ہوا ہے۔ ایک انسان یہ کہتا ہے کہ امانت داری اچھی چیز ہے لیکن دشمن سے معاملات طے کرتے ہوئے نہیں اور دوسرا کہتا ہے انسان کو ہر حال میں امانتدار ہونا چاہیے۔ جب انسان مسائل حیات کے حل میں مختلف انسانی آراء و افکار کے چوراہے پر حیران و سرگرداں کھڑا ہو جاتا ہے اسے سمجھ نہیں آتی کہ وہ کیا کرے اور کدھر جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:21)

کہ یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ یعنی سفر زیست طے کرتے ہوئے اور شاہراہ حیات پر چلتے ہوئے اے انسان! تو نے در در کی

١٤٠٨٨٥

Marfat.com

ٹھوکریں نہیں کھائی۔ تباہ کن تجربات میں سرمایہ حیات کو کھو نہیں دینا بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اپنا خضر راہ بنالینا ہے۔ سب کامیابیوں کا مدار یہی ہے۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے در پہ ان کے پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا
(فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اب ظاہر ہے، اگر انسان نبی کریم ﷺ کی سیرت سے آگاہ ہی نہیں ہوگا تو وہ اسوہ حسنہ سے رہنمائی کیسے لے گا؟ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ سیرت النبی ﷺ سے آگاہی کس قدر ضروری ہے۔

اطاعت رسول ﷺ کے لازم ہونے کے حوالہ سے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول کریم ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کریم ﷺ کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ الخ (النسا:59)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو۔

رسول کریم ﷺ کی اطاعت کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مقابلے میں نہیں ہے بلکہ منشا ایزدی کا اظہار ذات رسالت مآب ﷺ سے ہوتا ہے۔ اس لیے رسول کریم ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النسا:80)

"جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

رسول کریم ﷺ کی اطاعت کرنے والا دراصل اطاعت الٰہی بجالانے کی سعادت حاصل کرنے والا ہوتا ہے اس لیے آپ کی اطاعت کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔ارشاد ہوتا ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ (آل عمران)

''فرمایئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، رحمت فرمانے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۝ (الحشر)

''اور جو کچھ تمہیں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی سزا بڑی سخت ہے۔''

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ وجوب عملی زندگی میں کس طرح ظاہر ہوگا؟ اور ہم اس کسوٹی پر اپنے آپ کو کیسے پرکھیں گے؟

اس سوال کا جواب پانے کے لیے ہمیں اس بنیادی حقیقت کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ اس دنیا میں محنت اور جدوجہد تو ہر شخص کرتا ہے لیکن محض محنت کامیابی کی ضمانت نہیں ہوتی جب تک اس محنت کا رخ صحیح نہ ہو۔ محنت ایک مزدور بھی کرتا ہے اور ایک ڈاکو بھی لیکن حقیقت کی دنیا میں ڈاکو کی محنت اسے کامیابی نہیں دے رہی بلکہ دنیا کا بھی مجرم ہے اور عقبیٰ کا بھی۔ ایک بت پرست پوری زندگی بتوں کی عبادت کرتا رہے لیکن جب وہ قیامت کے دن رب کے حضور حاضر ہوگا تو اس کی سب عبادتیں ''هَبَآءً مَّنْثُوْرًا'' بن چکی ہوں گی۔ محنت تو اس نے بھی کی تھی لیکن رائیگاں چلی گئی۔

اگر ایک کمرہ بڑا خوبصورت بنایا گیا ہو اور کوئی انسان کدال لے کر اسے توڑنا شروع کر دے جب وہ دو تین دن کی مسلسل اور جان لیوا محنت کے بعد اسے مسمار کر کے فارغ ہوگا

Marfat.com

تو اس نے کچھ حاصل نہیں کیا ہوگا بلکہ ایک اچھا خاصا کمرہ تباہ کر کے اپنا بہت سا نقصان کر لیا ہوگا۔ محنت تو اس نے بھی کی لیکن چونکہ محنت کا رخ صحیح نہیں تھا اس لیے محنت نے اس کا فائدہ نہیں کیا بلکہ الٹا اس کا نقصان کیا۔

زندگی میں ہر شخص کامیابی کا خواہاں تو ضرور ہوتا ہے اور وہ محنت بھی کامیابی پانے کے لیے ہی کرتا ہے لیکن وہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے ناکامی کو کامیابی سمجھ لیتا ہے اور زہر ہلاہل کو آب حیات تصور کر لیتا ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی دستگیری کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو!

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ (احزاب)

''جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تحقیق وہ بہت بڑی کامیابی کے ساتھ کامیاب ہو گیا۔''

سفر زیست طے کرتے ہوئے کامیابی کا معیار اور کسوٹی اپنی اپنی ناقص معلومات اور عقل نارسا کے تقاضوں کو نہ بناؤ۔ اپنا سرمایہ زندگی نت نئے تجربات کرنے میں برباد نہ کرو بلکہ ہر طرف سے بے نیاز ہو کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کو لازم پکڑ لو۔ تمہیں دونوں جہانوں کی فوز و فلاح مل جائے گی۔

ساحل کی طرف دیکھ نہ سفینے کی طرف دیکھ
جب چوٹ لگے دل پہ مدینے کی طرف دیکھ

ثابت ہوا کہ کامیابی کے سب راستے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مضمر ہیں اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی حیات مقدسہ جیسے گزاری انسان اپنی زندگی ویسے ہی گزارے۔

اب ظاہر ہے کہ اگر انسان سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفصیلات سے آگاہ ہی نہ ہو تو وہ اپنی زندگی میں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے اپنا سکتا ہے۔ اس زاویہ نگاہ سے بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت و افادیت واضح اور عیاں ہے۔

Marfat.com

فہم قرآن کے حوالہ سے

قرآن کریم کتاب ہدایت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانی ہدایت کا ایک ایسا مکمل سامان ہے جسے محفوظ کرنے کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ کرم میں لیا ہے۔ قرآن مجید کے مفاہیم کو واضح کرنا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد کو بیان کرنا یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرائض منصبی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الجمعہ)

''وہ وہی ہے جس نے امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے بھیجا۔ وہ انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

یہاں تلاوت آیات سے مراد انہیں قرآن کریم پڑھ کے سنانا ہے اور تعلیم کتاب سے مراد قرآنی آیات سے اللہ تعالیٰ کی منشا اور مرضی کو واضح کرنا ہے۔ ظاہر ہے اگر انسان قرآن کریم کو خود ہی سمجھ سکتا تو یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض نبوت میں شامل نہ کیا جاتا کہ انہیں تلاوت آیات کے علاوہ تعلیم کتاب بھی دیں ورنہ یہ تحصیل حاصل ہوتا جو کلام الٰہی میں ناممکن ہے۔

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی منصب کو یوں بیان فرمایا گیا۔

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(النحل)

''اور ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا تا کہ آپ اسے لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا اور شاید وہ غور وفکر کریں۔''

Marfat.com

قرآن کریم کی تبیین اور وضاحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منصب ہے اگر انسان کے لیے اس چیز کا حصول ویسے ہی ممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرض منصبی قرار نہ دیتا اور بے شمار روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مفہوم قرآنی کو سمجھنے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس کا رخ کرتے تھے۔ باوجود اس کے کہ قرآن مجید انہیں کی زبان اور محاورے میں نازل ہوا اور اسباب النزول ان کے سامنے تھے۔ ان سب حقیقتوں کے باوجود وہ فہم قرآنی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رہنمائی اور آپ کی بیان کردہ تبیین وتوضیح کے محتاج تھے۔

قرآن کریم میں بیان کردہ الفاظ صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ اور حج وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے اس کی وضاحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ فرماتے تو کیا لغت اور محاورہ ان کا مفہوم واضح کرسکتا تھا؟ کبھی نہیں!

حضرت عمران بن حصین نے ایک شخص سے کہا، تم ایک احمق آدمی ہو۔ کیا تم اللہ کی کتاب میں ظہر کی نماز کی چار رکعتیں پاتے ہو جن میں اونچی آواز سے قراءت نہیں کی جائے گی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی رکعتوں کو بیان فرمایا۔ ایسے ہی زکوٰۃ ہے کیا تم قرآن مجید میں اس کی تفاصیل پاتے ہو۔ یہ چیزیں کتاب اللہ میں مبہم ہیں اور سنت نے ان کی وضاحت کی۔(1)

جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ الخ (انعام:82)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے ملوث نہیں کیا (الخ) تو صحابہ کرام نے یہاں ظلم کے لفظ کو عمومی معنوں میں لیا اور کہا

وأينالم يظلم نفسه فقال النبی ﷺ۔ ليس كما تظنون و انما هو ما قال لقمان لابنه لا تشرك بالله ان الشرك لمظلم عظيم۔(2)

1۔ الجامع لاحکام القرآن، ج1، ص39، امام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی، دار عالم الکتاب، الریاض

2۔ جامع البیان فی تاویل القرآن، ج11، ص495، ابوجعفر محمد بن جریر طبری، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

Marfat.com

ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ پہ کبھی ظلم نہیں کرتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہے جیسا تم گمان کرتے ہو اس سے مراد تو وہی ہے جو لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

یعنی یہاں ظلم اپنے عمومی معنی میں نہیں ہے کہ اس سے مراد ہر چھوٹا بڑا گناہ ہو بلکہ یہاں ظلم سے اللہ تعالیٰ کی مراد شرک ہے۔ ایسے ہی آپ نے وضاحت فرمائی کہ ''اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ'' سے مراد سپیدہ سحر ہے اور قْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا میں اَیْدِیَھُمَا سے مراد دایاں ہاتھ ہے۔(1)

الغرض حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی قرآن مجید کی ہی عملی تفسیر ہے جیسا کہ حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ

اتیت عائشة فقلت یا ام المومنین اخبرینی بخلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم قالت کان خلقه القرآن الخ(2)

''میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ مجھے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں خبر دیجیے۔ تو آپ نے فرمایا آپ کا خلق قرآن تھا''۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی۔ گویا اگر قرآنی مراد کو ایک عملی قالب میں ڈھالا جائے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ تشکیل پاتے ہیں۔

نظر والوں کو آتی ہے نظر ہر آیہ قرآن
تمہارے مصحف رخ کا قصیدہ یارسول اللہ

اب سوال یہ ہے کہ اگر انسان سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفاصیل سے آگاہ ہی نہ ہو تو وہ فہم قرآن کی یہ نعمت کیسے پا سکتا ہے؟ اس زاویہ نگاہ سے بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت و افادیت روز روشن کی طرح واضح ہے۔

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، التفسیر والمفسرون، ج 1، ص 52۔ الدکتور محمد حسین الذہبی، دار الحدیث، القاہرہ

2۔ مسند امام احمد بن حنبل ج 41، ص 148۔ رقم الحدیث 24601، موسسۃ الرسالۃ

Marfat.com

داعی اعظم ہونے کے ناطے

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد وحید رجوع الی اللہ تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ الخ

(النحل:36)

''تحقیق ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے (تا کہ وہ لوگوں سے کہیں) کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچ کر رہو''۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بھی اسی مقصد کو اس کی آخری حد تک پورا کرنے کے لیے تھی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ (یوسف)

''فرمائیے یہ میرا راستہ ہے میں پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں''۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مقدسہ کا مقصد دعوت الی اللہ ہے۔ چونکہ آپ کی ذات گرامی پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہوگیا اس دعوت و ارشاد کا فریضہ ادا کرنے میں آپ کی نیابت کا شرف آپ کی امت کو بخشا گیا۔ دعوت الی اللہ کا فریضہ انبیا کرام علیہم السلام بجالاتے تھے وہ اب آپ کی امت کا فرض منصبی ہے۔ اس آیہ کریمہ میں آپ کی پیروی کرنے والوں کا بھی یہی تعارف کروایا گیا کہ وہ پوری بصیرت اور دانشمندی کے ساتھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بلغوا عنی ولو اٰیة (1)

1۔ سنن الترمذی، جلد 5، ص 40۔ باب ماجاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث 2649، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

''میری طرف سے پہنچاؤ اگر چہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔''

یعنی میری امت کا ہر فرد مبلغ بن کے اٹھے اور جس کے پاس ایک آیت کا علم بھی ہے وہ اس تک پہنچائے جس کے پاس اس آیت کا علم نہیں ہے۔

امت مسلمہ میں ذمہ داری ان کے لیے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت وافادیت کو بالکل واضح کر رہی ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کامیابی کے ساتھ کار دعوت سرانجام دیا اور جس احسن انداز میں اس فریضہ کو نبھایا وہ تاریخ نبوت کا ایک منفرد اور بے مثال انداز ہے۔ جس طرح آپ نے کار دعوت کا آغاز کیا، جیسے اس راہ میں آنے والی مشکلات کو برداشت کیا، جس طرح آپ کا کردار مشعل ہدایت بنا، جیسے دلیل کی طاقت سے اس راہ کی رکاوٹیں پاش پاش ہوئیں۔ رزم و بزم میں دعوت کے اسالیب جن صورتوں میں اجاگر کیے یہ تمام چیزیں ایک داعی کے لیے خضر راہ ہیں۔

اگر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گہرے تدبر سے ان چیزوں کو سمجھا نہ جائے اور راہ دعوت میں انہیں رہنما اصولوں کے طور پر نہ لیا جائے تو فریضہ دعوت کی ادائیگی کیسے ممکن ہو گی؟

اس سے واضح ہو رہا ہے کار دعوت کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کے لیے بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگاہی ضروری ہے۔ سیرت صرف ایک ماضی کا قصہ نہیں ہے بلکہ راہ زیست میں بالخصوص ہر داعی کے لیے کامیاب راہوں کا تعین کرنے کے لیے ایک خدائی اہتمام ہے۔

کامیاب ترین انسان ہونے کی حیثیت سے

ویسے تو ہر انسان کی زندگی ایک پوری دنیا ہوتی ہے اور ایک انسان کے لیے اپنے اندر بہت سے سبق رکھتی ہے اور جو انسان ایک کامیاب اور دوسروں کے لیے ایک قابل عمل زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی زندگی تو دوسروں کے لیے رہنمائی کے سینکڑوں اصول اپنے جلو میں رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کامیاب لوگوں کی سوانح حیات اور ان کی آپ بیتی کو ہر باشعور انسان بہت نازک جذبوں کے ساتھ پڑھتا ہے۔

Marfat.com

اس واضح حقیقت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ہر انصاف پسند آدمی کرتا ہے۔ وہ اپنا ہو یا غیر کہ تاریخ انسانی کی کامیاب ترین شخصیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جنہوں نے اتنے مختصر عرصہ میں تاریخ انسانی کا ایک ہمہ گیر اور بے مثال ایسا انقلاب برپا کیا جس نے انسان کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا۔ مغربی مورخ ٹامس کارلائل نے آپ کو نبیوں کا ہیرو قرار دیا اور مائیکل ہارٹ نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا۔

He was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels......(1)

''تاریخ انسانی میں وہ تنہا آدمی ہیں جو مذہبی اور دنیوی طور پر انتہائی حد تک کامیاب ہوئے''۔

یاد رہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو دنیوی اور مذہبی حصوں میں تقسیم کرنا۔ یہ مائیکل ہارٹ کی اپنی رائے ہے کیونکہ ان کے نزدیک دین اور دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن اسلامی نکتہ نظر سے دین کا تعلق صرف مخصوص عبادات سے نہیں بلکہ وہ پوری زندگی کو محیط ہے۔ زندگی کا کوئی بھی کام جب اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق کیا جائے تو وہ عبادت اور عین دین کا کام ہی ہوتا ہے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی دین سے عبارت تھی۔ معروف معنوں میں وہاں دین اور دنیا کی کوئی تقسیم نہیں تھی۔ بہر کیف مائیکل ہارٹ کے اس اعتراف سے یہ حقیقت بہر طور ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ انسانی کے کامیاب ترین آدمی ہیں۔

اس حقیقت کو مزید واضح کرنے کے لیے ہمیں تھوڑا سا پیچھے جانا ہوگا۔ غور کیجیے کہ ایک انسان جس کی ولادت یتیمی کی حالت میں ہو۔ جو جوانی میں ایک بیوہ کا مال لیکر تجارت کرنے کے لیے جائے جس کے سرپرست ایک ایک کر کے داغ مفارقت دیتے جائیں۔ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر وہ اپنی دعوت کا اعلان کرے۔ اس وقت وہ اپنی دعوت میں

1- The 100, Dr. Michial H, Hart p:01 New York.

Marfat.com

بالکل تنہا ہو۔ چند خوش نصیب روحیں ان کی آواز پر لبیک تو ضرور کہیں لیکن اس کے ہم وطنوں اور مخالفین کی اکثریت نہ صرف ان کی دعوت کو قبول نہ کرے بلکہ طعن و تشنیع سے بڑھ کر ظلم و تشدد میں بھی بہت آگے بڑھ جائیں۔ دوسروں کو ان کی دعوت قبول کرنے سے روکیں اور راہ دعوت میں ایک دیوار بن جائیں۔ تیرہ سال تک وہ انہیں کھل کر کام نہ کرنے دیں۔

وہ دوسرے وطن میں جا کر مقیم ہو جائیں ان کے اہل وطن کی مخالفت وہاں تک بھی پھیل جائے جس کا خاتمہ کرنے کے لیے حرب و ضرب کے کئی معرکے بھی سجیں اور ہجرت کے بعد صرف دس سال بعد ان کا وصال اس حالت میں ہو کہ پورے عرب پر ان کی حکمرانی ہو۔ پندرہ لاکھ مربع میل ان کے زیر نگیں ہو اور متعدد ممالک میں بے شمار افراد ان کی دعوت کو قبول کر چکے ہوں۔

کمالات نبوت ایک الگ حقیقت ہیں کیا ظاہر طور پر تاریخ انسانی میں کسی انسان کو اس کے عشر عشیر کامیابیاں بھی ملیں؟ اتنی بڑی کامیابیاں پانے کے باوجود اس ذات اقدس نے اپنے لیے کوئی دولت اکٹھی نہیں کی کوئی محل نہیں بنایا۔ عین وصال کے وقت فرمایا کہ عائشہ! رضی اللہ عنہا میری بالیں کے نیچے چند درہم پڑے ہیں انہیں اٹھا کہ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دو۔ کہیں میرا خدا مجھ سے بدگماں ہو کر نہ ملے اور وصال کے وقت جن کی زرع ایک یہودی کے پاس رہن تھی کیا اتنا کامیاب اور اتنا عظیم انسان تاریخ انسانی میں کہیں نظر آتا ہے؟ نظر آئے بھی تو کیسے۔ جب میرا خدا نے کوئی بنایا ہی نہیں ہے۔

تاریخ اگر ڈھونڈے گی ثانی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ثانی تو بڑی چیز ہے سایہ نہ ملے گا

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان کی عظمت کو زمانہ مان لیتا ہے۔ اس کی فکر اور فلسفہ کے لوگ معترف ہو جاتے ہیں لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت کا چاند گہنا جاتا ہے۔ علم و دانش کے جدید زاویے اس کے افکار کی روشنی کو مدھم کر دیتے ہیں اور عملی طور پر یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ انسان عظیم تھا لیکن اپنے دور کے لیے مدت ہوئی اس کی

Marfat.com

عظمت کا سورج غروب ہو چکا ہے۔

ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ انسانی میں وہ تنہا کامیاب ترین انسان ہیں کہ جیسے جیسے زمانے کو شعور آ رہا ہے ان کے ماننے والے بڑھتے جا رہے ہیں۔ دنیا میں جہاں بھی خیر نظر آتی ہے وہ انہیں کے پڑھائے ہوئے سبق کا فیضان ہے اور جہاں خیر نہیں ہے وہاں ابھی تک ان کا پیغام پہنچا نہیں ہے۔ سچ کہا تھا حکیم الامت علامہ اقبال نے

ہر کجا بینی جہاں رنگ و بو
آن کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفیٰ او را بہا است
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

جب کامیاب انسان کی زندگی انسان کے لیے مشعل راہ ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی کامیاب انسان تاریخ انسانی میں نہیں پایا جاتا تو آپ کی سیرت کو سمجھنا ہر ذی شعور انسان کے لیے کس قدر ضروری ہوگا؟ مطالعہ سیرت کی اہمیت و افادیت ان چند نکات سے ہی اظہر من الشمس ہو رہی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

تقسیم مناصب اور پیغام سیرت

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ (النساء)

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کے سپرد کردو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کی بنیاد پر کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے، دیکھنے والا ہے۔''

Marfat.com

فیصلے لمحوں کے ہوجاتے ہیں صدیوں پر محیط
ایک لغزش کئی نسلوں کو سزا دیتی ہے

Marfat.com

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔آپ لوگوں کو اپنے ارشادات عالیہ سے نواز رہے تھے کہ ایک بدو آ گیا۔ کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ حضور اکرم ﷺ نے اپنی گفتگو جاری رکھی اور اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر آپس میں کہا کہ رسول کریم ﷺ نے اس کی بات کو سن تو لیا ہے لیکن آپ نے اسے ناپسند فرمایا ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس کی بات سنی ہی نہیں ہے یہاں تک کہ جب آپ اپنی گفتگو سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: قیامت کے متعلق سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں۔تو آپ نے فرمایا:

فاذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة قال کیف اضاعتها قال اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة۔(1)

''جب امانت ضائع ہونے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا۔اس نے عرض کیا امانت کیسے ضائع ہوگی تو آپ نے فرمایا: جب معاملات نااہلوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرنا۔''

حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان میں نظام کے بقاو استحکام کا راز بتایا گیا ہے کہ جب کسی کو کوئی منصب، عہدہ یا ذمہ داری سونپی جائے تو وہاں نہ اپنی ذات کا فائدہ مقصود ہو نہ ذاتی تعلقات اور اپنے رجحانات کو دیکھا جائے، نہ اقربا پروری کی جائے اور نہ دوست نوازی بلکہ صرف یہ دیکھا جائے کہ کیا یہ شخص منصب کا اہل بھی ہے یا نہیں اور ملک وقوم کے لیے اس کا تقرر فائدہ مند ہوگا یا نقصان دہ۔جس نظام میں مناصب کی تقسیم قابلیت کی بنا پر نہیں بلکہ ذاتی مفاد یا رجحانات کو ترجیح دیتے ہوئے کی جائے اس نظام کو تباہ وبرباد ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔تقسیم مناصب میں اپنا فائدہ نہیں بلکہ ملک وقوم کا وسیع مفاد ترجیح

1۔صحیح البخاری، ج1،ص21۔باب من سئل علما الخ۔رقم الحدیث 59، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

اول ہونا چاہیے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا یہ پیغام ہمیں بھرپور بصیرت اور زندہ شعور کے ساتھ سننا چاہیے کہ آپ نے منصب کی تقسیم میں کبھی بھی اہلیت کے علاوہ کسی اور چیز کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بہت لاڈلے اور چہیتے صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کسی صوبے کا گورنر بنا دیجیے۔ تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے کاندھے پر مارا اور فرمایا:

يا اباذر انك ضعيف و انها امانةوانها يوم القيامة خزى وندامة الامن اخذها بحقها وادى الذى عليه فيها۔(1)

''اے ابوذر! تم ایک ضعیف آدمی ہو۔ اور یہ ایک امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت ہے مگر اس شخص کے لیے نہیں جس نے حقدار ہوتے ہوئے اسے لیا اور اس کا حق ادا کیا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نہ زہد و تقویٰ میں کوئی شک تھا نہ اخلاص وللّٰہیت میں۔ وہ اخلاص اور وفا کا پیکر بھی تھے اس کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی خواہش کے باوجود انہیں یہ منصب عطا نہیں فرمایا کیونکہ ان کا مزاج اس عہدہ کے مطابق نہیں تھا جس کے سبب وہ اس کا حق ادا نہ کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ہر کام کیلئے پیدا نہیں کیا بلکہ ہر انسان کا کوئی مخصوص میدان ہوتا ہے تو انسان کے سپرد وہ میدان کیا جائے جو اس کی اہلیت کے مطابق ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی کوئی بھی منصب بغیر اہلیت اور قابلیت کے کسی کے سپرد نہیں کیا۔ آپ نے اگرچہ اپنے بعد کسی کو بھی صراحۃً اپنا جانشیں مقرر نہیں فرمایا لیکن اپنا

1۔ السنن الکبریٰ، ج10، ص95۔ باب کراہیۃ الامارۃ، امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی۔ رقم الحدیث 20707۔ مجلس دائرۃ النظامیۃ، حیدرآباد، ہند

Marfat.com

خلیفہ بنانے کے لیے جو ارشادات دیئے وہ سب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں تھے جبکہ آپ کے بہت سے انتہائی قریبی رشتہ دار موجود تھے جن کے تقویٰ و تدین، اخلاص و وفا اور جرأت و بسالت میں کوئی کلام نہیں تھا لیکن اس منصب کے سب سے بڑھ کر اہل چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اس لیے آپ نے اس منصب پہ فائز ہونے کا اشارہ انہیں کے لیے فرمایا اور وقت نے ثابت کیا کہ یہ بہترین فیصلہ تھا۔ سیرت نبوی کا یہ پہلو ہمیں واضح کر رہا ہے کہ نظام اسی وقت مستحکم ہوتا ہے جب منصب کی تقسیم اہلیت کی بنا پر ہو۔ کوئی بھی اور چیز اس کا محرک نہ بنے۔

سیرت نبوی کا ایک اور مقام اس حقیقت کو آخری حد تک واضح کر دیتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کعبہ کی خدمت کرنا اسلام میں تو بہت باعث شرف چیز ہے ہی اسلام سے قبل بھی یہ بہت اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی جن کو بیت اللہ کی کسی بھی قسم کی خدمت کی سعادت نصیب ہوتی۔ وہ لوگ بہت معزز و مکرم گردانے جاتے تھے۔ اس لیے بیت اللہ شریف کی مختلف خدمتیں مختلف لوگوں کے سپرد کی جاتی تھیں۔ ایام حج میں حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی جسے سقایہ کہا جاتا تھا بعض خدمات حضرت ابوطالب سرانجام دیتے تھے جنہیں سلامہ کہا جاتا تھا اور بیت اللہ شریف کی چابی اپنے پاس رکھنا اور اسے مقررہ ایام میں کھولنا اور بند کرنا۔ یہ خدمت عثمان بن طلحہ کے پاس تھی۔

عثمان بن طلحہ خود کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہم پیر اور جمعرات کے دن بیت اللہ شریف کو کھولا کرتے تھے اور کئی لوگ اس میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرتے تھے۔ ایک دن بیت اللہ شریف کھلا ہوا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لائے اور آپ نے بیت اللہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا چونکہ اس وقت تک عثمان بن طلحہ مسلمان نہیں تھے اس لیے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندر جانے سے روکا اور انتہائی تلخ رویہ اپنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے برداشت کیا اور فرمایا: اے عثمان! شاید ایک دن ایسا آئے گا کہ بیت اللہ کی یہ چابی

Marfat.com

میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا اسے دے دوں گا۔ عثمان کہنے لگے اگر ایسا ہوگیا تو قریش ہلاک اور ذلیل ہوجائیں گے۔ آپ نے فرمایا: نہیں! اس وقت قریش آباد اور عزت والے ہوں گے۔ عثمان کہتے ہیں آپ کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی مجھے اس کی صداقت کا یقین سا ہوگیا لیکن میں قوم کے ڈر سے اسلام قبول کرنے کی نعمت سے محروم رہا۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہوگیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے طلب فرما کر مجھ سے بیت اللہ کی چابی طلب کی تو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کردی۔ بعض روایات کے مطابق عثمان چابی لے کر بیت اللہ کی چھت پر چڑھ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ چابی ان سے زبردستی لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کردی۔ آپ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے۔ وہاں نماز ادا کرنے کے بعد باہر تشریف لائے اور چابی مجھے واپس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ چابی لے لو اب یہ قیامت تک تمہارے خاندان میں ہی رہے گی۔ جو شخص تم سے یہ چابی لے گا وہ ظالم ہوگا۔

عثمان بن طلحہ کہتے ہیں کہ میں یہ چابی لیکر خوشی خوشی چلنے لگا تو آپ نے پھر مجھے آواز دی اور فرمایا کیوں عثمان! جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟ اب مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ بات یاد آئی جو آپ نے مجھے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی کہ ایک روز یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا۔ میں نے عرض کیا: بے شک آپ کا ارشاد پورا ہوا۔ میں اسی وقت دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔(1)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے آپ مسجد حرام میں جلوہ فرما ہوئے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بیت اللہ شریف کی چابی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ اجمع لنا الحجابة مع السقاية صلی اللہ علیك فقال رسول اللہ

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ التفسیر المظہری، ج1، ص822-924، قاضی محمد ثناء اللہ المظہری۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

صلى الله عليه وسلم اين عثمان بن طلحة؟ فدعى له فقال له هاك مفتاحك يا عثمان اليوم يوم وفاء وبر(1)

''یارسول اللہ حاجیوں کو پانی پلانے کے شرف کے ساتھ ہمیں کعبہ کی چابی رکھنے کا شرف بھی عطا فرمائیے۔آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں کا نزول ہو۔تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ پس انہیں بلایا گیا۔آپ نے فرمایا: عثمان! یہ چابی تمہاری ہے۔یہ وفا اور نیکی کرنے کا دن ہے۔''

علامہ ابن کثیر اسی مقام پر مزید لکھتے ہیں۔

''جب رسول کریم ﷺ نے مکہ کو فتح کیا تو آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا۔جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا مجھے بیت اللہ کی چابی دو۔انہوں نے وہ چابی آپ کی خدمت میں پیش کی۔ جب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دوبارہ انہیں چابی عطا فرمانے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ حجاج کو پانی پلانے کے شرف کے ساتھ ہمیں بیت اللہ کی چابی اپنے پاس رکھنے کا شرف بھی عطا فرمائیے۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو پھر چابی عطا فرمانے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پھر پہلے کی طرح عرض کیا۔تو حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے پھر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا تو آپ نے فرمایا: اے عثمان! اگر تو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو یہ چابی لے لے۔یہ میرے پاس اللہ کی طرف سے امانت ہے۔''(2)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز جب رسول کریم ﷺ بیت اللہ شریف سے باہر تشریف لائے تو یہ آیہ کریمہ آپ کی زبان پر تھی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (النسا:58)

1۔تفسیر القرآن العظیم، ج1،ص489۔امام ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر دار الحدیث، القاہرہ

2۔نفس مصدر، ج1،ص489

Marfat.com

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو۔ اس سے پہلے یہ آیت میں نے کبھی نہیں سنی تھی تو آپ نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور چابی ان کے سپرد کر دی اور فرمایا میں یہ امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں۔(1)

اس روایت کی اتنی تفصیل اور اس کے مختلف زاویوں کی اتنی توضیح صرف اس لیے کی گئی کہ ہم اس پیغام کو بخوبی سمجھ سکیں جو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ہمیں عہدوں کی تقسیم میں ملتا ہے۔ عثمان بن طلحہ وہ شخص ہیں جو کعبہ کے کلید بردار ہیں۔ مخصوص دنوں میں وہ بیت اللہ کا دروازہ کھولتے ہیں اور لوگ بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونا چاہتے ہیں تو عثمان بن طلحہ نہ صرف یہ کہ آپ کو داخل نہیں ہونے دیتا بلکہ ترش روئی اور تند مزاجی سے پیش آتا ہے۔ ایسے انسان کو مغلوب کرنا تو عموماً انسان کی انا کا مسئلہ بن جاتا ہے اور اس پر غلبہ پانے کے بعد وہ اسے کوئی اعزاز بخشنا تو کجا اس سے انتقام لینا چاہتا ہے۔

جب فتح مکہ کے موقع پر چابی اس سے لی گئی اور وہ بے بس اور لاچار آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔ چونکہ انہیں میں اس منصب کو پانے کی سب سے زیادہ صلاحیت موجود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تندی اور ترش روئی کے رویہ کو نظر انداز فرما کر اسی کو اس منصب پر دوبارہ فائز فرمانا چاہتے ہیں تو آپ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے لیے اس شرف کی التجا کرتے ہیں اور آپ کے بہت ہی محبوب صحابی، جنہیں آپ دنیا اور آخرت میں اپنا بھائی قرار دے چکے ہیں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ بھی آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ اس شرف سے ہمیں بھی مشرف فرمایا جائے لیکن چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھتے ہیں کہ اس منصب اور ذمہ داری کو اٹھانے کے سب سے زیادہ اہل حضرت عثمان بن طلحہ ہیں اس لیے آپ ہر چیز سے مستغنی ہو کر یہ منصب حضرت عثمان بن طلحہ کو ہی عطا فرما دیتے ہیں۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام یہ ہے کہ کوئی ذاتی رنجش اور کسی

1۔ التفسیر المظہری، ج 1، ص 823

Marfat.com

انتہائی محبوب عزیز کی خواہش بھی کسی منصب کے حقدار کو وہ منصب دینے میں رکاوٹ نہیں بنی چاہیے۔ جب غیر اہل کو کسی منصب پہ فائز کر دیا جائے تو یہ اہل بصیرت کے لیے کرب اور رونے کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت داؤد بن ابی صالح فرماتے ہیں کہ ایک دن مروان نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرقد منور پر اپنا منہ رکھے بیٹھا تھا۔ مروان کہنے لگا کیا تو جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے۔ جب مروان نے دیکھا تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ مروان کی یہ بات سن کر وہ فرمانے لگے۔

نعم جئت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ولم آت حجرا سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول لاتبكوا على الدين اذا وليه اهله ولكن ابكوا عليه اذا وليه غيره۔ (1)

''ہاں! میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دین پر اس وقت تک نہ رونا جب اہل بندے اس کے والی بنتے رہیں لیکن دین پر اس وقت رونا جب نا اہل افراد اس کے والی بن جائیں''۔

یعنی اے مروان! جب تم جیسے نا اہل افراد خلافت کے اہم عہدوں پر فائز ہو جائیں تو وہ دکھ اور کرب کا موقع ہوتا ہے۔

عہدوں کی تقسیم کا تعلق صرف حکومتی اراکین کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی سطح پر اس سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے دو بیٹوں میں سے گھر کا کوئی منصب محض قلبی رجحان کے سبب کم اہلیت والے بیٹے کو دے دیتا ہے تو وہ بھی امانت غیر اہل کے سپرد کرنے کا مجرم ہے۔ اگر کوئی شخص اپنا ووٹ کسی ایسے امیدوار کو دے دیتا ہے کہ جس سے زیادہ اہل آدمی میدان میں ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک امانت میں خیانت کرنے والا اور اپنی حد تک کوئی عہدہ غیر اہل کو دینے کے جرم کا ارتکاب کر رہا ہے۔

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 38، ص 558۔ رقم الحدیث 32585۔ موسسۃ الرسالۃ، بیروت

Marfat.com

ہاں! اس کی اعلیٰ ترین صورت ارباب اقتدار ہوتے ہیں جو ریاست میں مختلف عہدوں پر مختلف افراد کا تعین کرتے ہیں۔ اگر وہ اس انتخاب میں قابلیت کے سوا کسی بھی دوسری چیز کو ترجیح دیتے ہوئے ایسے عہدوں پر نااہل افراد کا تعین کر دیتے ہیں تو اس سے ملک کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور یہ طرز عمل قوموں کو تباہ و برباد کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے عہدوں کا تعین صرف دنیوی معاملہ نہیں ہے بلکہ نااہل کو کسی منصب پر فائز کرنے والا ملک و قوم کا مجرم ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کا بھی مستحق ٹھہرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من ولی ذا قرابة محاباة وهو يجد خيرا منه لم يجد رائحة الجنة (1)

''جس نے صرف ذاتی محبت کی وجہ سے کسی شخص کو والی بنا دیا۔ جبکہ اسے اس سے بہتر آدمی میسر تھا تو وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔''

حضرت جنادہ بن ابی امیہ حضرت یزید بن ابوسفیان سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کا والی بنا کر بھیجا تو فرمایا: اے یزید! تمہارے رشتہ دار بھی ہونگے ممکن ہے کوئی عہدہ سونپنے میں تم انہیں دوسروں پر ترجیح دینے لگو اور مجھے تمہاری جانب سے سب سے زیادہ خوف اسی چیز کا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

من ولی من امر المسلمين شيئا فامر عليهم احدا محاباة فعليه لعنة الله لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا حتى يدخله جهنم الخ۔ (2)

''جو مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی کا والی بنا اور اس نے (بغیر اہلیت کے) محض اپنی محبت کی بنا پر کسی کو حاکم بنا دیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نیکی اور معاوضہ قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ اسے جہنم میں داخل کر دے۔''

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

1۔ کنز العمال، ج 6، ص 35، علاؤ الدین علی بن حسام الدین المتقی الہندی، رقم الحدیث 14752، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 1، ص 202، رقم الحدیث 21۔ موسسۃ الرسالۃ، بیروت

Marfat.com

من استعمل عاملا من المسلمین وھو یعلم ان فیھم اولی بذالك منه و اعلم بکتاب اللہ و سنة نبیه فقد خان اللہ و رسوله و جمیع المسلمین ۔(1)

جس نے مسلمانوں پر کسی کو عامل بنایا اور وہ جانتا ہو کہ ان میں اس سے زیادہ حقدار شخص موجود ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو اس سے بہتر جاننے والا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور سب مسلمانوں سے خیانت کی۔

عہدے تقسیم کرتے وقت ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ سیرت کے اس پیغام کو خضر راہ بنائے ورنہ وہ اپنی دنیا و عقبیٰ بھی برباد کرے گا اور ملک و قوم کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا مجرم بھی ہوگا۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج10، ص118۔ رقم الحدیث 20861۔ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، ہند

Marfat.com

Marfat.com

حکمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ:269)

''وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرما دیتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر سے نوازا گیا۔''

Marfat.com

وہ قول دل نشیں ذہنوں کی گرہیں کھولنے والا
وہ نطق گوہریں حکمت کے موتی رولنے والا
ضمیرِ خاک کو بخشا فروغ مہر و ماہ جس نے
وہی ہے سنگ ریزوں سے جواہر رولنے والا
ہے روشن جس کا سینہ سر بسر انوار حکمت سے
وہی تو ہے دریچے روشنی کے کھولنے والا
(حفیظ الرحمٰن احسن)

Marfat.com

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک تابندہ اور درخشاں پہلو حکمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ زندگی میں بہت سے ایسے مشکل، جانگسل اور کٹھن موڑ آجاتے ہیں۔ یہاں انسان اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے۔ اس نازک اور حساس موقع پر وہ سمجھ نہیں پاتا کہ وہ کیا کرے۔ انسان ایسے موقعوں پر یہی فیصلہ کرتا ہے کہ یہاں کسی کو ناراض کیے بغیر دوسرا خوش نہیں ہوسکتا۔ بگاڑ کے بغیر سنوار ممکن نہیں ہے لیکن حکمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ہمیں واضح اور عیاں نظر آتا ہے کہ ایسے نازک موقعوں پر بھی بگاڑ کے بغیر سنوار ممکن ہے اور کسی کو ناراض کیے بغیر بھی معاملہ کو احسن طریقے سے نپٹایا جاسکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نازک اور حساس موقعوں پر اس قدر حکمت بھرے انداز میں ان گھمبیر مسائل کا حل پیش فرما دیتے تھے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ایک مکمل اور حسین نمونہ ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند شواہد ملاحظہ ہوں۔

سب سے پہلے تنصیب حجر اسود کا منظر نگاہوں میں لائیے۔ جب قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل کر لی اور حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کا مرحلہ آیا تو چونکہ یہ ایک ایسا شرف تھا کہ اسے نصب کرنے والا قیامت تک آنے والے انسانوں کے نزدیک معزز و محترم ٹھہرتا۔ اس لیے ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ یہ شرف اسے ہی حاصل ہو اور اگر دیگر قبائل باہمی رضامندی سے اسے یہ شرف دینے پر آمادہ نہ ہوں تو وہ طاقت کے بل بوتے پر بھی یہ سعادت حاصل کر کے رہے گا۔ قبیلہ بنو عبدالدار نے اپنے جوانوں اور حلیفوں کو جمع کر کے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ حجر اسود کو دیوار کعبہ میں وہی نصب کریں گے۔ اس عہد کو پختہ کرنے کے لیے خون کا ایک بھرا ہوا پیالہ محفل میں لایا گیا۔ انہوں نے خون سے لبریز اس پیالے میں اپنے ہاتھ ڈبو کر اس عہد پر قائم رہنے کی قسمیں کھائیں کہ وہ جان دے دیں گے لیکن کسی دوسرے قبیلے کو یہ اعزاز حاصل نہیں کرنے دیں گے۔

Marfat.com

جنگ جس قوم کے لیے عزت و افتخار کا باعث تھی جو پانی پینے پلانے اور گھوڑا آگے دوڑانے جیسے عمومی واقعات پر اتنی طویل اور خون ریز جنگوں کے عادی تھے اس حساس معاملہ پر تو نہ جانے وہاں کس قدر جنگ و جدل کے شعلے بلند ہوتے اور نہ جانے کتنی خون ریزی ہوتی۔

چند دن حالات ایسے ہی کشیدہ رہے اور خطرات کے بادل امڈتے رہے۔ آخر اس کا تصفیہ کرنے کے لیے ایک دن سب لوگ حرم کعبہ میں اکٹھے ہوئے۔ ابوامیہ بن مغیرہ کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

یا معشر قریش! اجعلوا بینکم فیما تختلفون فیہ اول من یدخل من باب ھذا المسجد یقضی بینکم فیہ ففعلوا۔(1)

''اے گروہ قریش! جس معاملہ میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو گیا ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لیے اس شخص کو اپنا حکم مقرر کرلو جو کل سب سے پہلے اس مسجد کے دروازہ سے داخل ہو۔ سب نے اس بات پر اتفاق کرلیا۔''

دوسرے دن سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر ان کی خوشی و مسرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ پکار اٹھے

ھذا الامین، رضینا، ھذا محمد

''یہ امین ہیں۔ ہم ان کے فیصلے سے راضی ہیں۔ یہ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں''۔

ان کا یہ کہنا اس حقیقت کو نمایاں کر رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ان کے نزدیک اس قدر مسلّم تھی کہ کسی فیصلے کے حق ہونے کے لیے یہی کافی تھا کہ یہ فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے۔ انہوں نے آپ سے ساری صورتحال عرض کی اور اس نازک اور حساس قضیہ کا فیصلہ کرنے کا اختیار آپ کو سونپ دیا۔

اب اس مقام پر جتنا غور کیا جائے گا حکمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی ہی واضح ہوتی جائے گی۔

1۔ السیرۃ النبویہ، ج 1، ص 223۔ ابن ہشام، دار الریان للتراث، القاہرہ

Marfat.com

غور فرمایئے حجر اسود ایک ہی تھا۔ ظاہر ہے اسے کسی ایک نے ہی نصب کرنا تھا۔ اگر آپ کسی ایک قبیلے کے حق میں فیصلہ فرما دیتے تو سب لوگ اسے مان لیتے اور وقتی طور پر کوئی ہنگامہ و فساد بھی نہ ہوتا لیکن اس چیز کا امکان تھا کہ جو لوگ اس شرف سے محروم رہتے ان کے دلوں میں کدورت آجاتی جو کبھی نہ کبھی جنگ کے شعلے بھڑکانے کا سبب بن جاتی کیونکہ یہ ایک انسانی کمزوری ہے کہ عموماً لوگ اسی فیصلے کو دل سے مانتے ہیں جو ان کے حق میں کیا جاتا ہے ورنہ زبان سے نہ بھی کہیں تو دل میں طرفداری کا خیال ضرور آجاتا ہے اور جس کے حق میں فیصلہ ہو اس کے خلاف بھی نفرتیں پروان چڑھتی رہتی ہیں۔

پیغمبر حکمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر جو فیصلہ فرمایا وہ اس قدر حکمت سے معمور تھا کہ معاملہ بھی حل ہو گیا اور سب لوگ بھی خوش رہے۔ علامہ ابن ہشام اس فیصلے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هلم الى ثوبا۔ فاتى به فاخذ الركن فيه بيده ثم قال لتاخذ كل قبيلة بناحية من الثوب۔ ثم ارفعوه جميعا ففعلوا۔ حتى اذا بلغوا به موضعه وضعه هو بيده۔(1)

''میرے پاس ایک چادر لے آؤ۔ چادر لائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود کو اٹھا کر اس چادر پر رکھا۔ پھر آپ نے فرمایا: ہر قبیلہ اس چادر کا ایک کنارہ پکڑ لے اور اس طرح حجر اسود کو اٹھائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ حجر اسود کو اس کے مقام تک لے آئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اسے اس کے مقررہ مقام پر رکھ دیا۔''

سیرت طیبہ کی یہ روشن مثال اس حقیقت کو واضح کر رہی ہے کہ ایسے مواقع پر کسی کو ناراض کر کے اور کسی کے جذبات کو دبا کے کوئی کام کرنا خلاف حکمت ہے۔ ایسے موقعوں پر اصل مسئلہ انسان کی عزت نفس اور وقار کا ہوتا ہے۔ اگر ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ ہر انسان یہ محسوس کرے کہ میری عزت نفس محفوظ ہے اور میرے حریف کو مجھ پر غلبہ نہیں دیا گیا

1۔ نفس مصدر، ج 1، ص 224

Marfat.com

تو ایسے گھمبیر مسائل احسن اور پر امن طریقے سے حل ہو جاتے ہیں۔

ایک اور منظر ملاحظہ ہو۔

نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ چند روز قبا میں قیام کے بعد آپ مدینہ منورہ میں جلوہ فرما ہونے کے لیے عازم سفر ہوئے۔ تمام اہل ایمان بڑی وارفتگی اور بے تابی سے آپ کے روئے زیبا کی زیارت کے لیے بے تاب تھے۔ انہوں نے انتظار کے یہ لمحے صدیوں کی طرح کاٹے تھے۔ ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ شاہ خوباں ﷺ کی میزبانی کا شرف انہیں حاصل ہو اور وہ سرکار دو جہاں ﷺ کی خدمت کر کے وہ دنیا و عقبیٰ کی سعادتیں بھی سمیٹ لیں اور آپ کے روئے زیبا کا دیدار کر کے قلب و نظر کی تشنگی کا سامان بھی کریں۔ جب محبوب رب العالمین ﷺ ان کے قبیلہ میں جلوہ فرما ہوں تو ان کی مضطرب روحیں ایک جذب و کیف میں ڈوب کے یوں نغمہ سرا ہوں۔

جس کے دیدار کی مدت سے تمنا تھی سو آج
ہے وہی رونق کاشانہ مبارک باشد

آپ ﷺ جس قبیلے کے پاس سے بھی گزرتے وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کرتے۔

یا رسول اللہ ھلم الینا الی العدد و العُدّۃ و المنعۃ

یارسول اللہ! ہمارے ہاں قیام فرمائیے۔ ہمارے قبیلے کی تعداد بھی کافی ہے۔ جنگی سامان بھی بہت ہے اور ہم آپ کے دفاع کی بھی پوری طاقت رکھتے ہیں۔

قبیلہ بنو سالم کے سردار حضرت عتبان بن مالک اور حضرت عباس بن نضلہ نے یہی عرض کیا۔ جب آپ بنو بیاضہ کے محلہ میں پہنچے تو حضرت زیاد بن لبید اور حضرت فروہ بن عمرو انہیں الفاظ سے آپ کی خدمت میں یونہی عرض کناں ہوئے۔ جب شاہ خوباں ﷺ کی سواری دار بنی ساعدہ میں پہنچی تو حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت منذر بن عمرو نے اسی خواہش کا اظہار کیا۔ جب آپ ﷺ بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں پہنچے تو حضرت سعد

Marfat.com

بن ربیع، حضرت خارجہ بن زید اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے حاضر خدمت ہو کر اس تمنا کا اظہار کیا۔

یہ موقع بہت نازک اور حساس تھا۔ سب قبائل یہی تمنا کر رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف انہیں ہی حاصل ہو۔ اگر اس موقع پر آپ یہ فرماتے کہ میں فلاں قبیلے میں قیام کروں گا تو باقی قبائل کے دل ٹوٹ جاتے اور وہ سوچتے کہ نہ جانے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں جلوہ فرما کیوں نہیں ہوئے؟ اس نازک اور حساس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس حکمت کا مظاہرہ کیا وہ تا قیامت نوع انسانی کے لیے مشعل راہ ہے۔ اس میں انسان جتنا غور کرے اسے حکمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گہرائیاں اتنی ہی زیادہ نصیب ہوتی جاتی ہیں۔ آپ نے قیام فرما ہونے کا فیصلہ خود نہیں فرمایا بلکہ یہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ آپ نے ہر ایک سے یہی فرمایا۔

خلوا سبیلها فانها مامورة

''میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ملا ہوا ہے۔''

ظاہر ہے جب کہیں قیام فرما ہونے کا فیصلہ آپ نے خود نہیں فرمایا تو حکم الٰہی کے مطابق آپ جہاں بھی جلوہ فرما ہوں نہ کسی کا دل ٹوٹے گا اور نہ ہی کوئی یہ سوچے گا کہ سرکار ہمارے قبیلے میں جلوہ فرما کیوں نہیں ہوئے۔

آپ کی اونٹنی جانب منزل رواں دواں رہی یہاں تک کہ بنی نجار کے محلہ میں اس جگہ بیٹھ گئی جہاں اس وقت مسجد نبوی ہے۔ پیغمبر حکمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر ایک اور کمال حکمت کا درس دیا۔ آپ فوراً اونٹنی سے نیچے نہیں اترے تاکہ کوئی یہ نہ سوچ لے کہ شاید اونٹنی اتفاقاً بیٹھ گئی ہو۔ آپ اونٹنی پر ہی جلوہ فرما رہے۔ یہاں تک کہ اونٹنی دوبارہ اٹھی آگے چلی۔ آپ نے مہار اس کی گردن پر ڈالی ہوئی تھی۔ آپ اسے کسی طرف خود نہیں موڑتے تھے۔ اونٹنی چند قدم چل کر دوبارہ اسی جگہ پر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ (1)

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ ضیاء النبی، ج 3، ص 121-124، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

سیرت النبی ﷺ میں یہ واقعہ حکمت نبوی کا ایک شاہکار ہے۔ ایسے مواقع پر انسان کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور سب کے جذبات کی برابر قدر ممکن نہیں رہتی۔ آپ ﷺ ہر ایک سے یہی فرماتے رہے۔

ان ناقتی ھذہ مأمورۃ۔(1)

''میری اس اونٹنی کو اللہ کی طرف سے ایک حکم دیا گیا ہے''

اس طرح جب آپ نے کسی ایک کو باقیوں پر ترجیح دینے کی بجائے اللہ کے سپرد کر دیا تو کسی کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچی۔ اس تناظر میں حکمت نبوی کا درس یہ ہے کہ انسان ایسے مواقع پر کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کرے کہ کوئی فریق یہ سمجھے کہ مجھے نظر انداز کیا گیا یا مجھ پر دوسرے کو ترجیح دی گئی۔ جب ہر انسان یہ سمجھے گا کہ میرا وقار محفوظ ہے۔ میری عزت نفس سلامت ہے تو سب مطمئن رہیں گے۔ ایسے مواقع پر اصل مسئلہ انسان کی عزت نفس اور وقار کا تحفظ ہوتا ہے۔ اگر کسی نے اس چیز کو اپنا لیا تو وہی حکمت نبوی ﷺ سے مستفیض ہونے والا ہے۔

حکمت نبوی ﷺ کا ایک اور پہلو ملاحظہ ہو۔ نبی کریم ﷺ فاتح مکہ کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے۔ عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ سر مبارک اتنا جھکا ہوا تھا کہ بار بار اونٹنی کی کوہان سے ٹکرا رہا تھا۔ لشکر اسلام کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ تھے۔ ایک موقع پر انہیں قریش کے ظلم وستم یاد آ گئے۔ جب ان کا گزر ابوسفیان کے پاس سے ہوا تو انہوں نے ابوسفیان کو للکارتے ہوئے کہا۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الحرمۃ الیوم اذل اللہ قریشا۔

آج قتل و غارت کا دن ہے۔ آج سب کی حرمتیں پامال ہو جائیں گی۔ آج اللہ تعالیٰ قریش کو رسوا کر دے گا۔

ابوسفیان یہ سن کر سناٹے میں آ گیا۔ وہ کھڑا رہا جب نبی کریم ﷺ اس کے پاس

1۔ السیرۃ الحلبیہ، ج2، ص244، علی بن برہان الدین الحلبی، دار المعرفۃ۔ بیروت

Marfat.com

سے گزرنے لگے تو وہ بولا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی قوم کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ کو علم ہے کہ سعد بن عبادہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابوسفیان! ایسا نہیں ہے۔

الیوم یوم المرحمۃ الیوم یوم یعظم اللہ فیہ الکعبۃ الیوم یوم تکسی فیہ الکعبۃ۔ الیوم یوم اعز اللہ فیہ قریشا۔(1)

''آج کا دن رحمت کا دن ہے۔ آج کا دن وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو بحال کرے گا۔ آج کا دن وہ دن ہے جب کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔ آج کا دن وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ قریش کی عزت کو چار چاند لگا دے گا۔''

اس موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے جو فرمایا تھا وہ نبی کریم ﷺ کی پالیسی کے مطابق نہیں تھا اور اس چیز کا بھی امکان تھا کہ اگر کسی پر نبی کریم ﷺ کی مکمل منصوبہ بندی واضح نہ ہو تو وہ جنگی جذبہ سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو اور ہتھیاروں کے استعمال سے نہ جانے کیا صورتحال پیدا ہو۔

ان سب حقیقتوں کے باوجود عین اس موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس منصب سے معزول کرنا خلاف حکمت تھا کیونکہ عین میدان جنگ میں کمان تبدیل کرنا مناسب نہیں ہوتا اور پھر حضرت سعد بن عبادہ جیسے بڑے آدمی کو جو ایک بہت بڑے سردار تھے اور مزاجاً بھی بہت حساس تھے لیکن انہیں ہٹائے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا کیونکہ ان کا یہ عمل نبی کریم ﷺ کی بنیادی پالیسی کے مطابق نہیں تھا۔

اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے جو حکمت بھرا فیصلہ فرمایا اس پر پورے زمانے کی عقل و دانش قربان۔ آپ نے ایسا فیصلہ فرمایا کہ مقصد بھی حاصل ہو گیا اور تمام منفی ردعمل کے امکانات کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ واقدی کہتے ہیں:

ارسل رسول اللہ ﷺ الی سعد فعزلہ و جعل اللواء الی قیس ابن سعد۔(2)

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج 5، ص 221، محمد بن یوسف الصالحی الشامی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

2۔ کتاب المغازی للواقدی، ج 2، ص 822، عالم الکتاب، بیروت

Marfat.com

''آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف قاصد بھیجا۔ انہیں معزول کر دیا اور جھنڈا ان سے لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد کو دے دیا۔''

ظاہر ہے باپ کو اس پہ کیا اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس کی جگہ پر اس کا بیٹا علمبردار بن جائے اور ان کے قبیلے والوں کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے سردار کے بیٹے کے پاس ہی تو تھا حکمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پہلو واضح کر رہا ہے کہ ایسے نازک مواقع پر بگاڑ کے بغیر سنوار کیسے ہوسکتا ہے۔

اس تناظر میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ واقعہ بھی بہت بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

غزوہ حنین کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا جب بہت زیادہ مال غنیمت تھا آپ نے تالیف قلوب کے لیے ان لوگوں کو بہت سا مال دیا جو نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے ان میں سے اکثر قریش کے افراد تھے۔ انصار کے کچھ نوجوانوں کو یہ بات گراں گزری۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کو تو فیاضی سے مال دیتے تھے اور ہمیں محروم کر دیتے تھے۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی تک خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ جنگ کے موقع پر تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت دوسروں کو بخش دیا جاتا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ صورتحال عرض کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کا کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: میں اپنی قوم کا ایک فرد ہوں جو ان کا خیال ہے وہی میرا خیال ہے۔

اس سے موقع کی نزاکت کو بھی سمجھا جاسکتا ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طبیعت کی حساسیت کو بھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد کو ڈانٹا نہیں۔ انہیں دبا کے چپ نہیں کرایا بلکہ آپ نے فرمایا سعد رضی اللہ عنہ! اپنی قوم کو جمع کرو۔ جب قوم ایک جگہ اکٹھی ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''اے گروہ انصار! یہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھ تک پہنچی ہے اور تم اپنے دلوں میں کیا ناراضی محسوس کر رہے ہو۔ کیا ایسا نہیں کہ تم گمراہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے میرے

Marfat.com

ذریعے سے تمہیں ہدایت دی۔ تم تنگ دست تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں غنی کیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔''

انصار کے دل دھک دھک کررہے تھے۔ ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

ڈوبتی ہوئی دیکھی ہے میں نے فانی کائنات
جب مزاج یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

سب بیک زبان بولے

اللہ و رسولہ امنّ و افضل

''اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ احسان کرنے والے اور بزرگ و برتر ہیں۔''

آپ نے فرمایا! اے گروہ انصار بولو۔ میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے۔

بما نجیبک یا رسول اللہ وللہ و رسولہ المن والفضل

آقا! ہم آپ کو کیا جواب دیں۔ سارا فضل و کرم تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ جواب دو اور تمہارا یہ جواب سچا بھی ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں نے آپ کو جھٹلا دیا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ جب آپ کا کوئی معاون نہ تھا تو ہم نے آپ کی مدد کی۔ جب آپ نے ہجرت کی تو ہم نے آپ کو پناہ دی۔ جب آپ تنگ دست تھے تو ہم نے آپ کی مالی مدد کی۔

آپ نے فرمایا: اے گروہ انصار! تم دنیا کی ایک معمولی چیز کیلئے اپنے دلوں میں مجھ سے ناراض ہورہے ہو حالانکہ میں نے ان لوگوں کو اس لیے انعام واکرام سے نوازا ہے کہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت ہوجائے اور میں نے تمہیں اسلام کے سپرد کردیا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أما ترضون ان يذهب الناس بالاموال و ترجعوا الى رحالكم برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فوالله ما تنقلبون به خير مما ينقلبوا به قالوا بلىٰ يا رسول الله قد رضينا۔ (1)

1۔ صحیح البخاری، ج4، ص94، باب ما کان النبی یعطی المؤلفة قلوبہم، رقم الحدیث 3147 دار طوق النجاۃ

Marfat.com

"کیا تم اس چیز سے راضی نہیں ہو کہ لوگ واپس جائیں تو مال لے کے جائیں اور تم اپنے گھروں کو جاؤ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کے جاؤ۔ اللہ کی قسم! جو تم لے جاؤ گے وہ اس سے کہیں بہتر ہوگا جو لوگ لے کے جائیں گے۔ انصار پکار اٹھے۔ یا رسول اللہ! ہم راضی ہیں۔"

اس واقعہ میں جتنا غور کیا جائے گا حکمت نبوی کی کرنیں قلب ونظر کو اتنی ہی درخشاں کرتی جائیں گی۔ ایک بات کی وجہ سے کچھ لوگ کبیدہ خاطر ہو گئے اور ان کی کبیدگی سوئے ظن نہیں غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چاہتے تو انہیں ڈانٹ کر خاموش کروا سکتے تھے اور اصلاً یہ بات انصار کے کچھ نوجوانوں نے کہی تھی۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے پر یقیناً انہیں نہ صرف خاموش کروا دیا جاتا بلکہ وہ کسی سزا کے بھی مستحق ٹھہر سکتے تھے۔

لیکن انہیں خاموش کروانے سے ان لوگوں کے دل تو مطمئن نہ ہوتے اور ایک کبیدگی ان کے دلوں میں جڑ پکڑ لیتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دبا کے خاموش نہیں کروایا انہیں ڈانٹ کے چپ رہنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ ان کے جذبات کو اس طرح بیان کیا کہ جیسے وہ خود بھی نہیں کر سکتے تھے اور پھر آپ نے انہیں مطمئن کیا اور ان کے شکوک وشبہات کا اس طرح ازالہ کیا کہ وہ اپنی غلطی پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔ اور ان کے دلوں کی کبیدگی بالکل صاف ہو گئی۔

اس واقعہ سے حکمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درس یہ ملتا ہے کہ ایسے مواقع پر قائد وہ نہیں ہوتا جو لوگوں کو دبا کے اور طاقت کے بل بوتے پر انہیں خاموش کروائے اس طرح تو لوگوں کے دلوں میں دوریاں جنم لیں گی اور وہ کاررواں سے بچھڑتے جائیں گے اور یہ چیز میر کارواں کی ناکامی ہوگی۔

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی
(اقبال)

ایسے نازک اور حساس موقعوں پر حکمت نبوی کا پیغام یہ ہے کہ انسان کو ان لوگوں کو

Marfat.com

مطمئن کرنا چاہیے تاکہ ان کے دل صاف رہیں۔ ان کے جذبات کو کچلنا حکمت کے خلاف ہے۔ ان کے جذبات کی قدر کرنی چاہیے تاکہ لوگ ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ قافلہ سے ہٹتے نہ جائیں بلکہ زندہ جذبوں سے کارواں سوئے منزل رواں دواں رہے۔

پہلے کپڑے کو پھاڑنا پھر رفو کرتے رہنا خلاف حکمت ہے۔ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کپڑے کو پھاڑنے سے ہی بچا جائے تاکہ رفو کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایسے موقع پر کہ جہاں آپ کے بارے میں کوئی بدگمانی کا شبہ بھی ہوسکتا تھا آپ یہ نہیں سوچتے تھے کہ مجھے کیا ضرورت ہے میں وضاحتیں کرتا رہوں بلکہ آپ بغیر طلب کے بھی اس کی وضاحت فرما دیتے تھے تاکہ لوگ سوئے ظن کے گناہ سے بچ سکیں۔

ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی میں معتکف تھے۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کو کھانا وغیرہ دینے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوئیں۔ چونکہ رات کافی گزر چکی تھی اس لیے جب وہ واپس جانے لگیں تو آپ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو گئے تاکہ وہ بے خوف جا سکیں اور تنہائی میں کوئی جھجک محسوس نہ کریں۔ ابھی وہ مسجد سے نکلی ہی تھیں کہ دو انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد کی گلی کی نکڑ سے گزر رہے تھے وہ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندھیرے میں دیکھ کر تعجب میں پڑ گئے۔ آپ نے دونوں کو آواز دے کر بلایا اور فرمایا:

انما هی صفية بنت حيی۔

"یہ صفیہ بنت حیی ہیں"، یعنی کوئی غیر خاتون نہیں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بھلا ہمارے دل میں آپ کے متعلق کوئی بدگمانی کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الشيطان يجری من الانسان مجری الدم (1)

"شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، ممکن تھا وہ تمہارے دل میں کوئی بدگمانی ڈال دیتا اس لیے میں نے وضاحت کر دی۔

1۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، ج 2، ص 173۔ القاضی ابوالفضل عیاض، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

سیرت کا یہ واقعہ حکمت نبوی کا یہ پہلو اجاگر کررہا ہے کہ ایسے کام سے احتراز کیا جائے جو لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا کرنے کا ذریعہ بنے کیونکہ اس طرح لوگ بدگمانی کے گناہ میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور کارواں سے ہٹتے جاتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل حیات مبارکہ حکمت و دانش کا ایک بہترین شاہکار ہے اور آپ کا ہر عمل انسانی سوچوں کے دھارے بدل سکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی مچلتے دل کے ساتھ حکمت کا طالب بن کے اس میں غور وفکر کرے۔

Marfat.com

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصلاح معاشرہ کی بنیادیں

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ
الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

(آل عمران)

''یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم ہیں۔ اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ پس انہیں معاف کر دیں اور ان کے لیے مغفرت مانگیں اور معاملات میں ان سے مشورہ لیجئے۔ پھر جب آپ ایک فیصلہ کر لیں تو اللہ پہ بھروسا کیجئے۔ بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

Marfat.com

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

(الطاف حسین حالی)

Marfat.com

جب حضور سید عالم ﷺ نے فلاح انسانیت کے منشور کا آغاز فرمایا اس وقت معاشرہ دیگر متنوع قباحتوں کے علاوہ بہت سی معاشرتی برائیوں میں بھی مبتلا تھا۔ صرف عرب ہی نہیں پوری دنیا اخلاقی اقدار سے تقریباً تہی دست ہو چکی تھی۔ عرب اپنی بہت سی اخلاقی اور طبعی خوبیوں کے باوجود متعدد معاشرتی برائیوں میں بھی گرفتار تھے۔ عفت و عصمت کے نازک آبگینے پارہ پارہ ہو رہے تھے۔ لوٹ مار اور قتل و غارت کا دور دورہ تھا۔ شراب نوشی عمومی طور پر باعث فخر سمجھی جاتی۔ جوا سخاوت اور فیاضی کا ایک مظہر بن گیا تھا۔ الغرض متعدد معاشرتی برائیوں نے انسانیت کو اپنے آہنی شکنجوں میں کسا ہوا تھا۔

شب دیجور کی ان تاریک اور دبیز گھٹاؤں کو تار تار کرنے کے لیے ہادی برحق ﷺ نے اپنے مقدس مشن کا آغاز فرمایا اور بہت ہی تھوڑے عرصہ میں جو معاشرہ گمراہیوں کی تہہ در تہہ ظلمتوں میں ڈوبا ہوا تھا وہاں رشد و ہدایت کا آفتاب نصف النہار پر جگمگانے لگا۔ فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے، تقویٰ و تدین کے علامتی نشان بن گئے۔ برائیوں کے پیکر، نیکی اور راستی کے اس طرح گرویدہ ہو گئے کہ نور عبادت سے ان کی پیشانیاں جگمگا اٹھیں۔ مے خوار نشہ توحید میں اس طرح مست ہوئے کہ مے لا الہ نے ان کا ''من و تو'' کا عالم ہی مٹا دیا اور حالت یہ ہو گئی کہ

یہ انہیں کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن
فاش کرنے لگے جبرئیل امین کے اسرار

سوال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معاشرہ کی کایا کس طرح پلٹی؟ اصلاح معاشرہ کے لیے سیرۃ النبی ﷺ سے کون کون سی مستحکم بنیادیں ملتی ہیں؟ جب ہم نبی کریم ﷺ کی مقدس سیرت میں غور کرتے ہیں تو ہمیں اصلاح معاشرہ کی درج ذیل بنیادیں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔

Marfat.com

شدت احساس اور اخلاص

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ہمیں اصلاح معاشرہ کی جو قوی اور مستحکم بنیادیں ملتی ہیں ان میں سے پہلی چیز شدت احساس اور اخلاص وللّٰہیت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس پورے معاشرہ کو متعدد معاشرتی اور اخلاقی برائیوں میں ڈوبا ہوا دیکھا تو آپ گہرے دکھ اور کرب کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ احساس کی ان شدتوں نے آپ کو بے چین اور مضطرب کر دیا۔ جس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء)

''کیا آپ اپنی جان پر کھیل جائیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے''۔

اسی شدت احساس کا نتیجہ تھا کہ آپ رات دن انہیں کی اصلاح میں مگن ہو گئے۔ نہ آرام کا خیال، نہ نیند کی پروا۔ احساس کی انہیں شدتوں نے آپ کو یکطرفہ طور پر ان کا خیر خواہ بنا دیا تھا۔ یعنی آپ صرف اچھائی کے بدلہ میں اچھائی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی برائی کا بدلہ بھی اچھائی سے دیتے تھے۔ قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو منفی جذبات رکھتے تھے۔ ان کا اظہار ان کے اس رویہ سے ہوتا ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں فرمایا گیا۔

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (انفال)

''جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہی تیرے نزدیک حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے''۔

یعنی انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کے پیغام سے اس طرح چڑ تھی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اگر یہ حق ہے تو ہمیں اسے ماننے کی توفیق دے بلکہ انہوں نے کہا کہ اگر یہ حق ہے تو ہمیں تباہ کر دے یعنی وہ تباہ تو ہونا چاہتے تھے لیکن آپ کی دعوت کو ماننا نہیں چاہتے تھے۔

ان کے ان سخت رویوں کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن رات ان کی اصلاح میں

Marfat.com

کوشاں رہے اور آپ نے اصلاح معاشرہ کے نام پر کوئی اپنے مفادات نہیں سمیٹے اور اسے ایک نعرہ بنا کر اپنے مادی فوائد کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ آپ کا مطمع نظر صرف اور صرف انہیں برائیوں اور شر سے بچا کے ایک اچھا انسان بنانا اور انہیں خیر کی راہ پر چلانا تھا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سبق ہمیں بتاتا ہے کہ معاشرتی اصلاح نمود و نمائش اور بلند و بانگ نعروں سے نہیں ہوگی بلکہ یہ فریضہ وہی افراد سرانجام دے سکیں گے جو معاشرتی برائیوں کو دیکھ کر کڑھیں گے اور اگر برائی صرف اس وقت برائی سمجھی جائے جب اپنی ذات کو اس کا نقصان ہو تو یہ برائیوں پر کڑھنا نہیں بلکہ ذاتی مفاد کے متاثر ہونے پر رنج والم کا اظہار ہوگا۔ معاشرتی اصلاح کے لیے معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کے خلاف حساسیت بہت ضروری ہے۔ برائیوں کے خلاف اسی شعور کو اجاگر کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے

من رائی منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلك اضعف الایمان۔(1)

"تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اسے بدلے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اسے زبان سے روکے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اسے دل سے برا جانے۔ اور یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہے۔"

اگر معاشرتی برائیوں کو برا سمجھنے کا احساس ہی ختم ہو جائے تو پھر معاشرہ کبھی بھی اصلاح یافتہ نہیں ہو سکتا۔ اصلاح معاشرہ کے لیے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا سبق معاشرتی برائیوں کا احساس، ان پر کڑھنا اور یکطرفہ خیر خواہی کے سچے جذبوں سے ان کے خلاف رات دن جدوجہد کرنا ہے۔ انہیں کیفیات سے سرشار ہونے والا وراثت نبوت کا امین ہے اور اس طرح میدان عمل میں کودنے والا کار نبوت میں شریک ہے اگر احساس اور اخلاص مفقود ہوں تو پھر مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہے رگ ساز میں نہاں صاحب ساز کا لہو

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 17، ص 229۔ رقم الحدیث 11150، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

Marfat.com

اگر معاشرتی بگاڑ پر انسان احساس کی ان شدتوں سے تو واقف نہ ہو لیکن معاشرتی اصلاح کے بلند و بانگ دعوے کرتا رہے تو وہ کوئی مثبت اور ثمر آور نتیجہ دینے سے محروم رہے گا۔

خشیت الٰہی کی تلقین

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو برائیوں کی دلدل سے نکال کے انہیں خیر کے پیکر بنانے کی تحریک شروع کی تو آپ نے اپنے اس منشور کی بنیاد کسی لسانی، جغرافیائی، علاقائی یا رنگ و نسل کو قرار دیا بلکہ آپ نے سب سے پہلے لوگوں کے دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کی اور انہیں اللہ کے حضور حاضری اور اپنی مسئولیت کا احساس دلایا۔ اس کی ایک واضح وجہ یہ بھی ہے کہ جو انسان خشیت الٰہی سے محروم ہو اور اللہ کے حضور حاضری سے نہ ڈرے۔ کسی نہ کسی طریقہ سے قانون شکنی ضرور کر لیتا ہے۔ وہ قانون کا احترام وہاں تو کرے گا جہاں کوئی قانون کا محافظ موجود ہوگا اور جہاں اس کی گرفت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا وہاں وہ قانون کی دھجیاں اڑا دے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصلاح معاشرہ کی بنیاد خشیت الٰہی پر رکھ کر یہ واضح فرما دیا کہ جب دلوں میں اللہ کا خوف اور اللہ کے حضور حاضری کا تصور نہیں ہوگا معاشرتی اصلاح ممکن نہیں ہوگی اور جب دل میں خشیت الٰہی ہوگی تو انسان خیر کا پیکر بن جائے گا کوئی اسے دیکھ رہا ہوگا وہ پھر بھی قانون کی پاسداری کرے گا اور اگر اسے کوئی نہ بھی دیکھ رہا ہو وہ پھر بھی قانون کی پاسداری کرے گا۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
آں طبیب جملہ علت ہائے ما

جب دلوں میں خوف خدا پیدا ہو گیا تو اگر کسی سے کوئی جرم ہو گیا لیکن اس جرم کو ثابت کرنے کے لیے کوئی گواہ نہیں تھا کسی نے اس جرم کو ہوتے ہوئے دیکھا بھی نہیں تھا لیکن غلطی کرنے والے کو پوری طرح یہ احساس تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا تھا اور ایک دن میں نے اس کے حضور حاضر بھی ہونا ہے۔ خشیت الٰہی کی یہ دولت غلطی کرنے والے کو خود حضور

Marfat.com

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لے آتی تھی اور وہ خود کہتا تھا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے مجھے سزا دیجیے تاکہ میں اللہ کے حضور پاک صاف ہو کے جاؤں۔

تاریخ انسانی پہ ایک نظر دوڑا لیجیے۔ آپ کو ہر جگہ مجرم قانون سے بھاگتا ہوا اور اپنے آپ کو گرفت سے بچاتا ہوا نظر آئے گا لیکن خشیت الٰہی کی بنیاد پر جو معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم کیا تھا وہاں جرم کا مرتکب خود اصرار کر کے اپنے آپ کو سزا دلوانے کا مطالبہ کرتا ہوا نظر آئے گا۔ اس کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے آپ نے فرمایا: تمہیں ہلاکت ہو۔ جاؤ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کے حضور توبہ کرو۔ وہ چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آ گئے اور پھر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے۔ آپ نے پھر اسی طرح فرمایا۔ یہاں تک کہ چوتھی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: میں تمہیں کس چیز سے پاک کروں؟ انہوں نے کہا زنا سے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق پوچھا کیا ان کے دماغ میں کوئی خرابی ہے تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ پاگل نہیں ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا اس نے شراب پی ہے۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر ان کا منہ سونگھا تو انہوں نے شراب کی کوئی بدبو محسوس نہ کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے زنا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ پھر آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ اور انہیں رجم کر دیا گیا۔ پھر حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق لوگوں کی دو آراء ہو گئیں۔ بعض کہتے تھے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ ہلاک ہو گئے اور اس گناہ نے انہیں گھیر لیا اور بعض کہتے تھے کہ ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ سے کسی کی توبہ اچھی نہیں ہے کہ وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور عرض کیا: مجھے پتھروں سے مار ڈالیے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں دو تین دن یہی اختلاف رہا۔ پھر

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے درآں حالیکہ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ سلام کرنے کے بعد بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

استغفروا لماعز ابن مالك فقالوا غفر الله لماعز ابن مالك قال فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم۔ (1)

''ماعز بن مالک کے لیے استغفار کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ ماعز رضی اللہ عنہ کی بخشش فرمائے۔ حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ماعز رضی اللہ عنہ نے ایسی توبہ کی ہے اگر اسے تمام امت میں تقسیم کر دیا جائے تو سب کیلئے کافی ہو جائے''۔

اسی تناظر میں یہ ایمان افروز واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

''پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس غامدیہ آئی اور عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ نے اس کو واپس کر دیا۔ دوسرے دن آ کر اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شاید آپ مجھے ماعز رضی اللہ عنہ کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں زنا سے حاملہ ہوں۔ آپ نے فرمایا: اچھا! اگر تم بضد ہو تو بچہ پیدا ہونے کے بعد آنا۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ اس بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لائی اور عرض کرنے لگی: لیجیے! یہ میرا بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا جا۔ جا کر اس کو دودھ پلا۔ یہاں تک کہ یہ روٹی وغیرہ کھانے لگے۔ جب بچے کا دودھ چھوٹ گیا تو وہ بچے کو لیکر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! اب تو اس کا دودھ بھی چھوٹ گیا ہے۔ اب یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ آپ نے وہ بچہ ایک مسلمان شخص کے حوالے کیا اور حکم فرمایا کہ اس کے سینہ تک ایک گھڑا کھودا جائے اور لوگوں کو اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر ایک پتھر مارا۔'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا منہ اس کے خون سے لتھڑ گیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے کوئی برا کلمہ کہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ برا کلمہ کہتے ہوئے سن لیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی، رقم الحدیث 4317

Marfat.com

مهلا يا خالد فوالّذی نفسی بیده لقد تاب توبة لوتابها صاحب مکس لغفرله ثم امربها فصلی علیها و دفنت۔(1)

''اے خالد رک جاؤ، مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے اگر (ظلماً) ٹیکس لینے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اسے بھی بخش دیا جاتا۔ پھر آپ کے حکم فرمانے پر اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور اسے دفن کر دیا گیا۔''

ان مثالوں سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اصلاح معاشرہ کی بنیاد خشیت الٰہی پر رکھی تو اس کے اثرات کتنے گہرے اور دوررس تھے۔ اول تو اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جاننے والا جرم کرتا ہی نہیں ہے اور اگر کبھی اس سے غلطی ہو بھی جائے تو جب تک وہ اس کا کفارہ ادا نہ کر دے وہ چین سے بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ غلطی کا احساس اس کی راتوں کی نیند اڑا دیتا ہے اور اس کا دن کا چین برباد کر دیتا ہے۔

جس معاشرہ کی بنیاد خشیت الٰہی پر رکھی گئی ہے وہاں چھینا جھپٹی کی فکر پروان نہیں چڑھتی بلکہ انسان حد سے زیادہ محتاط ہو جاتا ہے اور حضور اکرم ﷺ لوگوں کی اصلاح کے لیے اس نکتہ کو بنیادی حیثیت دیتے تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آدمی آئے۔ جو کسی چیز کی میراث کے متعلق جھگڑ رہے تھے اور کسی کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں بھی ایک انسان ہوں تم میرے پاس کوئی جھگڑا لے کر آتے ہو ممکن ہے تم میں سے کوئی زیادہ اچھا بولنے والا ہو جو اپنے دعویٰ کو خوبی کے ساتھ بیان کر دے۔ میں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں لیکن درحقیقت وہ چیز اس کی نہ ہو۔ اس طریقہ سے جس نے کوئی ایسی چیز حاصل کی جو اس کا حق نہ ہو تو گویا میں اس کے گلے میں آگ کا ایک طوق پہنا رہا ہوں۔

1۔ نفس مصدر، کتاب الحدود۔ باب حد الزنی، رقم الحدیث 4318

2۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سنن ابی داؤد، ج3، ص328، باب فی قضاء القاضی اذا اخطأ، رقم الحدیث 3585\3586۔ دارالکتاب العربی۔ بیروت

Marfat.com

فبکی الرجلان و قال کل واحد منهما حقی لك (2)

''یہ بات سن کر دونوں افراد رونے لگے اور ہر ایک اپنا حصہ دوسرے کو دینے لگا''

جس معاشرہ کی بنیاد خشیت الٰہی پر رکھی جائے وہی معاشرہ قابل تقلید حد تک اصلاح یافتہ ہوتا ہے۔ سیرت نبوی کا پیغام یہی ہے۔

اصلاح معاشرہ اور تدریج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر کام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ آپ کی پوری زندگی اس پر شاہد ہے کہ آپ نے فطرت انسانی کو کبھی بھی کچلا نہیں ہے بلکہ آپ کا ہر فعل فطرت انسانی کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ آپ نے معاشرتی اصلاح کے لیے کوئی ایسا راستہ اختیار نہیں کیا جو انسانی فطرت سے متصادم ہو۔

یہ حقیقت بھی نا قابل انکار ہے کہ برے انسان میں بری عادات آہستہ آہستہ جڑ پکڑتی ہیں۔ شروع میں ان پر قابو پانا ممکن ہوتا ہے لیکن جب وہ پختہ ہو جائیں تو پھر وہ ''فطرت ثانیہ'' کہلانے لگتی ہیں اور یکدم انہیں چھوڑنے کا حکم دینا فطرت انسانی سے جنگ کے مترادف ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصلاح معاشرہ اور دعوت و ارشاد کے پورے منصوبے میں فطرت انسانی کا پورا خیال رکھا اور اصول تدریج کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا۔ سیرت نبوی کا یہ پہلو بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے بہت بڑا احسان ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

قال بعض المفسرین ان اللہ لم یدع شیئًا من الکرامة و البر الا اعطا هذه الامة و من کرامته و احسانه انه لم یو جب علیهم الشرائع دفعةً واحدةً ولکن اوجب علیهم مرة بعد مرة۔ (1)

فضیلت و کرامت کی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا نہ فرمائی ہو۔ یہ بھی اسی کا فضل و احسان ہے کہ اس نے شرائع (احکام) کو ایک ہی مرتبہ نہیں اتارا بلکہ

1۔ الجامع لاحکام القرآن، ج 3، ص 52۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی، دار عالم الکتاب الریاض، 1423ھ، 2003ء

Marfat.com

یکے بعد دیگرے رفتہ رفتہ واجب کیا"۔

اس تناظر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ فرماتی ہیں:

انما نزل اول ما نزل سورۃ من المفصل فیھا ذکر الجنۃ والنار حتی اذا تاب الناس الی الاسلام نزل الحلال و الحرام ولو نزل اول ما نزل لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا أبدا۔(1)

"قرآن کریم میں سب سے پہلے وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت اور دوزخ کا ذکر تھا۔ پھر جب لوگ مضبوطی سے اسلام پر قائم ہو گئے تو پھر حلال وحرام کے احکام نازل ہوئے مثلاً اگر شراب نہ پینے کا حکم پہلے دن ہی نازل ہو جاتا تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اسی طرح اگر شروع میں کہا جاتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز اس سے باز نہیں آئیں گے۔"

سیرت کے اس پہلو سے واضح ہو رہا ہے کہ اصلاح معاشرہ کے لیے زمینی حقائق کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے دن شراب کو حرام نہیں کیا کیونکہ لوگ اس کے بہت بری طرح عادی تھے۔ آپ نے سب سے پہلے شراب کے نقصان کو واضح کیا کہ اس کا نقصان اس کے فائدہ سے بہت زیادہ ہے۔ جب لوگوں کو کچھ احساس ہوا تو پھر فرمایا کہ شراب پی کر نماز پڑھنے نہ آؤ۔ لوگوں کے دلوں میں شراب کی اور نفرت بیٹھ گئی اور پھر واضح طور پر اس کی حرمت کو بیان فرمایا اور فرمایا کہ یہ شیطانی کام ہیں۔ ان سے رک جاؤ۔ جب آپ نے ذہن سازی کرنے کے بعد شراب کی حرمت کو بیان فرمایا تو تمام لوگوں نے فوری طور پر شراب چھوڑ دی جو حکمت تدریج کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب ایمان پختہ ہو گئے، تعلیمات اسلامیہ قلب وروح کی گہرائیوں میں بس گئیں۔

1۔ صحیح البخاری، ج6، ص185۔ باب تالیف القرآن، رقم الحدیث 4993، دار طوق النجاۃ (1424ھ)

Marfat.com

اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی عادت فطرت بن گئی تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ حضور رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خادم کو حکم دیا کہ مدینہ کی گلی کوچوں میں پھر کر بلند آواز سے ان آیات کا اعلان کرے۔ جب وہ منادی کرنے والا اعلان کرنے نکلا تو کئی جگہ شراب کی محفلیں آراستہ تھیں۔ میخوار جمع تھے۔ پیمانے گردش میں تھے جونہی کان میں فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کی آواز پہنچی، ہاتھوں پر رکھے ہوئے پیالے زمین پر پٹخ دیئے گئے۔ ہونٹوں سے لگے ہوئے جام خود بخود الگ ہو گئے۔ مشکوں اور مٹکوں میں بھری ہوئی مئے ناب انڈیل دی گئی۔ وہ چیز جو انہیں از حد عزیز تھی اب گندے پانی کی طرح گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ حیرت یہ ہے کہ اس کے بعد کسی صحابی نے شراب پینے کا خیال تک نہ کیا۔(1)

تدریج کے اس اصول کے بغیر معاشرتی اصلاح ممکن نہیں ہوتی مثلاً اگر ایک شخص پانچ برائیوں میں مبتلا ہے تو اسے یکدم پانچوں برائیاں ہی چھوڑنے کو کہا جائے تو زمینی حقیقت یہ ہے کہ عموماً ایسا ممکن نہیں ہوتا۔ برائی ہر حال میں برائی ہی رہے گی۔ مصلح کو چاہیے کہ ممکنہ حد تک تدریج کے مطابق اس سے برائیاں چھڑائے کہ یہاں وہ پہلے اس کی پانچ برائیوں کو برداشت کر رہا تھا۔ اب چند دنوں کے لیے تین کو کر لے تاکہ آہستہ آہستہ اس کی یہ تین بھی ختم ہو جائیں۔ نہ یہ کہ یکدم پانچوں چھڑانے کی دھن میں ایک بھی نہ چھڑا سکے۔ اسے تدریج کہا جائے گا۔ برائی پر راضی رہنا نہیں۔"

سیرت نبوی سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ نیکی کے اثرات پر پورا پورا یقین فرماتے تھے کہ ایک نیکی دوسرا گناہ چھڑانے کا ضرور ذریعہ بنے گی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا:

ان رجلا یقرء القرآن کلہ فاذا اصبح سرق قال ستنھاہ قرأتہ(2)

1۔ ضیاء القرآن، ج1،ص507-508۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

2۔ مسند ابن الجعد، ج1،ص306۔ علی بن الجعد البغدادی، موسستہ نادر۔ بیروت

Marfat.com

"کہ ایک آدمی ایسا ہے جو سارا قرآن پڑھتا ہے جب صبح کرتا ہے تو چوری کرتا ہے۔

آپ نے فرمایا: عنقریب اس کی قراءت اسے چوری سے روک لے گی۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار میں ایک ایسا نوجوان تھا جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ نمازیں ادا کرتا اور ہر برائی کا ارتکاب بھی کرتا تھا۔ اس کا ذکر رسول کریم ﷺ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

ان صلاته ستنهاه يوما فلم يلبث ان تاب وحسن حاله (1)

"یقیناً ایک دن اس کی نماز اسے ان برائیوں سے روک لے گی (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) پھر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اس نے توبہ کی اور اس کا حال بہت سنور گیا۔"

سیرت نبوی کے اس پہلو سے واضح ہو رہا ہے کہ اصلاح معاشرہ کا فریضہ سرانجام دینے والوں کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ انہیں تحمل اور تدریج کا راستہ اپنانا چاہیے۔

معاشرتی برائیوں کا شعور اجاگر کرنا

انسان اپنے نظریات کا غلام ہوتا ہے جس چیز کی برائی اس کے دل میں بیٹھ جائے وہ کبھی بھی اس کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ نبی کریم ﷺ نے اصلاح معاشرہ کے لیے ایک کام یہ بھی فرمایا کہ آپ نے معاشرتی برائیوں کی قباحت کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا اور جو چیزیں معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے مقام و مرتبہ کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا تا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کاموں کے کرنے کا شوق پیدا ہو جو معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنتے ہیں اور لوگ ان چیزوں سے مکمل اجتناب کریں جو معاشرتی فساد اور بگاڑ کا ذریعہ بنتی ہیں۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

تمام برائیوں کی جڑ غصہ ہے۔ غصہ کی شدت ہی لڑائی جھگڑا اور بسا اوقات قتل و غارتگری

1۔ تفسیر الخازن، ج 5، ص 194۔ علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی، دار الفکر، بیروت (1399ھ)

Marfat.com

تک لے جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے غصہ پی جانے کی تحسین فرمائی اور انسان کو صبر و تحمل کا درس دیا۔ حضرت ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا

دلنی علی عمل یدخلنی الجنة۔ قال رسول الله ﷺ لا تغضب و لك الجنة۔(1)

”مجھے کسی ایسے عمل کے متعلق بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: غصہ نہ کیا کر تجھے جنت ملے گی۔“

آپ ﷺ نے قطع تعلقی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

من هجر اخاه فوق ثلاث فهو فی النار الا ان یتدارکه الله بکرامته۔(2)

”جس نے اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی کی وہ جہنمی ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت و کرم سے ڈھانپ لے“۔

معاشرتی برائیوں میں ایک بڑی برائی کسی کلمہ گو کو کافر یا گمراہ کہنا ہے۔ یہ بات بہت سے فتنہ و فساد کو جنم دیتی ہے اور نہ ختم ہونے والی لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس برائی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

من دعا رجلا بالکفر او قال یاعدو الله ولیس کذلك الاحار علیه۔(3)

”جس نے کسی شخص کو کافر کہہ کر بلایا یا کہا اے اللہ کے دشمن! اور وہ ایسا نہ ہو تو کہنے والا خود ان کا مصداق بن جاتا ہے“۔

معاشرتی اصلاح کو تباہ و برباد کرنے والی چیزوں میں ایک کسی کو برا بھلا کہنا اور گالی گلوچ کرنا بھی ہے۔ اس معاشرتی برائی کی قباحت کو بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

1۔ المعجم الاوسط، ج3، ص25، ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رقم الحدیث 2353، دارالحرمین القاہرہ، 1415ھ

2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج18، ص315۔ رقم الحدیث 815۔ مکتبۃ العلوم والحکم، موصل

3۔ ریاض الصالحین، ج2، ص266۔ امام نووی باب تحریم قولہ لمسلم یا کافر۔ 326، قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی

Marfat.com

سباب المسلم فسوق و قتاله کفر۔(1)

''کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے''۔

جو چیزیں معاشرتی بگاڑ کا ذریعہ بنتی ہیں ان میں سے ایک لوگوں میں باہمی نفرت پیدا کرتا ہے۔ یعنی کوئی انسان ایک انسان کے پاس جا کر کسی کے متعلق ایسی بے جا گفتگو کرتا ہے کہ وہ اس سے متنفر ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ دو لڑے ہوؤں میں صلح ہو جائے۔ اور دوری والے قریب آ جائیں یہ سوچ معاشرتی اصلاح میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہاں صلح کروانے کی تحسین کی وہاں فساد برپا کرنے کی مذمت کو بھی بیان فرمایا:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الا اخبرکم بافضل من درجة الصیام والصلاة والصدقة قالوا۔ بلی۔ قال اصلاح ذات البین فان فساد ذات البین الحالقة۔(2)

''کیا میں تمہیں ایک ایسے عمل کے متعلق نہ بتاؤں جو روزہ، نماز اور صدقہ سے افضل ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: دو لڑے ہوؤں میں صلح کروا دینا (نماز، روزہ اور صدقہ سے افضل ہے) اور لوگوں کے درمیان فساد ڈال دینا یہ تو ایمان کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے''۔

حضور ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

الا ادلك علی تجارة؟ قال بلی۔ قال صل بین الناس اذا تفاسدوا و قرب بینهم اذا تباعدوا۔(3)

''کیا میں تمہیں ایک تجارت کے متعلق نہ بتاؤں؟ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟

1۔ سنن ابن ماجہ، ج 1، ص 27 باب فی الایمان، رقم الحدیث 69، دار الفکر بیروت

2۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 432، باب فی اصلاح ذات البین۔ رقم الحدیث 4921، دار الکتاب العربی، بیروت

3۔ المعجم الکبیر للطبرانی (بالفاظ مختلفة)، ج 8، ص 257، رقم الحدیث 7999، مکتبة العلوم والحکم الموصل

Marfat.com

آپ نے فرمایا: جب لوگوں میں فساد برپا ہو جائے تو انہیں جوڑ دے۔ اور جب دور ہو جائیں تو انہیں قریب کر"۔

جس معاشرہ سے شرم وحیا عنقا ہو جائیں وہاں فحاشی وعریانی جنم لیتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے شرم وحیا کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا:

الحیاء شعبة من الایمان (1)

"حیا ایمان کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ ایک اور روایت میں ہے جو حیا سے تہی دامن ہے وہ ایمان سے محروم ہے۔"

جو معاشرہ حسن اخلاق پہنا لے وہ ایک مثالی معاشرہ بن جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ اخلاق عالیہ کی اعلیٰ ترین بلندیوں پر فائز تھے۔ آپ نے اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا

الا اخبرکم باحبکم الی، واقربکم منی مجلسا یوم القیامة فاعادھا مرتین او ثلاثا قالوا نعم یا رسول اللہ! قال احسنکم خلقا

"کیا میں تمہیں اس شخص کے متعلق نہ بتاؤں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب بیٹھے گا۔ آپ نے اس بات کو دو یا تین مرتبہ دوہرایا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں۔ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم میں سے وہ جس کا اخلاق اچھا ہوگا۔"

باہمی سلام کرنے سے آپس میں محبتیں فروغ پاتی ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ آپس میں سلام کیا کرو۔ آپ نے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے اور سفر سے واپسی پر معانقہ کرنے کی تلقین بھی فرمائی۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔

ان المسلم اذا لقیاہ اخاہ فاخذ بیدہ تحاتت عنھما ذنوبھما کما یتحات الورق عن الشجرة الیابسة فی یوم ریح عاصف والا غفر لھما ولو کانت ذنوبھما مثل زبد

1۔ سنن ابن ماجہ، ج 1، ص 22۔ باب فی الایمان، رقم الحدیث 58، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

البحر رواہ الطبرانی بأسناد حسن(1)

''جب کوئی مسلمان اپنے بھائی سے ملتا ہے اور (سلام کرتے وقت)'' اس کا ہاتھ پکڑتا ہے تو ان کے گناہ اس طرح گر جاتے ہیں جیسے شدید آندھی کے وقت درخت سے خشک پتے گر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرما دیتا ہے۔ اگرچہ ان کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔''

معاشرتی برائیوں میں ایک برائی غیبت اور چغلی بھی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کی ہر موقع پر شدید مذمت کی فرمائی ہے۔

ایک موقع پر آپ نے فرمایا

لایدخل الجنة تمام(2)

''حضرت ابوہریرہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ ہم دو قبروں کے پاس سے گزرے آپ رک گئے۔ ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کیا محسوس فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں سن رہے جو میں سن رہا ہوں؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہے۔ ان دونوں قبر والوں کو ایک (بظاہر) معمولی سے گناہ پر عذاب ہو رہا ہے۔ ہم نے عرض کیا: کس گناہ کے سبب؟ آپ نے فرمایا:

کان احدھما لا یستنزہ من البول و کان الاخر یؤذی الناس بلسانہ و یمشی بینھم بالنمیمة۔

ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا اپنی زبان سے لوگوں کو تکلیف دیتا تھا۔ ان میں غیبت پھیلاتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی دو ٹہنیاں منگائیں اور دونوں قبروں پر ایک ایک ٹہنی رکھ دی۔ ہم نے عرض کیا اس عمل سے انہیں نفع ہوگا۔ آپ

1۔ الترغیب والترہیب، ص 514، امام عبدالعظیم المنذری، کتاب الادب رقم الحدیث 4012، دار ابن حزم

2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 38، ص 351۔ رقم الحدیث 23325، موسسۃ الرسالۃ (1420ھ)

Marfat.com

نے فرمایا:

نعم یخفف عنھما مادامتا رطبتین۔(1)

ہاں؟ جب تک یہ تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

جس معاشرہ میں انسانی جان و مال کی حرمت کا شعور اجاگر ہو جائے وہاں ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کی جاتی ہے اور معاشرہ صلح و آشتی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں ان چیزوں کا بڑی شدت سے احساس دلایا۔ خطبہ جمعۃ الوداع کے موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

ان دماء کم و اموالکم و أعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الا بلغت۔(2)

بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح قابل احترام ہیں جیسے اس شہر میں، اس مہینا میں یہ دن قابل احترام ہے۔

ان چند مثالوں سے واضح ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح ان جملہ تعلیمات کو اجاگر کیا جو اصلاح معاشرہ کے لیے کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ سیرت نبوی کی ان تعلیمات کا شعور جس معاشرہ میں زندہ کر دیا جائے وہ معاشرہ مدنی معاشرہ کا عکس بن جائے گا چونکہ بدقسمتی سے ہمارے اصحاب منبر و محراب اور فرائض ابلاغ سرانجام دینے والے الا ماشاء اللہ...... اصلاح معاشرہ کے اس پروگرام کو چھوڑ کر خود ساختہ بحثوں میں مشغول رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی تذلیل میں ہی اپنی کامیابی کا راز مضمر سمجھتے ہیں۔ اس لیے قوم ان تعلیمات سے واقف نہ ہو سکی اور معاشرتی بگاڑ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ حضرت اقبال نے کتنی سچی بات کہی تھی

1۔ موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، ج1، ص64۔ امام علی بن ابی بکر الہیثمی۔ رقم الحدیث 140، دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ صحیح البخاری، ج8، ص159۔ باب ظہر المومن حمی۔ دار طوق النجاۃ (1422ھ)

Marfat.com

قوم کے ہاتھوں سے جاتا ہے متاع کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ ذات و صفات

اور آپ نے یہ بھی فرمایا تھا:

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

معاشرتی برائیوں کا احساس دلانا اور معاشرتی اصلاح کے اعمال کی ترغیب اصلاح معاشرہ کے لیے ایک اہم کردار ادا کرتی ہے اور سیرت نبوی میں یہ تعلیمات مکمل طور پر محفوظ ہیں۔ضرورت ہے کہ انہیں اجاگر کیا جائے اور لوگوں میں ان تعلیمات کو پھیلایا جائے کہ اصلاح معاشرہ کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دیا جا سکے۔

جرم وسزا کا تصور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن بنیادوں پر معاشرتی اصلاح کا ایک بے مثال نمونہ قائم فرمایا ان کا ایک اہم نکتہ جرم وسزا کا تصور ہے۔تاریخ شاہد ہے اور حال گواہ ہے کہ جس معاشرہ میں جرم کو جرم نہ سمجھا جائے اور مجرم کو سزا نہ دی جائے وہ معاشرے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ ظالم کے ساتھ رحم مظلوم پر ظلم ہوتا ہے۔رحم دلی اس چیز کا نام نہیں ہے کہ مجرموں کو کھلی چھٹی دے دی جائے بلکہ رحمدلی اس کا نام ہے کہ مظلوم کی دادرسی کی جائے اور مظلوم کی بے بسی پر انسان تڑپ کے رہ جائے۔

قرآن مجید میں نیکوکاروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے مژدے سنائے ہیں اور باغیوں اور سرکشوں کے لیے اپنے عذاب شدید کا تذکرہ بھی فرمایا ہے کیونکہ کسی بھی قانون کی نظر میں ظالم اور مظلوم اور قاتل ومقتول برابر نہیں ہوتے۔

کچھ بندے محبت اور دلیل کی بات سمجھتے ہیں اور کچھ انسان صرف سختی اور سزا کی زبان سمجھتے ہیں۔ اس لیے اسلام میں دونوں پہلو ملحوظ خاطر رکھے گئے ہیں۔ قانون بیان کیے گئے۔انہیں لوگوں کے قلب ونظر میں اتارنے کا پورا سامان کیا گیا۔انہیں قانون کی پابندی

Marfat.com

بلکہ سدذرائع کا حکم دیا گیا اور ان راستوں کو ہی بند کر دیا گیا جو انسان کو ارتکاب جرم تک لے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی انسان پھر بھی جرم کا ارتکاب کرے تو اسے پوری سزا دی جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں انفرادی اور ذاتی طور پر عفو و درگزر کی تلقین فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ آپ نے اپنی جان کے دشمنوں کو تو معاف فرمایا اور اپنے خون کے پیاسوں کو تو دعائیں دیں لیکن قانون کے مجرموں کو ان کے جرم کے مطابق سزائیں بھی دیں کیونکہ اگر مجرموں کو سزا ملنی شروع ہو جائے تو مجرم سزا کے تصور سے ہی جرم سے رک جاتے ہیں اور معاشرہ جرائم سے پاک ہو جاتا ہے۔ شاید اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الحد یقام فی الارض خیر لاھل الارض من أن یمطروا اربعین صباحا (1)

''ایک حد جو زمین میں قائم کی جائے وہ زمین والوں کے لیے چالیس دن کی (نفع مند) بارش سے بہتر ہے''۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اقیموا حدود اللہ فی القریب والبعید ولا تاخذکم فی اللہ لومۃ لائم (2)

''اللہ کی حدیں نزدیک بھی قائم کرو اور دور بھی۔ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔''

اگر حدود قائم نہ کی جائیں اور مجرموں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو جرم بڑھتا جائے گا اور آخر کار پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کو ایک مثال سے سمجھایا۔ آپ نے فرمایا:

''مجرم کو سزا دینے والے اور جرم کا مرتکب ہونے والے کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی قوم کسی کشتی میں سوار ہو بعض لوگ کشتی کے اوپر والے حصہ میں تھے اور بعض نیچے والے حصہ

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج6، ص8۔ ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر، دار طیبہ للنشر والتوزیع

2۔ سنن ابن ماجہ، ج2، ص849۔ رقم الحدیث 2540، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

میں۔ جب نچلی منزل والوں کو پانی کی ضرورت پڑتی تو انہیں پانی لینے کے لیے اوپر والی منزل پر جانا پڑتا ہے۔ نیچے والوں نے سوچا ہم کشتی کے نیچے والے حصے میں ہی سوراخ کر لیں تو ہمیں بار بار اوپر جانے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی اور وہ نیچے والے حصہ میں سوراخ کرنے لگے۔ اگر اوپر والوں نے انہیں ان کے اس کام سے نہ روکا تو سب ہلاک ہو جائیں گے۔"

وان اخذوا علی ایدیھم نجوا ونجوا جمیعا۔ (1)

"اور اگر انہوں نے انہیں روک لیا تو اوپر والے بھی بچ جائیں گے اور نیچے والے بھی"۔

یعنی اگر اوپر والوں نے نیچے والوں کو کشتی میں سوراخ کرنے سے نہ روکا تو جب پانی کشتی میں آئے گا تو نہ اوپر والے بچیں گے اور نہ نیچے والے۔ اور اگر انہوں نے انہیں روکا تو اوپر والے بھی بچ جائیں گے اور نیچے والے بھی۔ اسی طرح اگر مجرموں کو سزا دی جائے تو پورا معاشرہ محفوظ ہو جاتا ہے اور اگر مجرموں کو سزا نہ دی جائے تو پورا معاشرہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قانون کے نفاذ میں ہمیشہ مساوات اور برابری کو ملحوظ خاطر رکھا اور قانون کی نظر میں سب کو برابر ٹھہرایا اور آپ نے عملی طور پر یہ ثابت کیا کہ اگر قانون صرف غریبوں تک محدود ہو جائے اور امیر قانون کی گرفت سے بچ جائیں تو قانون کا یہ حشر کرنے والی قومیں تباہی کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

بنی مخذوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش کو اسے سزا دینے کا معاملہ کچھ شاق گزرا۔ انہوں نے آپس میں کہا اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کون بات کرے گا؟ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سوا یہ بات کوئی نہیں کر سکتا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس معاملہ میں بات کی (کہ بنی مخذوم کی عورت کو سزا دینے سے اس عظیم قبیلہ کی عزت پر حرف آئے گا اس لیے اس کی سزا معاف کر دی جائے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یا اسامة، اتشفع فی حد من حدود الله؟ ثم قام فاختطب فقال انما هلك

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج10، ص31۔ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، رقم الحدیث 20683

Marfat.com

الذین من قبلکم أنھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ۔ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔ (1)

''اے اسامہ! رضی اللہ عنہ کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ اٹھے اور آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا بے شک تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے سزا نہ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو وہ اس پر حد قائم کر دیتے اور اللہ کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتیں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

سیرت نبوی کا یہ پہلو بتاتا ہے کہ معاشرہ کبھی بھی جرم و سزا کے تصور کے بغیر نہیں سنور سکتا اور جب تک مجرم کو سزا نہ دی جائے معاشرہ جرائم کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ سیرت طیبہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مجرم کو سزا دینے میں اور اللہ کی حدود کو نافذ کرنے میں آپ کسی قسم کی کوئی نرمی نہیں برتتے تھے۔ ذاتی مجرموں کو ہمیشہ معاف فرما دیتے تھے لیکن حدود قائم کرنے میں کبھی بھی نرمی نہیں فرماتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ عکل یا عرینہ کے چند لوگ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے لیکن وہاں کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی وہ بیمار ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہاں جانے کا حکم دیا جہاں بیت المال کی دودھ دینے والی اونٹنیاں چرتی تھیں اور انہیں حکم دیا کہ ان اونٹنیوں کا بول اور دودھ پئیں وہ وہاں چلے گئے اور ایسا کرنے سے وہ تندرست ہو گئے۔ جب وہ تندرست ہوئے تو انہوں نے اس چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹنیاں لیکر بھاگ گئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کے تعاقب میں سوار بھیجے۔ جب کافی دن چڑھ آیا تو وہ سوار انہیں گرفتار کر کے لے آئے۔

اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جو سزا دی اسے بیان فرماتے ہوئے حضرت انس فرماتے ہیں

فقطع ایدیھم وارجلھم و سمرت اعینھم والقوہ فی الحرۃ یستسقون فلا یسقون (2)

1۔ نفس مصدر، باب السارق توھب لہ السرقۃ، رقم الحدیث، 17687

2۔ مسند ابی یعلی (بالفاظ مختلفۃ)، ج 7، ص 12۔ احمد بن علی ابو یعلی، دار المامون للتراث، دمشق

Marfat.com

''ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری گئی۔ انہیں دھوپ میں ڈال دیا گیا۔ وہ پانی طلب کرتے تھے اور انہیں پانی نہیں دیا جاتا تھا''۔

انہیں یہ سخت سزا اس لیے دی گئی کہ ان کا جرم ہی اس نوعیت کا تھا اور یہ سزا ان کے جرم کے عین مطابق تھی۔ ان کے جرم کی نوعیت بیان کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

حضور ﷺ نے ان کے تعاقب میں کرز بن جابر فہری کو بھیجا۔ ان کے ساتھ بیس سوار تھے۔ اہل عرینہ کی تعداد آٹھ تھی۔ وہ دودھ دینے والی اونٹنیاں ذی الحدر میں چرتی تھیں۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چھ میل دور قبا کے نواح میں تھی۔ حضور ﷺ کے غلام یسار نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر انہیں پکڑ لیا اور ان سے لڑنا شروع کر دیا۔

فقطعوا یدہ و رجلہ وغرز الشوك فی لسانہ و عینہ حتی مات ففعل بھم النبی ﷺ کذلك(1)

''انہوں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ ان کی زبان اور آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے یہاں تک کہ اسی حالت میں انہوں نے تڑپتے ہوئے جان دے دی۔ حضور ﷺ نے انہیں اسی طرح سزا دی۔''

رحمۃ للعالمین ﷺ کی سیرت کا یہ پہلو واضح کر رہا ہے کہ حدود کو قائم کرنا اور مجرم کو سزا دینا مجرم کے لیے تو جیسا بھی ہو لیکن پورے معاشرہ کے لیے امن وسکون کا امین ہوتا ہے۔

اگر ہم حضور اکرم ﷺ کی سیرت کے ان پہلوؤں کو اپنائیں تو یقیناً معاشرہ نہ صرف اصلاح یافتہ ہو سکتا ہے بلکہ پوری دنیا کے لیے ایک آئیڈیل معاشرہ بن سکتا ہے

مثل کلیمؑ ہو اگر معرکہ آزمائی کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

(اقبال)

1۔عمدۃ القاری، ج5، ص91، بدرالدین عینی الحنفی، باب ابواب الابل والدواب والغنم ومرابضھا، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

Marfat.com

Marfat.com

سیرت طیبہ اور تکریم انسانیت

کلکم بنو آدم و آدم خلق من تراب

(سنن الترمذی، رقم الحدیث 3955)

''سب انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے کی گئی تھی۔''

Marfat.com

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر جو دنیا کے لیے رحمت ہی رحمت ہے
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخر آدمیت ہے
(ماہر القادری)

Marfat.com

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پیغام تکریم انسانیت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قولی اور عملی طور پر ہر انسان کا احترام کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ کسی انسان سے اختلاف رائے ہونا یا اس کے ساتھ حالت جنگ میں ہونا اور چیز ہے اور تکریم انسانیت ایک الگ چیز ہے۔ تکریم انسانیت کا مطلب ہے اختلاف اور جنگ بھی اخلاقیات کے دائروں سے باہر نہ نکلے۔

تعلق توڑ دینے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں
کسی کو چھوڑ دینے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں

تعلق کی بنا پر کسی کا احترام کرنا احترام انسانیت نہیں کہلائے گا بلکہ تعلق کا احترام کہلائے گا، مثلاً ایک صاحب اپنے آفس میں براجمان ہیں ان کے پاس کوئی بندہ اپنا کوئی مسئلہ لے کے جاتا ہے وہ اس کے سلام کا جواب تک دینا گوارہ نہیں کرتا۔ اس کے کسی دوست کا سفارشی رقعہ نکال کر اسے دے دیتے ہیں۔ پھر وہ اس سائل کا بہت احترام کرتا ہے انہیں تعظیم سے بٹھاتا ہے، چائے بھی پیش کرتا اور اس کا کام بھی کرتا ہے۔ اس صاحب کا یہ احترام انسان کا احترام نہیں کہلائے گا بلکہ تعلق کا احترام کہلائے گا۔ انسان کا احترام یہ تھا کہ بغیر رقعہ دیکھے اسے ایک انسان سمجھتے ہوئے حتی الامکان اس کی عزت نفس کا خیال بھی رکھا جاتا اور اس سے تعاون بھی کیا جاتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کا احترام بحیثیت انسان کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی بھی انسان سے کوئی بھی معاملہ کرتے ہوئے اختلافی حدود کی پابندی کی تلقین فرمائی ہے۔ بادی النظر میں تو کوئی شخص بھی اصولی طور پر احترام انسانیت کی مخالفت نہیں کرے گا لیکن عملی طور پر بہت سی چیزیں اس راہ میں رکاوٹ بن جائیں گی اور عمومی طور پر ہمیں صورتحال تکریم انسانیت کے برعکس نظر آئے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن پہلوؤں سے تکریم انسانیت کی تعلیم دی ہے انہیں کی پیروی ایک انسان کو تکریم انسانیت کا فریضہ سرانجام دینے کی سعادتوں سے بہرہ مند کرتی ہے۔

Marfat.com

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احترام انسانیت سرانجام دینے کے لیے جن چیزوں کو بنیادی حیثیت دی ہے ان میں سے چند ایک کلیدی حیثیت کی چیزیں یہ ہیں۔

(i) اختلاف، احترام انسانی میں مانع نہ ہو

عموماً انسان دوسروں کا احترام تو کرتا ہے لیکن وہ سوچ لیتا ہے کہ میرے دوست اور جان پہچان والے تو احترام کے لائق ہیں لیکن دشمن تو کسی احترام کے لائق نہیں اور دشمن سے معاملہ کرتے ہوئے وہ انسانی قدروں کو ہی پامال کر دیتا ہے۔ یہ سوچ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے عیاں ہے کہ آپ بغیر کسی تفریق کے بلند ترین اخلاقی اقدار کا مظاہرہ فرماتے اور تمام تر مخالفت اور مخاصمت کے باوجود بھی احترام انسانیت کا کامل ترین مظاہرہ فرماتے تھے۔

یہود اسلام کے بدترین دشمن تھے جن کی سازشی ذہنیت نے ہر موقع پر نئے انداز میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گزند پہنچانے کی کوشش کی۔ قرآن کریم میں ان کی اسلام دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

(المائدہ:82)

''اور آپ یقیناً پائیں گے کہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن یہودی ہیں اور وہ لوگ جو شرک کرتے ہیں۔''

اس آیہ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ یہود اور مشرکین اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں لیکن ان میں سے یہود پہلے نمبر پر ہیں۔ ہجرت مدینہ کے بعد بھی ان تمام تر اختلافات اور مخاصمت کے باوجود سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ واقعہ بتاتا ہے کہ تکریم انسانیت کے ناطے آپ کا یہود کے ساتھ کیا رویہ تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل بن حنیف اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہم قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو وہ دونوں

Marfat.com

کھڑے ہو گئے تو انہیں کہا گیا کہ یہ اس زمین کا باسی یا اہل ذمہ میں سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک جنازہ آپ کے پاس سے گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ آپ سے عرض کیا گیا یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

أليست نفسا (1)

''کیا یہ انسان نہیں تھا''۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ احترام انسانیت کے کیا تقاضے ہیں اور انہیں کس طرح پورا کرنا چاہیے۔ یہ بھی احترام انسانیت کا ہی تقاضا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عین حالت جنگ میں بھی ہر اس شخص کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی جو جنگ میں حصہ نہ لے رہا ہو۔

ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان جنگ میں ایک عورت کی لاش پڑی ہوئی دیکھی تو آپ نے ناراض ہو کر فرمایا:

ما كانت هذه تقاتل فيمن يقاتل۔

یہ تو لڑائی نہیں کر رہی تھی اور پھر امیر لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

لا تقتلن امرأة ولا عسيفا (2)

''نہ کسی عورت کو قتل کرو نہ (جبری) مزدور کو''۔

ایک موقع پر فرمایا

لا تقتلوا شيخا فانيا ولا طفلا صغيرا ولا امرأة (3)

''کسی بوڑھے کو قتل نہ کرو، کسی چھوٹے بچے اور (جنگ میں شریک نہ ہونے والی) عورت کو بھی قتل نہ کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تعلیمات سے واضح ہو رہا ہے کہ انسانی احترام کا دائرہ صرف

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 4، ص 27۔ رقم الحدیث 7130 مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد

2۔ جامع الاصول، ج 2، ص 598 ابو السعادات مبارک بن محمد الجزری رقم الحدیث 1081، مکتبہ دار البیان

3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 7، ص 550۔ رقم الحدیث 3620، مکتبۃ الرشید

Marfat.com

اپنوں تک محدود نہیں۔ دشمنوں سے تمام تر اختلاف کے باوجود بھی ان سے معاملہ کرتے ہوئے انسانی قدریں نمایاں ہونی چاہئیں۔ یعنی اگر قتل وقتال تک بھی نوبت پہنچ جائے تب بھی انسانی قدریں ترک نہیں کرنی چاہئیں۔ ایسے مواقع پر بھی آپ نے دشمن کو تکلیفیں دے کر اور اسے باندھ کر مارنے سے بڑی سختی سے منع فرمایا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سمعت رسول الله ﷺ نهى عن قتل الصبر فوالذى نفسى بيده لو كانت الدجاجة ما صبرتها۔(1)

''میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا کہ آپ نے دشمن کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا۔ خدا کی قسم! اگر کوئی مرغی بھی ہو تو میں اسے بھی باندھ کر نہ ماروں۔''

زمانہ جاہلیت میں لوگ لاشوں کا مثلہ کر دیتے تھے یعنی دشمن کو قتل کرنے کے بعد اس کے اعضا کاٹ دیتے تھے جیسے غزوہ احد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کیا گیا تھا چونکہ یہ چیز انسانی حرمت کے منافی تھی اس لیے حضور اکرم ﷺ نے اس عمل کی بڑی شدت سے ممانعت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن یزید فرماتے ہیں:

نهى النبى صلى الله عليه واله وسلم من النهبى والمثلة (2)

''نبی کریم ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ سے منع فرمایا''۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

لا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا (3)

''بدعہدی نہ کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو اور مثلہ نہ کرو، اسی لیے آپ نے کسی کو آگ میں جلانے سے منع فرمایا۔

سیرت نبوی ﷺ کے اس پہلو سے واضح ہو رہا ہے کہ تکریم انسانیت کا پہلا مرحلہ یہ

1۔ سنن ابی ابوداؤد، ج3،ص13۔ باب فی قتل الاسیر، رقم الحدیث 2689۔ دار الکتاب العربی، بیروت
2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج4،ص124۔ رقم الحدیث 3872 مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل
3۔ ایضاً، ج2،ص313۔ رقم الحدیث 2305۔ مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

ہے کہ ہر انسان کا احترام صرف انسانیت کے ناطے کیا جائے اور جنگ وجدل کے حالات میں انسانی قدروں کو پامال نہ کیا جائے۔''

(ii) طبقاتی کشمکش کی نفی

ایک اور چیز جس نے ہمیشہ انسانیت کے ایک بہت بڑے طبقے کی تذلیل کی۔ وہ انسانیت کی وہ تقسیم تھی جس نے عزت وآبرو کو چند مخصوص گروہوں کی اجارہ داری بنا دیا تھا۔ یہ تقسیم کسی نہ کسی رنگ میں پوری دنیا میں ہی پائی جاتی تھی۔ عرب میں آقا اور غلام، عراق میں اردو، عمیلو، مشکینو اور ہندوستان میں برہمن کھشتری اور شودر وغیرہ کی تقسیم تھی۔ کہیں یہ تقسیم مذہب کے روپ میں نظر آتی تھی کہ عام آدمی کے لیے اور قانون ہوں گے اور پادری کے لیے اور کہیں عربی عجمی کی تقسیم تھی اور کہیں کالے گورے کی۔

اس طرح تکریم انسانیت کے نازک آبگینے پاش پاش ہو گئے تھے۔ اس وقت جب پوری دنیا اسی نوعیت کی تقسیموں میں منقسم تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحدت نسل انسانی کی آواز بلند فرمائی اور حقیر سمجھے جانے والے طبقوں کو بھی عزت وکرامت کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان ربکم واحد و اباکم واحد فلا فضل العربی علی أعجمی ولا لعجمی علی عربی ولا احمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی (1)

''بے شک تمہارا رب ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی سرخ کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل ہے مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔''

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پہلو سے واضح ہو رہا ہے کہ افضلیت کوئی موروثی چیز نہیں ہے اور نہ ہی کسی بھی خاندان میں پیدا ہونا حقیر ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر ایک انسان کسی بھی ایسے خاندان میں پیدا ہو گیا جسے لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو اس میں آخر اس

1۔ المعجم الاوسط، ج 5، ص 86، ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، رقم الحدیث 4961 دار الحرمین قاہرہ، 1415ھ

Marfat.com

کا قصور کیا ہے؟ کیا اس کی پیدائش اس کے اختیار میں تھی؟ اور کوئی بھی جرم کیے بغیر وہ مجرم کیوں ٹھہرا؟ اور جو گناہ اس نے کیا ہی نہیں تھا اس کی سزا اسے کیوں دی گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افضلیت پانے کا راستہ سب کے لیے کشادہ کر دیا کہ جو بھی اس پہ چلے گا وہ ہی عزت وکرامت پالے گا اور یہ ہر انسان کے قابل تکریم ہونے کا ہی لازمی ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مکرم اور معزز پیدا کیا ہے۔ اب جو انسان اپنے اس شرف کو باقی رکھے گا بغیر رنگ ونسل اور کسی بھی جغرافیائی تقسیم کے وہ معزز ہوگا اور جو اس کی حفاظت نہ کرے گا وہ اپنا شرف کھو دے گا۔

اس خود ساختہ تقسیم نے انسانیت کے ایک بہت بڑے طبقے کو جس طرح زمانے کی نظروں سے گرا دیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طبقے کو بھی عزت وکرامت کے تاج پہنا دیئے۔ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کر کے عملی طور پر آقا و غلام کی تقسیم ختم کر دی۔

جب مکہ فتح ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان پڑھو۔ یہ ایک بہت بڑا شرف تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غلام کو عطا فرمایا تا کہ غلاموں کو شرف و کرامت پر اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا جائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان پڑھنی شروع کی تو قریش کو ایک غلام کی یہ عزت افزائی بہت بری محسوس ہوئی۔ یہ منظر دیکھ کر ان پر رنج وغم کے پہاڑ ٹوٹ گئے۔

عتاب کہنے لگا اللہ کا شکر ہے میرا باپ یہ منظر دیکھنے سے پہلے مر گیا۔ حارث بن ہشام بولا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کالے کوّے کے سوا اذان پڑھانے کے لیے کوئی اور نہیں ملا۔ سہیل بن عمرو انتہائی تأسف اور کرب سے کہنے لگا جیسے اللہ کی مرضی۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (حجرات:13)

Marfat.com

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔''

یعنی قبیلے اور خاندان تو صرف تعارف کیلئے ہیں مطلق افضلیت یا حقارت کے لیے نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الله عزو جل يقول يوم القيامة امرتكم فضيعتم ما عهدت اليكم فيه و رفعتم انسابكم فاليوم ارفع نسبي واضيع انسابكم اين المتقون ان اكرمكم عندالله اتقاكم۔ (1)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا میں نے تمہیں حکم دیا تھا تم نے مجھ سے کیا ہوا عہد ضائع کر دیا۔ تم نے اپنے نسب بلند کیے۔ آج میں اپنا (پسندیدہ) نسب بلند کروں گا اور تمہارے سب نسب ضائع کر دوں گا۔ متقی کہاں ہیں؟ متقی کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رنگ و نسل اور ذات پات کے تمام فرق مٹا کر تکریم انسانیت کا جو شعور دنیا کو دیا۔ اس نے ایک تو افضلیت و کرامت کا راستہ سب کیلئے برابر کھول دیا اور دوسرا انسانیت کے ان طبقوں کو بھی عزت و کرامت کے تاج پہنا دیئے جنہیں سدا حقارت سے دیکھا جاتا تھا۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(iii) عزت و آبرو کا تحفظ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکریم انسانیت کے جو تقاضے بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک اہم چیز انسان کی عزت و آبرو کا تحفظ ہے۔ اگر کوئی انسان کسی انسان کی عزت و آبرو کا تحفظ

1۔ شعب الایمان للبیہقی، ج 4، ص 289۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تکریم انسانیت کی نزاکتوں سے ناواقف ہے۔ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب اور بادشاہ ہو یا گداگر ہر انسان کی عزت نفس ہوتی ہے جس کی حفاظت کرنا تکریم انسانیت کا تقاضا ہے۔

کسی انسان کی پگڑی اچھالنا یا اس کی عفت و آبرو کا تمسخر اڑانا دراصل کسی انسان کو حقیر سمجھنے کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بنیاد کو ختم کیا جو انسانی عزت و آبرو کے تحفظ کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر فقال رجل۔ ان الرجل یحب ان یکون ثوبه حسنا و نعله حسنا فقال: ان الله جمیل و یحب الجمال الکبر بطر الحق و غمط الناس (1)

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک آدمی چاہتا ہے اس کے کپڑے اچھے ہوں۔ ان کا جوتا خوبصورت ہو (کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ حق کو جھٹلا دیا جائے اور لوگوں کو حقیر جانا جائے۔''

یعنی کپڑے اچھے ہوں، سواری اچھی ہو، گھر اچھا ہو یہ چیزیں تکبر نہیں یہ چیزیں تو فی نفسہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں تکبر تو یہ ہے کہ بندے کے پاس ایک حق آئے اور وہ اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا کر قبول نہ کرے اور وہ دوسروں کو حقیر جانے۔ کسی کو حقیر جاننے والا کبھی بھی اس کی عزت و آبرو کا تحفظ نہیں کرسکتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی انسان کی عزت و آبرو پر حملہ آور ہونے کو سود کا سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ حضرت براء ابن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

1۔ ریاض الصالحین، ج 1، ص 360، النووی، باب تحریم الکبر، رقم الباب 82، رقم الحدیث۔ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

Marfat.com

ان اربی الربوا استطالة الرجل فی عرض اخیه رواه الطبرانی فی الاوسط من روایة عمر بن راشد وقد وثق۔(1)

''بے شک سود کا سب سے بڑا گناہ اتنا ہے جیسے کوئی شخص اپنے بھائی کی عزت پر حملہ کرے۔''

ہر وہ چیز جو انسانی عزت وآبرو کو مجروح کرنے والی ہو حضور اکرم ﷺ نے اس کی شدید مذمت فرمائی۔ اسی لیے آپ نے غیبت، تجسس اور دوسروں کی عیب جوئی سے منع فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے انسانی عزت وآبرو کو بیان کرتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

ھذا یوم الحج الاکبر فدماؤکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة ھذا البلد فی ھذا الیوم(2)

''یہ حج اکبر کا دن ہے پس تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح قابل احترام ہیں جیسے آج کے دن یہ شہر قابل احترام ہے۔''

حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہو رہا ہے کہ جیسے کوئی بھی مسلمان کعبہ مکرمہ کا احترام کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ ایسے ہی دوسرے انسان کی عزت وآبرو کا بھی تحفظ کرے۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ بھی فرمان گرامی ہے:

المسلم أخو المسلم لایخونه ولا یکذبه ولا یخذله کل المسلم علی المسلم حرام عرضه وماله ودمه التقوی ھھنا بحسب امری من الشر ان یحتقر اخاه المسلم قال ابو عیسی ھذا حدیث حسن غریب۔(3)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اس سے خیانت نہیں کرتا، اس سے

1۔ الترغیب والترہیب، ص370، کتاب البیوع۔ رقم الحدیث 2767، دار ابن حزم

2۔ شعب الایمان للبیہقی، ج3، ص469، باب وقوف یوم العرفۃ بعرفات رقم الحدیث 4076، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

3۔ سنن ترمذی، ج4، ص335۔ باب شفقۃ المسلم علی المسلم۔ رقم الحدیث 1827، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

جھوٹ نہیں بولتا، اسے ذلیل نہیں کرتا، ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس کی عزت اور اس کا مال اور تقویٰ یہاں (دل میں) ہے۔ کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔

جب کسی کی عزت نفس کے خلاف کوئی بات کی جاتی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی حکمت بھرے انداز میں اس شخص کی عزت نفس کو بھی بحال فرماتے اور دوسرے کو اس سے باز رہنے کی تنبیہ بھی فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ تو ایک یہودی کی بیٹی ہے۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور رو پڑیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگیں حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ میں (صفیہ رضی اللہ عنہا) ایک یہودی کی بیٹی ہوں۔ یہ بات سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انك لابنة نبی و ان عمك لنبی و انك لتحت نبی فیما تفتخر علیك ثم قال اتق الله یا حفصة (1)

"تم ایک نبی کی بیٹی (اولاد) ہو۔ تمہارے چچا بھی نبی تھے اور تم ایک نبی کی زوجہ ہو۔ پس وہ کس چیز میں تم فخر کرتی ہے۔ پھر فرمایا۔ اے حفصہ! رضی اللہ عنہا اللہ سے ڈرتی رہا کرو۔"

چونکہ یہ کلمہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی عزت و آبرو کے شایان شان نہ تھا اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ بھی فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا تو ایسی ایسی ہیں (یعنی ان کے قد کے چھوٹے ہونے کی طرف اشارہ کیا)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لقد قلت کلمة لو مزجت بما البحر لمزجته (2)

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج 6، ص 408، ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر، دار طیبة للنشر

2۔ تفسیر الخازن، ج 6، ص 229، علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

''تم نے ایک ایسی بات کہی ہے اگر وہ سمندر یعنی پانی کے بہت بڑا ذخیرہ میں پھینک دی جائے تو وہ پانی کڑوا ہو جائے۔''

مومن کو حقیر سمجھنا بڑا گناہ ہے کہ یہ انسان کو کفر تک لے جا سکتا ہے۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حج کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی وجہ سے عرفات سے کوچ کرنے میں دیر کر دی۔

فجاء غلام اسود افطس فقال اهل اليمن انما حبسنا من اجل هذا فلذلك ارتدوا يعني ايام الصديق (1)

''پھر ایک لڑکا آیا جو کالے رنگ کا اور چپٹی ناک والا تھا تو اہل یمن نے (حقارت سے) کہا ہمیں اس لڑکے کے لیے روکا گیا تھا''۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں وہ اسی سبب سے عہد ابوبکر میں مرتد ہو گئے تھے۔

سیرت النبی ﷺ کے اس پہلو سے واضح ہے کہ تکریم انسانیت کا ایک اہم پہلو انسان کی عزت و آبرو کا تحفظ ہے۔

(iv) مذہبی جذبات کا احترام

تکریم انسانیت سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کا تو احترام کرے لیکن اس کے باپ کی توہین کرتا رہے۔ انسان تکریم میں یہ بات بغیر کسی شک وشبہ کے مسلمہ ہے کہ ہر اس چیز کا احترام کیا جائے جو اس کے نزدیک محترم ہو اور یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ انسان کا مذہب اور اس کے مذہبی معتقدات اسے ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہوتے ہیں۔ ایک انسان کا مذہب اور دین کسی دوسرے انسان کے نزدیک جو بھی ہو لیکن اسے وہ ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہوتا ہے۔ کسی انسان کی عزت اور تکریم اس کے دین اور مذہب کی تکریم کے بغیر ناممکن اور ناقابل تصور ہے۔

نبی کریم ﷺ نے تکریم انسانیت کا قصر رفیع جن بنیادوں پر قائم فرمایا ہے ان میں

1۔ تاریخ الاسلام، ج 4، ص 177، شمس الدین محمد بن احمد الذہبی، دار الکتاب العربی

Marfat.com

سے ایک چیز یہ ہے کہ ہر انسان کے مذہب اور دین کا احترام کیا جائے۔

آپ نے اپنی تعلیمات میں دوسروں کے مذہب کا احترام بھی اپنے مذہب کے حوالے سے سکھایا ہے۔آپ نے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنایا کہ

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

(انعام:108)

''اور جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں ان کو گالی مت دو۔ ورنہ یہ دشمنی کے سبب اور جہالت کی بنا پر اللہ کو گالی دیں گے۔''

یعنی اے اہل ایمان! اگر تم چاہتے ہو کہ دوسرے لوگ تمہارے مذہبی معتقدات کا احترام کریں تو تم بھی ان کے مذہبی عقائد کا احترام کرو۔ کسی کے مذہب کی توہین کرنے والا دراصل اپنے مذہب کی توہین کا راستہ کھولنے والا ہوتا ہے۔ ایک اور مقام پر دوسروں کی عبادت گاہوں کی تکریم کو یوں بیان کیا گیا۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (الحج:40)

''اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا دفاع بعض لوگوں سے نہ کرے تو یہودیوں، نصرانیوں اور دوسرے لوگوں کے عبادت خانے تباہ و برباد ہو جائیں اور وہ مساجد بھی جن میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے۔''

اپنی عبادت گاہ کا احترام تو انسان کا ایک جذباتی اور فطرتی عمل ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صوامع، گرجے اور دیگر عبادتگاہوں کے ذکر کو مساجد کے ذکر سے مقدم کیا ہے اس سے واضح ہو رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں دوسروں کی عبادت گاہوں کا کیا مقام و مرتبہ ہے کہ ان کی حفاظت بھی مساجد کی حفاظت سے کم نہیں ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ دوسروں کے مذہبی جذبات کا احترام کیا۔ کیونکہ یہ تکریم انسانیت کا لازمی نتیجہ تھا۔ جب 9 ہجری میں نجران کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس

Marfat.com

میں حاضر ہوا تو انہوں نے مسجد نبوی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی۔ جب ان کی عبادت کا وقت ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مسجد میں ہی ان کی عبادت ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقد حانت صلوتهم فقاموا في مسجد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يصلون فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم دعوهم فصلوا الى المشرق۔(1)

''ان کی عبادت کا وقت ہوا تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں ہی اپنی عبادت ادا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان سے کوئی تعرض نہ کرو تو انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی نماز پڑھی۔''

یاد رہے کہ ان کی عبادت میں ایک طرح کی موسیقی بھی شامل ہوتی تھی۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کے مذہبی جذبات اور دینی اعتقادات کا کس قدر پاس فرماتے تھے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے یہود کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا جسے اصطلاح میں میثاق مدینہ کہا جاتا ہے اس کی ایک شق یہ بھی تھی

لليهود دينهم وللمسلمين دينهم۔(2)

''یہود کے لیے ان کا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین۔''

یعنی فریقین ایک دوسرے کے دینی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انہیں تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ اہل اسلام نے ہمیشہ دوسروں کے مذہبی جذبات کی پاسداری کی۔ فلسطین کے فتح ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آزادی کا جو منشور ایلیا کے باشندوں کو دیا اس میں یہ باتیں بھی شامل تھیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ .... الخ

1۔ سیرت ابن ہشام، ج 2، ص 217۔ دار الریان للتراث

2۔ نفس مصدر، ج 2، ص 144

Marfat.com

''یہ امان کا وہ منشور ہے جو اللہ کے بندے عمر امیر المومنین نے ایلیا کے باشندوں کو دیا ہے۔ ان کی جان و مال، گرجاؤں اور صلیبوں کی حفاظت کی جائے گی۔ ہر شہری وہ تندرست ہو یا بیمار ہماری امان میں ہوگا۔ ان کے گرجے لوگوں کی رہائش گاہوں میں تبدیل نہیں ہوں گے اور نہ ہی انہیں منہدم کیا جائے گا۔ ان کی جائیدادوں اور صلیبوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ نہ ان پر کسی قسم کا مذہبی دباؤ ڈالا جائے گا اور نہ ہی کسی کو پریشان کیا جائے گا۔''(1)

سیرت طیبہ کا یہ زاویہ واضح کر رہا ہے کہ تکریم انسانیت صرف کسی رسم کا نام نہیں ہے بلکہ یہ کسی بھی انسان کا بحیثیت انسان احترام کرنے کا نام ہے۔ جب انسان کسی انسان کا احترام کرتا ہے تو وہ ہر اس چیز کا بھی احترام کرے گا جو اس کے نزدیک محترم ہے اور اسی کا تقاضا ہے کہ ہر انسان کے مذہب کا احترام کیا جائے کیونکہ مذہب کسی بھی انسان کے لیے سب سے قیمتی اور محبوب متاع ہوتی ہے۔ انسان کو اپنے مذہب کی حقانیت پر پورا یقین ضرور ہو۔ وہ اسے سچ ثابت کرنے کے لیے مثبت انداز میں دلائل بھی دے اور شائستہ انداز میں باطل مذاہب کا بطلان بھی کرے۔ یہ سب کچھ تکریم انسانیت کے منافی نہیں ہے۔ تکریم انسانیت کے منافی تو کسی کے مذہب پر طعن کرنا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ دوسروں کے مذہب کا احترام سکھایا ہے کیونکہ یہ تکریم انسانیت کا تقاضا ہے۔

(۷) بے گناہ کے قتل کی ممانعت

جب پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکریم انسانیت کی صدا بلند کی اس وقت انسانی جان کی حرمت پامال ہو چکی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر جنگ کے شعلے بھڑکتے تو پھر گناہ گار اور بے گناہ کی تفریق کے بغیر لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے جاتے۔ جذبہ انتقام کی آگ ان سے انصاف کا دامن چھڑا دیتی اور قتل و خون ریزی کے بازار گرم ہو جاتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی جان کی حرمت کو بیان فرمایا اور کسی بے گناہ کے قتل کو عظیم ترین گناہوں میں شمار کیا اور حق کے بغیر کسی بھی قتل کو گناہ کبیرہ قرار دیا۔ آپ نے اس معاملہ

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نقوش رسول نمبر، 3، ص 470، محمد طفیل ادارہ فروغ اردو، لاہور

Marfat.com

میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو مرکزی حیثیت دی۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام:151)

''اور بغیر حق کے کسی انسان کو قتل نہ کرو۔''

یعنی انسانی جان کا احترام لازم ہے لیکن انسانی جان حق سے بڑھ کر محبوب نہیں۔ اگر حق کا تقاضا انسان کا خون بہانا ہو تو حق کو انسانی جان پر ترجیح دی جائے گی۔

حق کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لایحل دم امری مسلم یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینه المفارق للجماعة۔(1)

''جو بھی مسلمان یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا خون ان تین صورتوں میں کسی ایک صورت میں بہایا جاسکتا ہے۔ اگر وہ شادی شدہ ہو اور بدکاری کرے یا وہ کسی کو قتل کرے اور اسے قصاص میں قتل کیا جائے یا وہ مرتد ہو جائے۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ان صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کا کسی مسلمان سے جتنا بھی شدید اختلاف ہو وہ اس کا خون بہانے کا حق نہیں رکھتا۔ یاد رہے مذکورہ صورتوں میں بھی سزا کو نافذ کرنا کسی فرد کا نہیں ریاست کا حق ہے۔ کسی انسان کے خون کا احترام بھی تکریم انسانیت کا لازمی تقاضا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بہت شدت سے انسانی قتل کی ممانعت فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

عہد نبوت میں مدینہ منورہ میں ایک شخص قتل ہو گیا اور اس کے قاتل کا پتا نہ چلا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر پر جلوہ گر ہوئے اور آپ نے فرمایا:

یا ایھا الناس یقتل قتیل وانا فیکم ولا یعلم من قتله لو اجتمع اھل السماء والارض علی قتل امرئ لعذبھم اللہ الا ان یفعل مایشاء۔(2)

1۔ سنن الترمذی، ج4، ص19۔ باب ماجاء دم امری الخ۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج8، ص22، باب تحریم القتل، رقم الحدیث 16287 مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد

Marfat.com

"اے لوگو! ایک شخص قتل ہو جاتا ہے اور میں تم میں موجود ہوں اور اس کے قاتل کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ اگر تمام زمین اور آسمان والے اکٹھے ہو کر بھی کسی شخص کو قتل کریں تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب دے گا مگر وہ وہی کرے گا جو وہ چاہے گا۔"

یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلق انسان کے قتل کی اس قدر شدید مذمت فرمائی ہے کہ جس کا تصور کر کے ہی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انسانی قتل میں ذرہ برابر معاونت بھی انسان کو اللہ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اعان علی قتل مومن بشطر کلمة لقی الله مکتوبا بین عینیه آیس من رحمة الله۔(1)

"جس نے کسی مومن کے قتل میں ایک چھوٹی سی بات سے بھی قاتل کی مدد کی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہے"۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری زندگی کسی بھی بے گناہ کے قتل سے منع فرمایا یہاں تک کہ میدان جنگ میں بھی عربوں کے مروجہ جنگی جنون اور قتل و خونریزی سے ہٹ کر ہمیشہ ان لوگوں کے قتل کو سختی سے منع کیا جو خود جنگ میں شریک نہ ہوں۔ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے روکا۔ آپ نے مومن کی جان کو کعبہ سے بڑھ کر قابل احترام قرار دیا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

لو ان اهل السماء و اهل الارض اشترکوا فی دم مومن لا کبهم الله فی النار (2)

"اگر تمام زمین والے اور تمام آسمان والے سب اکٹھے ہو کر بھی کسی ایک مومن کو قتل کر دیں تو اللہ تعالیٰ سب کو دوزخ میں اوندھا پھینک دے گا۔"

یہاں مومن کے خون کی حرمت بیان کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ غیر مسلم کی جان اور اس

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 8، ص 23، باب تحریم القتل، رقم الحدیث 16288 مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد

2۔ سنن الترمذی، جلد 4، ص 17، باب الحکم فی الدماء، رقم الحدیث 1388، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

کا خون لائق تکریم نہیں بلکہ یہاں یہ لفظ مطابقت حال کی مناسبت سے بولا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ہر انسان کی جان کی تکریم سکھائی ہے۔ وہ مومن ہو یا غیر مسلم۔ کافر کی جان کی حرمت بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

من قتل معاهدا في غير كنهه حرم الله عليه الجنة۔ (1)

''جس نے کسی ذمی کو بلاوجہ قتل کر دیا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة و ان ريحها يوجد من مسيرة اربعين عاما۔ (2)

''جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا اور بے شک جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے سونگھی جا سکے گی۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اہم پیغام تکریم انسانیت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کا احترام صرف انسان ہونے کے ناطے کیا جائے۔ اس کی آبرو، مذہب اور جان و مال کا بھی احترام کیا اور کسی انسان کی ویسی ہی تکریم کی جائے جیسے وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کی تربیت ایسے ہی کی کہ

سکھائی انہیں نوع انساں پہ شفقت
کہا ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں وہ محبت
شب و روز پہنچاتے ہیں ان کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لیے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لیے چاہتے ہیں
(حالی)

1۔ سنن داؤد، ج 3، ص 38، باب فی الامام یستجن رقم الحدیث، 2762، دار الکتاب العربی، بیروت
2۔ سنن ابن ماجہ، ج 2، ص 896، باب من قتل معاهدا، رقم الحدیث 2686، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

Marfat.com

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مظلوم و بے بس کی چارہ گری

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ (الضحیٰ)

''پس آپ یتیم پر سختی نہ کریں اور سائل کو نہ جھڑکیں''

وابیض یستسقی الغمام بوجھه
ثمال الیتمی عصمة للارامل

(جناب ابوطالب)

''وہ گورے مکھڑے والا، جن کے روئے زیبا کے وسیلہ سے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور بے بسوں کا سرپرست ہے۔''

Marfat.com

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ
(حالی)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنی حکمت کے تحت ایک اختلاف مراتب رکھا ہے۔ کوئی بادشاہ ہے اور کوئی اس کا دربان، کوئی آقا ہے اور کوئی غلام، کوئی دینے والا ہے اور کوئی لینے والا۔ اس اختلاف مراتب کا سبب زندگی کا امتحان ہوتا ہے۔

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
(اقبال)

اس زمینی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ تمام جدوجہد اور ساری کوششوں کے باوجود کچھ لوگ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں جو لوگ زندگی کی دوڑ میں آگے نکل جائیں جنہیں ایسے اسباب میسر آجائیں کہ وہ کسی کو دینے کی پوزیشن میں ہوں۔ ان سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ ایک تو اس اختلاف مراتب کو کسی تکبر اور سرکشی کا ذریعہ نہ بنائیں اس کے سبب دوسروں کو حقیر نہ جانیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان بخششوں اور عطاؤں کو صرف ایک امتحان اور آزمائش سمجھیں اور محتاجوں، بیکسوں اور ضرورت مندوں کو ایسے ہی دیں جیسے اللہ نے انہیں دیا ہے۔

اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ (قصص:77)

''اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے اور زمین میں فساد کے طالب نہ بنو۔''

سیرت طیبہ کا ایک اہم پیغام کمزور، مظلوم اور بے بس انسانوں کی مدد کرنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہر قدم پر فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ یتیموں کا والی اور غلاموں کا مولیٰ تھی۔ آپ نے ہمیشہ دکھی اور بے بس انسانوں کی خدمت کی ان کے دکھ بانٹے اور مصائب میں ان کی دستگیری کی۔ آپ نے ہر موقع پر واضح فرمایا کہ دکھی انسانیت کی خدمت اور حاجت مندوں کی مدد رضائے الٰہی کو پانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

Marfat.com

یہی ہے ذوق عبادت کی انتہا ساغر
غم حیات کے ماروں کا احترام کرو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته و من فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه کربة من کرب یوم القیامة و من ستر مسلما ستره الله یوم القیامة۔(1)

''جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے اللہ اس کی حاجت پوری کرتا ہے جو کسی مسلمان کے دکھ کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دکھوں میں سے اس کے دکھ دور کرے گا۔ جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من نفس عن مسلم کربة من کرب الدنیا نفس الله عنه کربة من کرب یوم القیامة و من یسر علی معسر فی الدنیا یسر الله علیه فی الدنیا والآخرة و من ستر علی مسلم فی الدنیا ستره الله علیه فی الدنیا والاخرة والله فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیه۔(2)

''جو کسی مسلمان کے دنیا کے دکھوں میں سے کوئی دکھ دور کرے گا اللہ تعالیٰ (اس کے بدلہ میں)'' قیامت کے دکھوں میں اس کے دکھ دور کرے گا جو دنیا میں کسی تنگ دست کے لیے آسانی پیدا کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا کرے گا جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جو اپنے کسی بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ کسی حاجت مند کی حاجت کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے قدم اس دن بھی ثابت رکھے گا جب قدم

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 6، ص 94۔ باب نصر المظلوم، رقم الحدیث 11846، مجلس دائرۃ المعارف، حیدرآباد
2۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 326، باب الستر ۃ علی المسلم، رقم الحدیث 1930، داراحیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

ڈگمگا جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَشٰى مَعَ مَظْلُوْمٍ بِعَيْنِهٖ ثَبَّتَ اللهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ تَزِلَّ الْاَقْدَامُ۔(1)

''اللہ تعالیٰ اسے اس وقت بھی ثابت قدم رکھے گا جس دن قدم ڈگمگا جائیں گے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

ان احب الاعمال الی اللہ تعالی بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم۔(2)

''بے شک اللہ کے نزدیک فرائض کے بعد سب سے محبوب عمل کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا ہے۔''

اعلان نبوت سے قبل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدمت خلق کے سچے اور پاکیزہ جذبوں سے معمور تھے۔

قریش جب حرب الفجار سے فارغ ہوئے تو انہیں اپنے بعض افراد میں ہوس جاہ و منصب کا سودا نظر آیا۔ جسے انہوں نے اپنے لیے انتہائی خطرناک قرار دیا اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا کہ زبید کا ایک آدمی مکہ آیا اور عاص بن وائل نے اس سے سامان خریدا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس نے اپنے حلیف قبائل عبدالدار، مخزوم اور عدی وغیرہ سے مدد طلب کی لیکن کسی نے توجہ نہ دی پھر وہ جبل بوقبیس پر چڑھا اور بلند آواز سے اشعار پڑھ کر اپنی مظلومیت کی داستان بڑے دردانگیز انداز میں بیان کی۔ یہ صورت حال دیکھ کر زبیر بن عبدالمطلب نے دوڑ دھوپ کی اور کہا یہ شخص بے یارومددگار کیوں ہے؟ انہوں نے قریش کے قبائل کو جمع کیا۔ یہ اجتماع عبداللہ بن جدعان کے گھر پر ہوا۔ کھانا کھانے کے بعد سب نے یک زبان ہو کر عہد کیا۔ ہم ہر مظلوم کی اس وقت تک مدد کریں گے جب تک اسے اس کا حق نہ مل جائے اور سب نے قسم کھا کر اس پیمان کو مؤکد کیا۔ اس معاہدہ کو حلف الفضول کہا جاتا ہے اس کی بنیاد پر زبیدی کا حق اسے دلایا تھا۔ غریبوں کی مدد کے لیے کیے گئے اس

1۔ حلیۃ الاولیاء، ج 6، ص 248، ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی، دار الکتاب العربی، بیروت
2۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج 8، ص 45۔ باب من اسمہ محمود۔ رقم الحدیث 7911، دار الحرمین، القاہرہ

Marfat.com

معاہدہ میں حضور اکرم ﷺ بھی شریک تھے اور یہ معاہدہ آپ کو انتہائی محبوب تھا۔ عہد نبوت میں ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا:

ما احب ان لی بحلف حضرته فی دار ابن جدعان حمر النعم ولو دعیت لا جبت (1)

میں ابن جدعان کے ہاں جس معاہدہ میں شریک تھا اگر اس میں شرکت سے منع کرنے پر مجھے سرخ اونٹوں کا ریوڑ بھی دیا جاتا تو میں اسے قبول نہ کرتا۔ آج بھی اگر اس قسم کا معاہدہ ہو اور مجھے اس میں شرکت کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کرنے میں تامل نہ کروں گا۔''

حضور اکرم ﷺ ہمیشہ محتاجوں کی مدد اور مظلوموں کی دستگیری میں پیش پیش رہے۔ سیرت طیبہ سے چند مزید شواہد ملاحظہ ہوں۔

ایک مرتبہ ایک بدو جنوبی علاقہ سے فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔ اس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی بھی تھی جو بڑی خوبرو تھی۔ مکہ کے ایک امیر تاجر نے اس بچی کو اغوا کر لیا اس مسکین باپ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اپنے قبیلہ کے پاس جائے، انہیں اپنی داستان غم سنائے اور ان سے اپنی مدد کی درخواست کرے لیکن پھر اسے یاد آیا کہ اس کے قبیلہ میں مردوں کی تعداد بہت کم ہے۔ وہ مکہ کے دس قریشی قبیلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ اسی پریشانی میں سرگرداں تھا کہ حضور اکرم ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے قریش کے نوجوانوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں فرمایا کہ اس تاجر کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر خاموش نہیں رہنا چاہیے چنانچہ قریش کے چند نوجوان کعبہ شریف کے پاس جمع ہوئے اور سب نے مل کر بایں الفاظ حلف اٹھایا۔

نقسم ان نحمی المظلوم حتی یستعید حقه من الظالم و نقسم ان لا یکون لنا هدف معین من وراء هذا العمل ولا یهمنا ان یکون المظلوم فقیرا او غنیا۔

''ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ ہم مظلوم کی مدد کریں گے یہاں تک کہ وہ ظالم سے اپنا حق واپس لے لے اور ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ اس حلف سے اس کے بغیر، ہمارا کوئی اور مقصد نہیں

1۔ السیرۃ النبویہ، ج 1، ص 266، ابن ہشام، دار الجیل

Marfat.com

ہو گا۔ ہم اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ مظلوم غنی ہے یا فقیر۔''

پھر انہوں نے حجر اسود کو زمزم کے پانی سے دھویا اور اس دھوون کو پی لیا۔ مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ اپنی قسم پر پختہ رہیں گے۔ حلف برداری کی اس تقریب کے بعد سرکار دو عالم ﷺ اپنے ان نوجوان ساتھیوں کو ہمراہ لے کر اس ظالم تاجر کے گھر گئے۔ اس کے مکان کا گھیراؤ کر لیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس بچی کو عزت و آبرو کے ساتھ واپس کر دے۔ اس نے کہا مجھے ایک رات کی مہلت دو میں کل بچی اس کے والد کے حوالے کر دوں گا لیکن ان نوجوانوں نے اس کی اس تجویز کو ٹھکرا دیا اور اسے مجبور کیا کہ وہ بچی کو فوراً اس کے باپ کے سپرد کر دے۔ اب وہ مجبور ہو گیا اور اس نے فوری طور پر بچی اس کے والد کے سپرد کر دی۔

اسی طرح ایک اور پردیسی تاجر مکہ مکرمہ میں آیا۔ ابوجہل نے اس سے کچھ سامان خریدا۔ لیکن اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اسے علم نہیں تھا کہ وہ اس صورتحال میں کیا کرے۔ وہ فریاد کناں اپنے قبیلے کے پاس آیا اور انہیں اپنی مدد کے لیے پکارا لیکن چند محدود افراد پر مشتمل قبیلہ قریش کے دس قبائل سے کیونکر ٹکر لے سکتا تھا۔ انہوں نے اس کی مدد کرنے سے معذرت کی۔ وہ تاجر پھر مکہ لوٹ آیا۔ حضور اکرم ﷺ کو ابوجہل کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپ ﷺ بنفس نفیس ابوجہل کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس سامان کی قیمت ادا کر دے۔ آپ کے اصرار پر ابوجہل نے بادل نخواستہ اس تاجر کو مال کی قیمت ادا کر دی۔ (1)

اس سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اعلان نبوت سے قبل بھی حضور اکرم ﷺ کس طرح مظلوموں اور محتاجوں کی مدد فرماتے تھے۔

اراش کا ایک آدمی اپنے اونٹ فروخت کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔ ابوجہل نے اس کے اونٹ خرید لیے لیکن قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ صبح کو دے دوں گا، شام کو آکر رقم لے جانا۔ اس صبح شام کے چکر میں کئی دن گزر گئے۔ وہ بیچارا مایوس ہو گیا۔ تنگ آ

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، ضیاء النبی، ج 2، ص 123-124، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

کر وہاں پہنچا جہاں قریش اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ بھی پاس ہی مصروف عبادت تھے۔ اس مظلوم اور پردیسی شخص نے قریش سے اپنا ماجرا بیان کیا کہ کون ہے جو مجھ غریب الوطن اور بے یار و مددگار کی امداد کرے اور مجھے ابو جہل سے میری رقم لے کر دے۔ قریش نے از راہ تمسخر حضور اقدس ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا کہ اگر یہ صاحب ابو جہل کو کہیں تو تیرا کام بن جائے گا۔ وہ شخص یہاں کے حالات سے بے خبر تھا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنی پریشانی کا ذکر کیا اور آپ سے مدد کی درخواست کی۔

رحمت عالم ﷺ کسی ضرورت مند کو مایوس نہیں لوٹایا کرتے تھے۔ آپ نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس کو ابو جہل سے اپنے تعلقات کی نوعیت سے آگاہ کر کے معذرت کر لیں۔ اس طرح تو وہ ناامید ہو جائے گا۔ اس کا دل ٹوٹ جائے گا اور یہ کریم ﷺ ٹوٹے ہوئے دلوں کو بس جوڑنا ہی جانتا تھا۔ حضور ﷺ بلا تامل کھڑے ہو گئے۔ اسے ساتھ لے کر ابو جہل کے گھر کی طرف چل پڑے۔ کفار نے ایک آدمی کو ساتھ بھیجا تا کہ وہ واپس آ کر بتائے کہ کیا بات ہوئی اور ابو جہل نے کس طرح ڈھٹائی اور بے ادبی سے کام لیا۔

حضور اکرم ﷺ ابو جہل کے گھر پہنچے۔ دروازہ بند تھا۔ دستک دی۔ اس نے اندر سے پوچھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا محمد (ﷺ)۔ باہر آؤ۔ وہ فوراً باہر آ گیا۔ شدت خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا اس کی رقم ابھی ادا کر دو۔ دست بستہ عرض کی ابھی رقم حاضر کرتا ہوں۔ گھر گیا اور چند لمحوں میں رقم لے کر آیا۔ اراشی کے حوالے کر دی۔ حضور اکرم ﷺ واپس تشریف لائے اور اپنے اراشی مہمان کو رخصت کیا۔ وہ شخص خوش و خرم قریش کی محفل میں آیا۔ حضور اکرم ﷺ کو دعائیں دینے لگا اور شکر ادا کیا کہ حضور ﷺ نے خود قدم رنجہ فرما کر میری ساری رقم لے کر دی ہے۔ (1)

بے بس اور مظلوم انسانوں کی مدد کو نبی کریم ﷺ نے بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔

1۔ نفس مصدر، ج 2، ص 315-316

Marfat.com

کسی بے کس کی مدد انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے کا ایک بہت اہم ذریعہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا وجہ ہے میں تمہیں پریشان اور غمزدہ دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے! بے شک میں پریشان ہوں کہ مجھ پر فلاں شخص کا حق ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرقد منور کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا مجھے اس صاحب قبر کی عزت کی قسم! میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تو کیا میں تیری اس سے سفارش کروں۔ اس نے عرض کیا جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے۔ اس شخص نے تعجب سے کہا کہ کیا آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔

ولکنی سمعت صاحب هذا القبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والعهد به قريب فدمعت عيناه وهو يقول من مشى فى حاجة اخيه وبلغ فيها كان خيرا له من اعتكاف عشر سنين ومن اعتكف يوما ابتغاء وجه الله جعل الله بينه وبين النار ثلث خنادق ابعد مما بين الخافقين۔(1)

"لیکن میں نے اس صاحب قبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے اور ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ یہ کہتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے چلے۔ پھر اور کوشش کرے یہ عمل اس کے لیے دس سال کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دن کا اعتکاف بیٹھے اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان تین خندقوں کی آڑ بنا دیتا ہے جن میں سے ہر ایک کی مسافت آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے زیادہ ہے۔"

اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی بے بس کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کو کتنا محبوب عمل ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کو بھی بڑی وضاحت سے بیان فرمایا کہ مظلوم

1۔ شعب الایمان للبیہقی، ج3، ص424، رقم الحدیث 3965، باب فی الاعتکاف، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

اگرچہ بظاہر ایک بے بس انسان ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا رابطہ بہت قوی ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اس کی مدد کر کے اس کی دعائیں لے اور اس کی بددعا سے ہر حال بچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اتق دعوۃ المظلوم فانها ليس بينها و بين الله حجاب۔ (1)

''مظلوم کی بددعا سے بچ کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔''

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

ثلاثة لا ترد دعوتهم الصائم حتى يفطر و الامام العادل و دعوة المظلوم يرفعها الله فوق الغمام و يفتح لها ابواب السما و يقول الرب لا نصرنك ولو بعد حين قال ابوعيسى هذا حديث حسن۔ (2)

''تین شخص ایسے ہیں جن کی دعا کو اللہ تعالیٰ کبھی رد نہیں فرماتا۔ روزہ دار یہاں تک کہ وہ روزہ افطار کر لے، امام عادل اور مظلوم۔'' اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کو بادلوں سے اوپر اٹھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں یقیناً تیری مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر بعد میں ہی کروں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ وہ ہمیشہ مظلوم کی مدد کرتے رہیں۔ آپ نے فرمایا:

لعلكم ستفتحون بعدى مدائن عظاما و تتخذون فى اسواقها مجالس فاذا كان كذلك فردوا السلام و غضوا من ابصاركم و اعينوا المظلوم۔ (3)

''شاید تم میرے بعد بڑے بڑے شہر فتح کرو گے اور ان کے بازاروں میں اپنی مجالس سجاؤ گے جب ایسا ہو جائے تو سلام کا جواب دینا۔ اپنی نظروں کو پست کرنا اور مظلوم کی مدد کرتے رہنا۔''

مظلوم اور بے بس کی مدد سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اہم پیغام ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، ج 2، ص 16، باب فی زکوۃ السائمہ، رقم الحدیث 1586، دار الکتاب العربی، بیروت

2۔ سنن الترمذی، ج 5، ص 587، باب فی العفو والعافیۃ، رقم الحدیث 3597، دار احیاء التراث العربی، بیروت

3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج 10، ص 72، محمد بن یوسف الصالحی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

صدق وایفائے عہد، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾
يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾ (الاحزاب)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سیدھی بات کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی وہ بہت بڑی کامیابی سے کامیاب ہو گیا۔''

Marfat.com

جو تیری جان کے دشمن ہیں وہ بھی کہتے ہیں
امین تو ہے صداقت کی آبرو تو ہے

☆..............................☆

جنہیں بتان سیاست کا پیار لے ڈوبا
اب ان لبوں کو تیرے نام کی ضرورت ہے
جہاں جہاں پہ بھی انسانیت ہے خطرے میں
وہاں وہاں تیرے پیغام کی ضرورت ہے
(قتیل شفائی)

Marfat.com

صدق اور ایفائے عہد سیرت طیبہ کا ایک اہم باب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچائی اور ایفائے عہد کے پیکر تمام تھے۔ بظاہر یہ دونوں چیزیں الگ الگ نظر آتی ہیں لیکن انجام اور مال کے اعتبار سے ان میں ایک گہرا ربط اور تعلق ہے۔ صدق سے مراد یہ ہے کہ انسان ہر موقع پر صدق کو اپنا شیوہ بنا لے اور وہ کبھی بھی کوئی ایسی بات نہ کہے جو صدق پر مبنی نہ ہو اور ایفائے عہد سے مراد یہ ہے کہ اس نے کسی سے جو بات کہہ کے ایک معاہدہ کیا تھا وہ اسے سچ ثابت کر دکھائے اور وہ اپنے قول کی صداقت کو آخری حد تک ثابت کر دے۔ اس اعتبار سے یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ سچ اور صداقت کو اپنانے کی تاکید فرمائی اس کا تعلق انفرادی سطح سے ہو یا اجتماعی سطح سے وہ ایک فرد کا دوسرے فرد سے معاملہ ہو یا ایک قوم کا دوسری قوم سے معاملہ ہو انسان کو ہر حال میں سچ کا دامن مضبوطی سے تھامنا چاہیے۔ صدق انسان کو جنت کے راستوں پر گامزن کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر والبر یھدی الی الجنۃ وما یزال الرجل یصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا وایاکم والکذب فان الکذب یھدی الی الفجور والفجور یھدی الی النار ومایزال العبد یکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا۔(1)

”سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب تک آدمی سچ بولتا رہتا ہے وہ سچ کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ آگ کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج10، ص195، رقم الحدیث 21338، باب من کان منکشف الکذب، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد

Marfat.com

میں کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اسے بہت بڑا جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان گرامی سے واضح ہو رہا ہے کہ سچ انسان کے لیے دیگر نیکیوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور انسان کو اپنے کریم رب کی بارگاہ ناز تک لے جاتا ہے اور جھوٹ انسانی ضمیر کو اس طرح مسخ کر دیتا ہے اور اسے گناہ سے شدید لگاؤ ہو جاتا ہے وہ گناہوں کی دلدل میں اس طرح پھنستا ہے کہ دوزخ کی آگ تک جا پہنچتا ہے۔ اس کے سوا اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہوتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ سچ کے سوا انسان کو اور کہیں سے اطمینان قلب نہیں مل سکتا۔ سچ بظاہر انسان کو جتنا بھی نقصان دہ محسوس ہو انجام کے اعتبار سے انسان کو فوز و فلاح سے ہمکنار کرتا ہے اور جھوٹ بظاہر جتنا بھی پرکشش محسوس ہو مآل کے اعتبار سے انسان کو ہلاکت و بربادی کے گہرے اور اندھے کنوؤں میں پھینک دیتا ہے۔

حضرت منصور بن معتمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تحروا الصدق و ان رائیتم ان الهلكة فيه، فان فيه النجاة ۔(1)

"سچ میں کوشاں رہو۔ اگرچہ تمہیں اس میں بربادی بھی نظر آئے (پھر بھی اس پر ڈٹ جاؤ کیونکہ انجام کار) اسی میں نجات ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ!

ما عمل الجنة؟ قال الصدق۔ اذا صدق العبد برو اذا بر امن و اذا امن دخل الجنة قال يا رسول الله و ما عمل النار؟ قال الكذب اذا كذب العبد فجر و اذا فجر كفر و اذا كفر دخل النار ۔(2)

"جنت والا کام کون سا ہے۔ آپ نے فرمایا: سچ۔ جب کوئی آدمی سچ بولتا ہے تو نیک ہو جاتا ہے اور جب وہ نیک ہو جائے تو ایمان والا ہو جاتا ہے اور جب ایمان والا ہو جائے تو

1۔ کنز العمال، ج 3، ص 324، علاؤ الدین علی بن حسام الدین الہندی، رقم الحدیث 6855، موسسۃ الرسالۃ

2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 11، ص 216، رقم الحدیث 6641، موسسۃ الرسالۃ

Marfat.com

جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دوزخ والا کام کون سا ہے تو آپ نے فرمایا: جھوٹ۔کہ جب ایک آدمی جھوٹ بولتا ہے تو سرکشی کرتا ہے اور جب سرکشی کرتا ہے تو کفر کرتا ہے اور جب کفر کرتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے''۔

جھوٹ کسی مومن کے شایان شان ہے ہی نہیں اور مومن جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا۔حضرت صفوان بن سلیم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا۔

ایکون المومن جبانا قال نعم قیل له ایکون المومن بخیلا قال نعم قیل له ایکون المومن کذابا قال لا۔(1)

''کیا ایک مومن بزدل ہوسکتا ہے۔آپ نے فرمایا: ہاں! آپ سے عرض کیا گیا کیا ایک مومن بخیل ہوسکتا ہے۔آپ نے فرمایا: ہاں! ہوسکتا ہے۔آپ سے عرض کیا گیا: کیا ایک مومن جھوٹا ہوسکتا ہے۔آپ نے فرمایا: نہیں''۔

یعنی بخل یا بزدلی ایک طبعی کمزوری ہے۔ممکن ہے کسی ایمان والے میں بھی یہ پائی جاسکیں لیکن جھوٹ ایک ایسی اکتسابی اور غیر فطری برائی ہے جس کا بندۂ مومن میں تصور نہیں کیا جاسکتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ صدق اور سچائی کی تلقین فرمائی اور اپنی بات کا بھرم رکھنے کا درس دیا۔آپ نے وعدہ خلافی کو منافقت کی علامت قرار دیا اور ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ

اضمنوا لی ستا اضمن لکم الجنة اصدقوا اذا حدثتم و اوفوا اذا وعدتم و ادوا اذا ائتمنتم۔(2)

''مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دوں گا۔جب بات کرو تو سچ بولو۔جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو اور جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اسے ادا کرو''۔

عموماً یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ سچ اور ایفائے عہد اچھی بات ہے لیکن اس وقت تک جب

1۔شعب الایمان للبیہقی، ج4،ص208، رقم الحدیث 4812، دارالکتب العلمیہ، بیروت

2۔مسند الامام احمد بن حنبل، ج37،ص418، رقم الحدیث 22757، موسسۃ الرسالۃ

Marfat.com

تک اس کا تعلق اپنوں سے ہو۔ دشمنوں سے معاملہ کرتے وقت یہ چیزیں ملحوظ خاطر نہیں رکھی جاسکتیں۔ اسی لیے جنگ کو ایک دھوکا کہا جاتا تھا جبکہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام یہ ہے کہ انسان کو بالخصوص مومن کو کبھی بھی سچ اور ایفائے عہد کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے اس کا تعلق اپنوں سے ہو یا غیروں سے۔ دوستوں سے ہو یا دشمنوں سے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں میرے شریک نہ ہونے کا سبب صرف یہ تھا کہ میں اور میرے والد ابی حسیل روانہ ہوئے تو قریش نے ہمیں پکڑ لیا اور انہوں نے کہا: کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانا چاہتے ہو۔ ہم نے کہا۔ ہم صرف مدینہ منورہ جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ہم سے اللہ کے نام سے عہد لیا کہ ہم مدینہ لوٹ جائیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد میں شامل نہیں ہوں گے۔ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انصرفا نفی بعهدهم و نستعین الله علیهم۔(1)

''تم دونوں واپس چلے جاؤ۔ ہم اپنے وعدہ کو پورا کریں گے اور دشمنوں کے خلاف اللہ سے مدد کے طلبگار رہوں گے۔''

یعنی اگرچہ یہ جنگ کا میدان ہے۔ ہمیں افرادی قوت کی بھی شدید ضرورت ہے۔ دشمن کا لشکر مسلح اور ہم سے کئی گنا زیادہ ہے لیکن ان سنگین حالات میں بھی ہم اپنے وعدے کی پاسداری کریں گے اور اپنی بات پر قائم رہیں گے۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے قریش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفیر بنا کر بھیجا۔ جب میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تو میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوگئی۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں کبھی بھی لوٹ کے واپس قریش کے پاس نہیں جاؤں گا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انی لا اخیس بالعهد ولا احبس البرد ولکن ارجع فان کان فی نفسك الذی فی

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 38، ص 387، رقم الحدیث 23354، موسسۃ الرسالۃ

Marfat.com

نفسك الآن فارجع قال فذهبت ثم اتيت ﷺ فاسلمت۔ (1)

''میں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ ہی سفیروں کو اپنے پاس روکتا ہوں۔ تم چلے جاؤ اگر تمہارے دل میں وہی چیز پھر بھی موجود رہے جواب ہے تو پھر واپس آ جانا۔ وہ فرماتے ہیں میں چلا گیا۔ پھر میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔''

سیرت طیبہ کا پیغام یہ ہے کہ صدق اور ایفائے عہد صرف عمومی حالات میں ہی مطلوب نہیں بلکہ دشمن سے معاملات میں بھی انسان کو صدق اور ایفائے عہد کا پابند رہنا چاہیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان ایک عارضی صلح کا معاہدہ ہوا۔ جب معاہدہ کی مدت ختم ہونے کے قریب ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لیکر روم کی سرحد کی طرف روانہ ہوئے تا کہ جونہی معاہدہ کی مدت ختم ہو فوراً ان پر حملہ آور ہوا جا سکے۔ جب لشکر کوچ کرنے لگا تو صفوں کو چیرتا ہوا ایک سوار آگے بڑھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

وفاء لاغدر وفاء لاغدر

''وعدہ پورا کیا جائے دھوکا نہ کیا جائے۔ وعدہ پورا کیا جائے۔ دھوکا نہ کیا جائے۔''

لوگوں نے اس سوار کو پہچانا تو وہ حضرت عمر بن عتبہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پاس بلا کر اس بات کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

من كان بينه و بين قوم عهد فلا يحل عقدة ولا يشدها حتى يمضى امدها او ينبذ اليهم على سواء فرجع معاوية رضى الله عنه۔ (2)

''جس کا کسی قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو تو وہ اس وقت تک نہ کوئی گرہ کھولے نہ باندھے۔ یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت گزر جائے۔ یا مشاورت سے معاہدہ منسوخ کر دیا جائے۔ یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔''

1۔ جامع الاصول فی احادیث الرسول، ج2، ص653، ابو السعادات مبارک بن محمد الجزری، رقم الحدیث 1140، مکتبہ دار البیان

2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج28، ص249۔ رقم الحدیث 18025، موسسۃ الرسالۃ

Marfat.com

اس سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایفائے عہد کی اہمیت کو کس طرح اجاگر کیا ہے کہ اگر کوئی معاہدہ بڑے بڑے دشمن کے ساتھ بھی ہوا سے بھی پورا کرنا چاہیے۔ ایفائے عہد اور پیغام سیرت کو سمجھنے کے لیے سیرت النبی ﷺ کا یہ واقعہ بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی الحمسا فرماتے ہیں میں نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل آپ سے ایک سودا کیا۔ آپ کی کچھ رقم میرے ذمہ باقی رہ گئی۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں وہ رقم اسی جگہ پر ابھی لیکر آتا ہوں۔ میں گھر آ کر یہ بات بھول گیا۔ مجھے یہ بات تین دن کے بعد یاد آئی میں اس جگہ پر گیا تو آپ وہاں موجود تھے۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

يافتی لقد شققت علی انا ھھنا منذ ثلاث انتظرك۔(1)

''جوان تم نے مجھے تکلیف دی ہے۔ میں یہاں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

اس حدیث پاک کی شرح میں محدثین کرام نے وضاحت فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ طویل انتظار کسی اور غرض کے لیے نہیں تھا صرف ایفائے عہد کے لیے تھا۔ علامہ محمد شمس الحق العظیم آبادی اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں۔

کان انتظارہ ﷺ لصدق وعدہ لا لقبض ثمنہ۔(2)

''آپ ﷺ کا یہ انتظار صرف اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے تھا۔ قیمت لینے کے لیے نہیں تھا۔''

حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ صدق و ایفائے عہد کی ناقابل فراموش مثالیں قائم فرمائیں اور بروقت اس کی تلقین فرمائی۔ ایک موقع پر فرمایا:

لا ایمان لمن لا امانة له ولا دين لمن لا عهد له و من نكث ذمتي لم ينل

1۔ سنن ابی داؤد، ج4، ص456، رقم الحدیث 4998، باب فی العدة دار الکتاب العربی، بیروت

2۔ عون المعبود، ج13، ص232، العظیم آبادی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

شفاعتی و لم یرد علی الحوض۔ (1)

''جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں جس میں ایفائے عہد نہیں اس میں دین نہیں۔ جس نے میرے عہد کو توڑا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا اور حوض کوثر پہ میرے پاس نہیں آئے گا۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ جو صدق و ایفائے عہد سے محروم ہے۔ اس نے پیغام سیرت کو سنا ہی نہیں اور وہ اتباع نبوی کی حلاوتوں سے بے بہرہ ہی رہا۔

مسلم ہے تو آقا جہاں روکیں وہاں رک جا
ارشاد جو فرمائیں تو سر کو وہیں خم کر

1۔ المعجم الکبیر، ج 11، ص 313، سلیمان بن احمد الطبرانی، رقم الحدیث 11532، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

Marfat.com

پیکر جود و کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾
(الضحیٰ)

''اور اس (رب کریم) نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محتاج پایا تو غنی کر دیا۔ پس آپ یتیم پر سختی نہ کریں اور نہ سائل کو جھڑکیں اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کیجئے۔''

Marfat.com

واہ کیا جودو کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
آسماں خواں، زمین خواں، زمانہ مہمان
صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
(اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

نبی محتشم ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک اہم پیغام بخل و کنجوسی سے مکمل احتراز اور جود و کرم کو اپنانا ہے۔ زندگی کو اپنی ذات تک محدود کر دینا انسان کو بخیل بنا دیتا ہے اور اپنی ذات سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھنا سخاوت اور فیاضی کا روپ دھار لیتا ہے۔ اپنی ذات کے لیے جینا کوئی کمال نہیں۔ یہ تو انسانی جبلت کا تقاضا ہے اور دوسروں کے لیے جینا کمال انسانیت ہے کیونکہ یہ تربیت نفس اور تزکیہ قلب کا ثمرہ ہے۔ کسی صوفی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ دیتا سب کو ہے لیکن لیتا اس سے ہے جس سے وہ راضی ہوتا ہے۔ تو جس شخص کو دوسروں میں بانٹنے کی توفیق مل گئی وہ سمجھ لے کہ میرا رب مجھ سے راضی ہو چکا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ کنجوسی، بخل اور تنگ دلی کی مذمت فرمائی کیونکہ یہ راستہ انسان کو بہت پستی تک لے جاتا ہے۔ انسان اس راہ پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق بھی کھو بیٹھتا ہے اور مخلوق خدا کی نظروں میں بھی گر جاتا ہے اور وہ انسانی قدروں سے اس قدر محروم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ایک پاؤ گوشت کے لیے دوسرے کی بھینس ذبح کرنے سے بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا اور آپ ﷺ نے سخاوت و فیاضی اور جود و عطا کی تحسین و ترغیب فرمائی کیونکہ یہ انسانی قدروں کا محافظ بھی ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کے حریم ناز تک لے جانے والا ہے۔ حضور اکرم ﷺ بخل سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللھم انی اعوذبك من البخل و الکسل وارذل العمر و عذاب القبر و فتنة الدجال و فتنة المحیا و الممات ۔(1)

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ بخل سے، سستی سے، محتاجی کی عمر سے، عذاب قبر سے، دجال کے فتنہ سے اور حیات و ممات کے فتنہ سے۔''

آپ ﷺ نے بخل کو برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

1۔ صحیح البخاری، ج6، ص72، باب قولہ واعبد ربک الخ، رقم الحدیث 4707، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ و اتقوا الشح فان الشح اھلک من کان قبلکم حملھم علی ان سفکوا دماء ھم و استحلوا محارمھم۔(1)

''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کی تاریکیوں میں سے ایک تاریکی ہے اور بخل سے بچو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اور انہیں خونریزی کرنے اور حرام کو حرام کرنے پر برانگیختہ کیا۔''

بخل تو مومن کو جچتا ہی نہیں ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خصلتان لا تجتمعان فی مومن البخل و سؤ الخلق۔(2)

دو عادتیں بندہ مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ایک بخل اور ایک بد خلقی۔

اگر یہ کہا جائے کہ ایک موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ

ایکون المومن بخیلا قال نعم۔(3)

''کہ کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے تو آپ نے فرمایا ہاں ہوسکتا ہے۔''

تو کیا ان دونوں احادیث مبارکہ میں کوئی تضاد ہے؟ جواباً گزارش ہے کہ ان دونوں احادیث مبارکہ میں کوئی ذرہ بھر بھی تضاد نہیں ہے بلکہ یہاں دو الگ الگ حقیقتوں کو بیان کیا گیا ہے۔مومن کے بخیل ہوسکنے سے مراد یہ ہے کہ یہ ایک طبعی امر ہے اور سخاوت یا بخل فطرتی امور میں سے ہیں۔تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مومن کامل تھے لیکن سخاوت و فیاضی میں سب برابر نہیں تھے۔اس حدیث پاک سے مراد ہے کہ یہ چیز ممکن ہے کہ ایک شخص مومن ہو لیکن وہ بلا کا سخی یا فیاض نہ ہو یہاں فطرت انسانی کی ایک حقیقت کو بیان کیا گیا لیکن ایمان قبول کرنے کے بعد اس کی تربیت اس حد تک ضرور ہونی چاہیے کہ وہ اپنے مال کا وہ حصہ غریبوں کو ضرور دے جو اللہ نے مقرر کیا ہے اور وہ اپنے فائدہ کے لیے دوسروں کا نقصان نہ

1۔شعب الایمان للبیہقی، ج7،ص424، باب تحسین الصلوۃ، رقم الحدیث 10338، دارالکتب العلمیہ، بیروت
2۔سنن الترمذی، ج4،ص373، باب ماجاء فی البخل، رقم الحدیث 1962، داراحیاء التراث العربی، بیروت
3۔شعب الایمان للبیہقی، ج4،ص207، رقم الحدیث 4812، دارالکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

کرتا رہے۔ بخل کی یہ حالت ایمان کے منافی ہے۔ لہٰذا ایمان اور یہ بخل ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخاوت کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والی اور بخل کو قرب الٰہی سے محروم کرنے والی چیز قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

السخی قریب من الله، قریب من الجنة، قریب من الناس، بعید من النار، والبخیل بعید من الله، بعید من الجنة بعید من الناس، قریب من النار، و الجاهل سخی احب الی الله من عابد بخیل۔ (1)

''سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے۔ جنت کے قریب ہوتا ہے۔ لوگوں کے قریب ہوتا ہے۔ آگ سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے دور ہوتا ہے۔ جنت سے دور ہوتا ہے، لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ آگ کے قریب ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا اور فرمایا: اے ابراہیم! میں نے آپ کو خلیل اس لیے نہیں بنایا کہ آپ میری تمام بندوں سے بڑھ کر عبادت کرنے والے ہیں بلکہ میں نے آپ کو خلیل اس لیے بنایا کہ

اطلعت علی قلوب المؤمنین فلم اجد قلبا اسخی من قلبك۔ (2)

''میں نے تمام اہل ایمان کے دلوں کو دیکھا تو مجھے تمہارے دل سے بڑھ کر کوئی دل سخی نظر نہیں آیا''۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جود و سخا انسان کو کس قدر اللہ تعالیٰ کے قریب کر دینے والے کام ہیں۔

1۔ نفس مصدر، ج 7، ص 428، باب فی الجود، رقم الحدیث 10352

2۔ کنز العمال، ج 11، ص 487، باب فی فضائل الانبیاء، رقم الحدیث 32298، موسسۃ الرسالۃ

Marfat.com

حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ جود و کرم اور عطا و بخشش کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ آپ بلا شک و شبہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے بڑے سخی ہیں۔ آپ ﷺ کی جود و عطا اور عطا و کرم کے منہج اور ان کے امتیازات کو درج ذیل پہلوؤں سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

جود و عطا۔ وصف دائمی

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو سخی تو ہوتے ہیں لیکن ان کے مزاج میں استحکام نہیں ہوتا۔ ان کی سخاوت حالات کے مطابق مختلف رنگ بدلتی رہتی ہے۔ اگر حالات اچھے ہوں تو سخاوت و فیاضی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اور اگر حالات سازگار نہ رہیں تو نہ صرف یہ کہ سخاوت نہیں کرتے بلکہ دوسروں کے حقوق چھیننے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ دراصل سخاوت ان لوگوں کی فطرت کی پکار نہیں ہوتی بلکہ ایسے لوگ اپنی ایک مخصوص سوچ کے تحت ایسا کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ جود و عطا کے اس بلند اور اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ کسی اور سے تقابل تو کجا، اس کی رفعتوں کا ادراک بھی ناممکنات میں سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ ایسے سخی ہیں کہ جن کی سخاوت حالات کی سازگاری یا سختی سے متاثر نہیں ہوتی بلکہ حالات جیسے بھی ہوں سخاوت و فیاضی کا بحر بیکراں سدا ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ما سئل رسول اللہ ﷺ عن شیء قط فقال لا۔ (1)

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول کریم ﷺ سے کوئی سوال کیا گیا اور آپ نے جواب میں "نہیں" فرمایا ہو۔"

فرزدق نے کہا تھا

ما قال لا قط الا فی تشھد لولا تشھد کانت لاؤہ نعم

1۔ صحیح البخاری، ج 8، ص 13۔ باب حسن الخلق، رقم الحدیث 6034، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

''آپ نے تشہد کے علاوہ کبھی بھی ''لا'' نہیں فرمایا۔ اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کا ''لا'' (نہیں) بھی نعم (ہاں) ہی ہوتا''۔

یہ بات اس آیہ کریمہ کے منافی نہیں ہے کہ جب ایک غزوہ کے موقع پر کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو آپ سے جہاد میں شریک ہونے کے لیے سواریاں مانگ رہے تھے تو آپ نے انہیں سواریاں نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ

(التوبہ:92)

''اور (جہاد میں شریک نہ ہونے پر) ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے کہ آپ انہیں سواریاں مہیا کریں تو آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں جس پر میں تمہیں سوار کرواؤں۔''

یہ آیہ کریمہ اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے اور آپ نے کبھی ''لا'' نہیں فرمایا۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ خالی ہاتھ نہ لوٹانے کا تعلق سائل سے ہے اور سائل کسی ذاتی ضرورت کی بنا پر سوال کرنے والے کو کہا جاتا ہے جبکہ یہاں وہ لوگ اس معنی میں سائل نہیں تھے وہ کسی ذاتی یا انفرادی ضرورت کے لیے سوال نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کا سوال تو ایک جنگی معاملہ تھا۔ جس کا تعلق آپ ﷺ کی سخاوت سے نہیں بلکہ اس وقت کے حالات سے تھا۔

اس سوال کے جواب میں ایک قول یہ ہے کہ آپ یا تو سائل کو عطا فرما دیتے تھے یا سکوت اختیار فرماتے تھے اور سائل کو 'لا' نہیں فرماتے تھے۔ علامہ قسطلانی اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

انه لاینطق بالرد بل ان کان عنده اعطاه ان کان الاعطا سائغا والاسکت۔(1)

1۔المواہب اللدنیہ، ج2، ص112، الشیخ احمد بن محمد القسطلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

''آپ ﷺ کبھی بھی زبان سے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے اگر آپ کے پاس کچھ موجود ہوتا تو آپ سائل کو عطا فرماتے ورنہ آپ خاموشی اختیار فرماتے''۔

آپ ﷺ کا خاموشی اختیار کرنا بھی آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ایک مظہر تھا جیسے اگر آپ کو کھانا پسند نہ بھی آتا تو آپ کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے بلکہ خاموشی اختیار فرماتے تھے۔ یہاں آپ کا خاموشی اختیار کرنا بھی اسی چیز کا اظہار ہوتا تھا اور اس میں دوسری چیز یہ ہوتی تھی کہ سائل سمجھ جائے کہ ابھی مجھے کچھ انتظار کرنا ہوگا۔ یونہی حضور اکرم ﷺ کے پاس کہیں سے مال آئے گا آپ مجھے عطا فرمائیں گے۔ اگر آپ اس کے سوال کو رد فرما دیتے پھر تو عطا کی امید ہی ختم ہو جاتی لیکن خاموشی اختیار فرمانے کا مطلب یہ ہوتا کہ ابھی کچھ انتظار کریں۔ اللہ تعالیٰ انتظام فرمائے گا اور تمہاری جھولی بھر دی جائے گی۔

ملا علی قاری اس تناظر میں فرماتے ہیں۔

(فقال لا) ای لا اعطی و المعنی ما سالہ احد من متاع الدنیا شیئا فمنعہ بل کان یعطی او یعدہ بالعطاء لقولہ تعالیٰ اما تعرضن عنھم ابتغاء رحمۃ من ربك ترجوھا فقل لھم قولا میسورا۔ فلاینافی قولہ تعالی حکایۃ عنہ ﷺ قلت لا اجد ما احملکم علیہ ای الان وارجوفی مستقبل الزمان۔(1)

''نبی کریم ﷺ کے کسی سائل کو لا (نہیں) نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا میں تمہیں نہیں دوں گا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے آپ سے دنیا کے ساز و سامان میں سے کچھ مانگا ہو اور آپ نے اسے نہ دیا ہو بلکہ یا تو آپ اسے عطا فرما دیتے یا اس سے دینے کا وعدہ فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے سبب کہ اگر آپ کو اپنے رب کے فضل کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہے ان سے اعراض کرنا پڑے تو آپ ان سے نرمی کی بات کہیں۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ

1۔ شرح الشفاء، ج 1، ص 249، ملا علی قاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

کے ایک قوم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا" آپ نے کہا میں کوئی ایسی سواری نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کرواسکوں۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے اور مجھے امید ہے کہ مستقبل میں اس کا انتظام ہو جائے گا۔"

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے سخی اور مجسمہ جودوکرم ہیں کہ آپ کے در سے کبھی کوئی سائل خالی واپس نہیں جاتا تھا۔

واہ کیا جودوکرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

حضور اکرم ﷺ ایسے سخی ہیں کہ آپ کی سخاوت کسی ایک میدان میں منحصر نہیں بلکہ جو سائل جیسی بھی طلب لے آتا آپ اس کا دامن بھر دیتے۔ آپ ایسے ہمہ جہت سخی ہیں کہ مال کے طالب کو مال دیا، عقل کے طالب کو حکمت و دانش، درد کے طالب کو دردوسوز دیا۔ الغرض آپ کی جودوعطا کسی ایک چیز میں منحصر نہیں تھی بلکہ آپ کے در سے ہر سائل اپنی مراد پہلے بھی پاتا تھا اور اب بھی پاتا ہے۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق و حضور و اضطراب
(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

امام قسطلانی آپ ﷺ کے جودوکرم کا تذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فھو بلا ریب اجود بنی آدم علی الاطلاق، کما انه افضلھم و اعلمھم و اشجعھم و اکملھم فی جمیع الاوصاف الحمیدة، و کان جوده بجمیع انواع الجود من بذل العلم و بذل نفسه لله فی اظھار دینه و ھدایة عباده و ایصال النفع الیھم بکل طریق من اطعام جائعھم و وعظ جاھلھم و تحمل اثقالھم۔(1)

1۔ المواہب اللدنیہ، ج2، ص111، امام احمد بن محمد القسطلانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

''بلا شک وشبہ اور بغیر کسی قید کے آپ بنی نوع انسان کے سب سے بڑے سخی ہیں، جس طرح آپ پوری انسانیت میں سے سب سے افضل، سب سے بڑے عالم، سب سے بہادر اور تمام اوصاف حمیدہ میں سب سے اکمل ہیں اور آپ ﷺ کی سخاوت، جودوسخا کی تمام انواع پر مشتمل تھی۔ آپ نے علم اور مال بھی بانٹا، دین کو غالب کرنے اور بندوں کی ہدایت کے لیے اپنی تمام کوششیں وقف فرما دیں۔ آپ نے بھوکوں کو کھانا کھلایا۔ ناواقفوں کو نصیحت کی، ان کی حاجتوں کو پورا کیا، ان کے بوجھ اٹھائے، الغرض انہیں ہر طریقہ سے نفع پہنچایا''۔

نبی کریم ﷺ جودوکرم اور سخاوت وفیاضی کے وہ پیکر تمام ہیں جن کی سخاوت ہمہ جہت اور ہمہ وقتی ہے اور آپ کی سخاوت وفیاضی کا ابر کرم سب پر برستا ہے اور سب اس سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی جودوکرم کو کتنے حسین پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

آسمان خواں، زمین خواں، زمانہ مہمان
صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

اور پیکر عشق رسول امام شرف الدین، بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر تو اپنی مثال آپ ہی ہے۔

کلھم من رسول اللہ ملتمس
غرفا من البحر او رشفا من الدیم

''سب رسول کریم ﷺ کے بحر بیکراں سے ایک چلو یا آپ کے ابر کرم سے ایک گھونٹ لینے کے طلب گار ہیں۔''

آپ ﷺ کے جودوکرم کا دریا ہر وقت بہتا ہے اور ہر خیر کا طالب اس سے ہر وقت اپنی تشنگی کا سامان کرتا ہے۔

منہ مانگی مرادیں دینے والے

حضور اکرم ﷺ جودوکرم کا وہ پیکر تمام ہیں جو سائل کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ سائل کی مرضی کے مطابق عطا فرمانے والے ہیں۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ سوال کرنے والا

Marfat.com

اپنی مرضی کے مطابق مانگتا ہے لیکن دینے والا اسے اپنی مرضی کے مطابق عطا کرتا ہے۔ جبکہ تاجدار کونین ﷺ ایسے سخی ہیں جو سائل کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں سائل کی مرضی کے مطابق عطا فرمانے والے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ان رجلا سائله فاعطاه غنما بين جبلين فرجع الى قومه و قال اسلموا فان محمدا يعطى عطاء من لا يخشى فاقة۔(1)

''ایک شخص نے آپ سے (دو پہاڑوں کے درمیان والی بکریاں دینے کا) سوال کیا۔ آپ نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان جتنی بکریاں تھیں سب عطا فرما دیں۔ وہ شخص اپنی قوم میں واپس گیا اور کہنے لگا۔ اے میری قوم! اسلام قبول کرلو بے شک محمد ﷺ اتنا عطا فرماتے ہیں کہ پھر فاقے کا ڈر نہیں رہتا۔''

یہاں حضور اکرم ﷺ نے اسے عطا فرماتے ہوئے اپنی طرف سے کسی کمی کی شرط نہیں لگائی بلکہ وہی عطا فرمایا جو اس نے طلب کیا تھا۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ وہ ایک چادر لے کر آئی تھی۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے۔ میں آپ کے زیب تن فرمانے کے لیے لائی ہوں۔ آپ نے وہ چادر اس سے لے لی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ اپنے کاشانہ اقدس سے دوبارہ باہر تشریف لائے۔ آپ وہی چادر زیب تن کیے ہوئے تھے اور بطور تہبند باندھے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا خوبصورت چادر ہے۔ یہ مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ کچھ دیر کے بعد آپ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ پھر باہر تشریف لائے وہ چادر لپیٹ کر اس صحابی کو عطا فرما دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صحابی سے کہنے لگے۔ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ آپ کو یہ چادر حضور ﷺ سے نہیں مانگنی چاہیے تھی۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے۔ اس صحابی نے

1۔ الشفا، ج 1، ص 76، القاضی ابو الفضل عیاض، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

کہا: اللہ کی قسم! میں نے حضور اکرم ﷺ سے یہ چادر صرف اس لیے مانگی ہے کہ جس دن میں مروں تو یہ چادر میرا کفن بنے۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ وہ چادر ان کا کفن ہی بنی۔(1)

اس روایت سے واضح ہو رہا ہے کہ سائل کا ارادہ جتنا بھی اعلیٰ اور بلند تھا اس نے سوال جن بھی مقدس جذبوں کے تحت کیا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اسے یہ نہیں فرمایا کہ کوئی اور چیز لے لو بلکہ اسے وہی عطا فرمایا جس کا اس نے سوال کیا تھا۔

ایک موقع پر جب آپ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ سلنی ربیعہ مانگ کیا مانگتا ہے تو حضرت ربیعہ نے عرض کیا۔ مرافقتك فی الجنة کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے جنت میں آپ کی مصاحبت مانگتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا او غیر ذالك کیا اس کے علاوہ بھی کچھ مانگتے ہو تو انہوں نے عرض کیا: فهو ذاك یا رسول اللہ! بس میری طلب یہی ہے تو آپ نے فرمایا

فاعنی علی نفسك بكثرة السجود۔(2)

''آپ سجدوں کی کثرت سے میری مدد کریں۔''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ انصار کے کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے سوال کیا۔ آپ نے انہیں عطا فرمایا۔ انہوں نے پھر سوال کیا۔ آپ نے انہیں پھر عطا فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس جو کچھ موجود تھا آپ نے انہیں عطا فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: میرے پاس جو مال بھی ہوگا وہ میں تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔ البتہ جو شخص سوال کرنے سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے سوال کرنے سے بچا لے گا جو اپنے غنی ہونے کا تاثر دے اللہ تعالیٰ اسے غنی فرما دے گا اور جو کسی تکلیف میں صبر کی کوشش کرے اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور کسی شخص کو بھی صبر کی دولت سے بہتر دولت نصیب نہیں ہوئی۔''(3)

1۔ صحیح البخاری، ج3، ص61، کتاب اللباس، باب ذکر النسا، رقم الحدیث، 2093، دار طوق النجاۃ

2۔ سنن ابی داؤد، ج2، ص25۔ باب وقت قیام النبی ﷺ، رقم الحدیث 1320، المکتبۃ العصریۃ، بیروت

3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج4، ص195۔ باب فضل الاستعفاف، رقم 8119 مجلس دائرۃ المعارف، حیدر آباد

Marfat.com

یہاں حضور اکرم ﷺ نے سوال کرنے والوں کو عطا تو وہی فرمایا جو انہوں نے مانگا تھا اور جو کچھ آپ کے پاس تھا سب کچھ انہیں عطا فرما دیا اور پھر انہیں حقیقت سوال سے بھی منع فرمایا کہ انسان کو سوال کرنے سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات انسان کو وہی کچھ عطا فرماتی ہے جس کا انسان اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے۔ اس طرح آپ نے انہیں مال و دولت کی خیرات بھی دی اور علم و حکمت کی بھی۔ گویا سائل کو اس کی طلب سے بھی زیادہ دیا۔

سب کچھ لٹا دینے والے

جب بھی کوئی سخی کسی سائل کو دیتا ہے تو عموماً ایک حساب میں رہتے ہوئے دیتا ہے۔ وہ یہ ضرور سوچتا ہے کہ اس سخاوت میں میرا نظام زندگی تو متاثر نہیں ہوگا۔ وہ اپنی دولت کا ایک مخصوص حصہ ہی خیرات کرتا ہے جس سے اس کی مجموعی دولت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

زمانے بھر کی اس روش کو توڑتے ہوئے نبی کریم ﷺ ایسے سخی ہیں جو سب کچھ راہ خدا میں لٹا دینے والے ہیں۔ آپ کے پاس جتنا بھی مال آتا جب تک اسے محتاجوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم نہ فرما دیتے اپنے گھر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی کل کے لیے کوئی چیز نہیں بچائی تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کان النبی ﷺ لا یدخر شیئا لغد۔ (1)

''نبی کریم ﷺ نے کبھی کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کی تھی۔''

حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھا آپ نے کوہ احد کو دیکھا اور فرمایا۔

اگر میں یہ پہاڑ میرے لیے سونے کا بن جائے تو میں یہ پسند نہ کروں گا کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس تین راتوں سے زیادہ رہ جائے۔ سوائے اس دینار کے جو میرے پاس قرض ادا کرنے کے لیے رہ جائے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بحرین

1۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 580۔ باب معیشۃ النبی ﷺ، رقم الحدیث 2362، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

سے مال آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے مسجد میں پھیلا دو۔ یہ آپ کی خدمت میں آنے والا سب سے زیادہ مال تھا۔ آپ نماز کے لیے باہر تشریف لائے۔ آپ نے اس مال کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ اس مال کے پاس تشریف فرما ہو گئے جو بھی نظر آتا آپ اسی کو مال عطا فرماتے۔ اسی دوران حضرت عباس ﷺ حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! مجھے بھی عطا فرمائیے۔ کیونکہ میں نے (غزوہ بدر میں قید ہونے سے رہائی کے لیے) اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لے لو۔ انہوں نے اپنے مال سے اپنے کپڑے میں مال ڈالا۔ پھر اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اٹھا نہ سکے۔ انہوں نے پھر عرض کیا: پھر آپ خود ہی یہ مال مجھے اٹھوا دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں پھر انہوں نے اس میں سے کچھ مال نکالا پھر اسے کندھے پر ڈالا اور تشریف لے گئے۔ حضور اکرم ﷺ ان کی اس طمع پر متعجب ہو کر ان کی طرف دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ اس وقت تک وہاں سے نہ اٹھے جب تک وہاں ایک درہم بھی موجود تھا۔ (1)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رنگے ہوئے کپڑے میں کچھ سونا بھیجا جسے ابھی تک مٹی سے خالص نہیں کیا گیا تھا۔ آپ نے یہ سارا سونا ان چار اشخاص میں تقسیم فرما دیا۔ عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید الخیل اور علقمہ بن علاثہ یا عامر بن طفیل رضی اللہ عنہم۔ (2)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین سے (مال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد) واپس آ رہے تھے تو چند بدو حضور اکرم ﷺ سے لپٹ گئے۔ وہ حنین کے مال غنیمت میں سے انہیں مال دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ حالت اضطرار میں آپ ﷺ کو ایک ببول کے درخت کی طرف لے گئے۔

1۔ صحیح البخاری، ج4، ص98، باب ما اقطع النبی ﷺ الخ۔ رقم الحدیث 3163، دار طوق النجاۃ

2۔ سنن ابی داؤد، ج4، ص387، باب فی قتال الخوارج، رقم الحدیث 4866، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

آپ کی چادر مبارک اس درخت میں پھنس گئی۔ آپ نے فرمایا مجھے میری چادر دے دو۔

فواللہ لو کان عدد ھذہ العضاۃ نعما لقسمتہ بینکم ثم لاتجدونی بخیلا ولا جبانا ولا کذابا۔ (1)

''اگر میرے پاس اس جنگل کے درختوں ببول جتنے مویشی ہوتے تو میں وہ سب تم میں تقسیم کر دیتا۔ اور پھر تم نہ مجھے بخیل پاتے، نہ دروغ گو اور نہ ہی بزدل''۔

سیرت النبی ﷺ کے ان چند واقعات سے بخوبی عیاں ہو رہا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ ایسے سخی اور کریم ہیں کہ جو سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیتے ہیں خود کو فاقے بھی کرنے پڑیں تو کر لیتے ہیں لیکن سائل کو خالی نہیں لوٹاتے۔

قرض لے کر سائل کی ضرورت پوری کرنے والے

نبی کریم ﷺ کی جودوسخا کا ایک عالم یہ بھی تھا کہ نہ صرف یہ کہ آپ سب کچھ راہ خدا میں بانٹ دیتے تھے بلکہ اگر کبھی ایسا ہوتا کہ آپ سب کچھ تقسیم فرما چکے ہوتے اور کوئی ضرورت مند آ کر آپ سے سوال کرتا تو آپ کسی سے قرض لے کر بھی اس کی ضرورت پوری فرما دیتے تھے۔ جودوسخا کا یہ درجہ ہمارے فہم وادراک سے ماورا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ عبادت کرنے کا کبھی حکم نہیں دیا۔ کسی سے قرض لے کر حاجت مند کی حاجت پوری کرنا تو بادی النظر میں تکلیف مالا یطاق ہے اور انسان اس کا مکلف ہی نہیں اور قرض لینے کی حضور اکرم ﷺ نے بہت مذمت فرمائی ہے اور آپ نے ایسے شخص کا جنازہ بھی نہیں پڑھا تھا جس نے کسی کا قرض ادا کرنا تھا تو آخر ان چیزوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

گزارش یہ ہے کہ جہاں تک قرض لینے کی ممانعت ہے اس سے مراد وہ قرض ہے جو انسان کسی مجبوری یا ضرورت کے لیے نہیں بلکہ صرف تعیشات کے لیے لیتا ہے لیکن جو قرض کسی ضرورت یا اضطراری کیفیت میں لیا جائے وہ گناہ نہیں ہے بلکہ ایسا قرض لینا جائز اور

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج2، ص130، رقم الحدیث 1551، مکتبۃ العلوم والحکم، موصل

Marfat.com

حالات کے مطابق کبھی ضروری بھی ہوجاتا ہے۔ ایسے مقروض کی تو اللہ تعالیٰ نے گویا خود سفارش کی ہے کہ اسے مہلت دو۔ یہ بہت اجر وثواب کا کام ہے اور مقروض کو مہلت دینا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب عمل ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ (البقرہ)

''اور اگر مقروض کا ہاتھ تنگ ہو تو اس کے حالات بہتر ہوجانے تک اسے مہلت دو اور اگر تم اسے معاف ہی کر دو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے ہی قرض دینے والے تاجر کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا جب وہ کسی مقروض کو دیکھتا کہ وہ تنگ دست ہے تو وہ اپنے کارندوں سے کہتا کہ اسے اور مہلت دے دو۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی مہلت دے دے۔ جب وہ مر گیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا لے کے آئے ہو؟ عرض کرنے لگا کہ میرے رب میں تیرے بندوں کو مہلت دیا کرتا تھا۔ ان پر نرمی کیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا اسے بھی مہلت دے دو کیونکہ یہ میرے بندوں کو مہلت دیا کرتا تھا اور اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (مفہوم)، (1)

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے لیے قرض لینا گناہ نہیں ہے ورنہ اسے دینے والا بھی شریک گناہ ہوتا۔ ضرورت کے لیے قرض لینا جائز ہے اور اسے قرض دینا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب عمل ہے تو اندازہ لگائیے کہ جب اپنی ضرورت کے لیے قرض لینا جائز ہے اور مستحق اجر ہے تو جو ذات گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی سے قرض لے کر کسی حاجت مند کی حاجت پوری کرے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں ان کا مقام و مرتبہ کتنا بلند وارفع ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ کسی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی سے قرض لینا جائز ہی سہی

1۔ صحیح البخاری، ج3، ص58، باب من انظر معسرا، رقم الحدیث 2077

Marfat.com

لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا مکلف تو نہیں ٹھہرایا؟ تو آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کیوں فرماتے تھے؟ تو گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کے ظرف کے مطابق ہی حکم دیا ہے۔ اگر ایک شخص اپنے مال کا دسواں حصہ تو پوری دل جمعی اور بشاشت قلبی کے ساتھ راہ خدا میں دے سکتا ہے لیکن اپنا آدھا مال دے کر اسے صدقہ کرنے پر پچھتاوا ہو جاتا ہے تو اسلام کہتا ہے اسے دسواں حصہ ہی دینا چاہیے لیکن اگر ایک شخص اپنا آدھا مال دے کر بھی جذبات تشکر سے معمور ہے کہ میرے رب نے مجھے صدقہ کرنے کی توفیق دی تو اس کا آدھا مال صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محبوب عمل ہوگا۔ پہلے شخص کو اس سے روکا جائے گا لیکن دوسرے کی تحسین کی جائے گی۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا اثاثہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو آپ نے فرمایا:

ابقیت لھم اللہ و رسولہ

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

(اقبال)

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی زبردست تحسین فرمائی۔ اس ایمان افروز واقعہ کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ نبوت میں حاضر تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے عبا پہنی ہوئی تھی اور اس کو آگے باندھا ہوا تھا۔ جبریل امین علیہ السلام آئے اور عرض کیا۔

یانبی اللہ مالی اری ابابکر علیہ عباءۃ قد خللھا فی صدرہ بخلال۔

اے اللہ کے نبی! یہ کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں ابوبکر نے ایسی عبا پہنی ہوئی ہے

Marfat.com

جسے سامنے سے کانٹوں سے بخیہ کیا ہوا ہے۔ حضور نے فرمایا: اس نے اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔ جبریل نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کا سلام ابوبکر کو پہنچائیں اور ان سے پوچھیں کیا یہ اس فقر و تنگ دستی پر خوش ہیں یا ناراض؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام پہنچایا اور یہ سوال پوچھا۔ اس پیکر تسلیم و رضا نے کتنا پیارا جواب دیا۔ عرض کیا:

أأسخط علی ربی، انی عن ربی لراض، انی عن ربی لراض۔

یعنی میں اپنے رب پر کیسے ناراض ہو سکتا ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں تجھ پر راضی ہوں جس طرح تو مجھ پر راضی ہے۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ اس خدا کی قسم! جس خدا نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ تمام حاملین عرش اسی قسم کی عبائیں پہنے ہوئے ہیں اور اسی طرح خلال کیے ہوئے ہیں جس طرح کہ آپ کے اس یار نے کیا ہے۔ (1)

اس موقع پر جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا اثاثہ اور کل پونجی بارگاہ رسالت میں حاضر کر دی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس بے مثال عمل کی تحسین فرمائی اس کی ایک جھلک سطور بالا سے واضح ہو گئی۔

لیکن سیرت نبوی کا یہ پہلو بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم بارگاہ نبوت میں حاضر تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونا لیکر آیا اور عرض کرنے لگا۔ یارسول اللہ! مجھے یہ سونا ایک کان سے ملا ہے۔ اسے صدقہ کے لیے قبول فرمالیجیے۔ ما املك غیرها۔ اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر وہ شخص دائیں جانب سے آ کر یہی عرض کرنے لگا۔ آپ نے پھر رخ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج 5، ص 114، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

یاتی احدکم بما یملك فیقول هذه صدقة ثم یقعد یستکف الناس خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی۔(1)

''تم میں سے کوئی شخص جو اس کے پاس ہو، لیکر آ جاتا ہے اور کہتا ہے یہ صدقہ ہے پھر خود بیٹھ کر (اپنی امداد کے لیے)'' لوگوں کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ بہترین صدقہ وہی ہے جو حسب ضرورت بچا کر دیا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کا صدقہ قبول نہیں فرمایا کیونکہ وہ اپنے پاس موجود سارا سونا لے کر آ گیا تھا لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سارا صدقہ ہی نہ صرف قبول فرمایا بلکہ بے مثال الفاظ میں اس کی تحسین بھی فرمائی۔ اس کا کیا سبب ہے؟

اس کا ایک واضح سبب یہی محسوس ہو گیا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تفویض الی اللہ اور وسعت ظرفی کے اس اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ سب کچھ راہ خدا میں لٹانا ہی ان کے عشق کی معراج تھی۔

حاصل عمر نثار رہ یار کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

لیکن دوسرے صاحب تسلیم و رضا کے اس اعلیٰ مقام پر نہیں تھے اس لیے ان کا سارا صدقہ قبول نہیں فرمایا اور انہیں فرمایا گیا کہ اپنے لیے بچا کر باقی مال صدقہ کرو۔ اس سے واضح ہو کہ اگر کسی کو وسعت ظرفی اور تفویض الی اللہ کا مقام انتہائی درجے کا نصیب ہو تو اس کا سارا مال صدقہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ رب کریم کی نگاہ میں انتہائی محبوب عمل ہے لیکن اگر یہ مقام نصیب نہ ہو تو پھر سارا مال صدقہ کرنا شریعت کی نظر میں غیر پسندیدہ عمل ہے۔

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیم و رضا، تفویض الی اللہ اور وسعت قلب و نظر کے اس اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں کہ جس کا فہم و ادراک بھی ہمارے لیے ناممکن ہے۔ اس لیے جود و عطا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہے کہ آپ نہ صرف اپنا سارا مال و متاع راہ خدا میں صدقہ

1۔ سنن ابی داؤد، ج 2، ص 53، باب الرجل یخرج من مالہ، رقم الحدیث، ج 1675، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

فرما دیتے تھے بلکہ اگر کوئی سب کچھ صدقہ فرمانے کے بعد بھی سوال کرتا تو آپ کسی سے قرض لے کر بھی اس ضرورت مند کی ضرورت پوری فرما دیتے تھے صدقہ اور جودوعطا کا یہ بلند ترین مقام اپنی تمام تر نزاکتوں اور عظمتوں کے ساتھ صرف اور صرف تاجدار اقلیم جودو کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی حاصل تھا اور رب کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جودوکرم کے اسی بلند ترین مقام پر فائز فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ ایک آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز موجود نہیں البتہ آپ میری جانب سے کسی سے ادھار لے لیں۔ جب ہمارے پاس کچھ آئے تو ہم وہ قرض ادا کردیں گے۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی حاضر خدمت تھے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چیز کا حکم نہیں دیا جو آپ کی قدرت میں نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی۔ انصار میں سے ایک شخص کہنے لگا۔

یا رسول اللہ انفق ولا تخف من ذی العرش اقلالا فتبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و عرف البشر فی وجهه و قال بهذا امرت۔ (1)

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عطا فرمایئے اور عرش کے مالک سے کسی کمی کا خوف نہ کیجیے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور آپ کے روئے زیبا پر خوشی کے اثرات ظاہر ہوئے اور آپ نے فرمایا مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔"

اس روایت کے آخری الفاظ بهذا امرت...... "مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا" سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو رہی ہے کہ قرض لے کر صدقہ کرنے کا مقام اگرچہ عام انسانوں کے فہم وادراک سے ماوراء ہے لیکن جودوعطا کے اس اعلیٰ مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فائز فرمایا ہے اور آپ کو اسی چیز کا حکم دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جودوعطا کا ایک منظر یہ بھی ہے کہ آپ اپنے پاس سے سب کچھ لٹانے پر ہی اکتفا نہیں

1۔ کنز العمال، ج 7، ص 202، باب الشمائل، رقم الحدیث 18637، موسسۃ الرسالہ

Marfat.com

فرماتے تھے بلکہ اگر سب کچھ لٹانے کے بعد بھی کوئی ضرورت مند آ جاتا تو آپ کسی سے قرض لے کر بھی اس کی ضرورت پوری فرماتے تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن عبداللہ ہوزنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال پوچھا تو میں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خزانچی میں ہی تھا۔ آپ نے کبھی اپنے پاس کوئی چیز بچا کر نہیں رکھی تھی۔ جب کوئی بھوکا ننگا مسلمان آپ کے پاس آتا آپ مجھے حکم فرماتے میں کسی سے قرض لیتا، چادر خرید کر اسے پہناتا اور اسے کھانا کھلاتا۔

ایک دن ایک مشرک مجھے کہنے لگا۔ بلال! میرے پاس گنجائش ہوتی ہے۔ میرے علاوہ کسی اور سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اس سے قرض لے لیا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان دینے لگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مشرک تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ آ رہا ہے۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا: او حبشی! میں نے کہا: لبیک۔ پھر اس نے مجھے بڑے سخت الفاظ کہے۔ کہنے لگا تجھے معلوم ہے کہ وعدہ میں کتنے دن باقی ہیں۔ تو نے وقت پر قرض نہ ادا کیا تو تجھے غلام بنا کر بکریاں چراؤں گا جیسے تو پہلے بکریاں چرایا کرتا تھا۔ یہ سن کر میں بڑا پریشان ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشا کی ادائیگی کے بعد اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ میں آپ کی خدمت اقدس میں وہیں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ جس مشرک سے میں قرض لیا کرتا تھا اس نے آج مجھے اس طرح کہا ہے۔ چونکہ ہمارے پاس اس کا قرض ادا کرنے کے لیے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ مجھے خطرہ ہے وہ مجھے رسوا نہ کرے اس لیے اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں بھاگ کر کسی مسلمانوں کے قبیلہ میں چلا جاتا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ ادائے قرض کا بندوبست فرمائے گا تو میں واپس آ جاؤں گا۔ یہ عرض کر کے میں اپنے گھر آ گیا۔ تلوار، جوتا، تھیلا اور ڈھال وغیرہ اپنے سرہانے رکھ لیے۔ صبح کاذب ہوتے ہی میں چلنے لگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آ رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ! آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو میں نے وہاں

Marfat.com

چار لدے ہوئے اونٹ بیٹھے ہوئے دیکھے۔آپ نے فرمایا: مبارک ہو! اللہ تعالیٰ نے قرض کی ادائیگی کا سامان کر دیا ہے۔تم نے چار اونٹ بیٹھے ہوئے دیکھے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا: یہ اونٹ حاکم فدک نے بھیجے ہیں۔ یہ غلہ اور کپڑے سب اپنی تحویل میں لے لو۔ انہیں بیچ کر قرضہ ادا کر دیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی پھر میں مسجد میں آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ آپ نے ادائے قرض کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا: سب قرضہ ادا ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کچھ بچا تو نہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! کچھ باقی بچ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے بھی تقسیم کر دو جب تک یہ تقسیم نہیں ہو گا میں گھر نہیں جاؤں گا۔ جب آپ عشا کی نماز سے فارغ ہوئے تو مجھے یاد فرمایا اور بقیہ مال کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا: کچھ باقی ہے مجھے کوئی سائل نہیں ملا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رات مسجد میں ہی بسر فرمائی۔ دوسرے دن پھر مجھے نماز عشاء کے بعد طلب فرمایا اور بقیہ مال کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ یہ سن کر آپ نے تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کیونکہ آپ کو ڈر تھا کہ ''کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے اس حال میں موت آ جائے کہ میرے پاس کچھ مال موجود ہو، پھر آپ اپنے دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔''(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جود و عطا کی یہی وہ شانیں، عظمتیں اور رفعتیں ہیں جن کی مثال بھی ڈھونڈے سے نہیں ملے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جود و عطا کے انہیں امتیازات کے باعث یہ بات بھی بلا شک و شبہ ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ بنی نوع انسان کے سب سے بڑے سخی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحدیث نعمت کے طور پر خود اس کا تذکرہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

انا اجود بنی آدم۔(2)

''میں بنی آدم کا سب سے بڑا سخی ہوں''۔

1۔ سنن ابوداؤد، ج 3، ص 138، باب الامام یقبل ھدایا المشرکین، رقم الحدیث 3057۔ دار الکتاب العربی، بیروت

2۔ شعب الایمان للبیہقی، ج 2، ص 281، باب فی نشر العلم، رقم الحدیث، 1632، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

اپنی مثال آپ ہے تو کائنات میں
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

جودوعطا اور پیغام سیرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جودوعطا اور سخاوت وفیاضی کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ کی۔ آپکی جودوعطا کے یہ انداز کریمانہ صرف قصہ ماضی نہیں کہ جسے فراموش کردیا اور یہ کوئی بادشاہ اور وزیر کی فرضی داستانیں بھی نہیں جو وقت گزارنے کے لیے بیان کی جائیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جودوعطا کے یہ عدیم النظیر انداز ملت اسلامیہ کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اے امت محمدیہ! تمہاری زندگی اپنے لیے نہیں، دوسروں کے لیے ہونی چاہیے۔ تم نے اپنی ذات کے خول میں نہیں جینا۔ دوسروں کا درد بانٹنے کے لیے اپنی ذات کے خول توڑنا ہوں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے پڑوس میں کسی بیوہ کے بچے بھوکے سو جائیں اور تمہاری دولت اپنے ہی تعیشات کی نذر ہوتی رہے۔ کوئی یتیم بچہ سکول سے اس لیے خارج کردیا جائے کہ وہ فیس جمع نہ کرواسکا اور تمہارا مال وزر رسم ورواج اور ناک اونچی رکھنے میں خرچ ہوتا رہے۔ کوئی یتیم بچی اس لیے ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے کہ اس کی ماں کے پاس اس کی دوادارو کے پیسے نہ ہوں اور تم بہتر سے بہتر گاڑیاں خریدنے کے چکر میں پڑے رہو۔ تمہیں فقط اپنے لیے نہیں جینا۔ تمہیں دوسروں کے دکھ بانٹنے ہیں۔ تم نے اپنے ایک پاؤ گوشت کے لیے دوسرے کی بھینس ذبح نہیں کرنی بلکہ خود بھوکے رہ کے کھانا دوسروں کو کھلانا۔ خود پیارے رہ کے پانی دوسروں کو پلانا ہے۔

اولاد ہر کسی کو پیاری ہوتی ہے۔ بچوں کی خوشی ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے لیکن اپنے بچوں کی روشنی کو تیز سے تیز تر کرنے کے لیے دوسروں کے چراغ نہ گل کردینا اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پیغام کبھی نہ بھولنا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے لاڈلی اور پیاری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے آپ کی خدمت میں ایک کنیز لینے کے لیے حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے کا سبب پوچھا۔ عرض کیا: سلام کرنے کے

Marfat.com

لیے حاضر ہوئی تھی اور شرم وحیا کے باعث کنیز کی بات نہ کر سکیں اور واپسی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معذرت کر لی۔ پھر دونوں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی ڈھوتے ڈھوتے میرے سینہ پر نیل پڑ گئے۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا چکی پیستے پیستے میری ہتھیلیوں پر آبلے پڑ گئے ہیں۔ ہمیں خدمت کے لیے ایک کنیز عنایت فرمائیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جگر کا ٹکڑا قرار دیا ہے جن کی اذیت کو اپنی اذیت فرمایا۔ اتنی لاڈلی اور پیاری بیٹی کے اس سوال پر آپ نے فرمایا:

خدا کی قسم! ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں تمہیں خادمہ دے دوں اور اہل صفہ بھوکے مریں۔ ان کے خرچ کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں اسیران جنگ کو فروخت کر کے ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔

رات کی تاریکی چھائی۔ آخر اپنے پیاروں کا دکھ کوئی بھولنے والی چیز تو نہیں تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس سے نکلے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ دیکھا وہاں ایک ہی ایسی چادر موجود ہے جس سے اگر سر ڈھانپے جائیں تو پاؤں ننگے ہو جاتے ہیں اور اگر پاؤں ڈھانپے جائیں تو سر ننگے ہو جاتے ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی دونوں مودب ہو کر اٹھ بیٹھے۔ آپ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ! کیا تمہیں کنیز سے بہتر ایک چیز نہ بتاؤ؟ یہ وہ کلمات ہیں جو مجھے جبریل علیہ السلام نے سکھائے تھے۔ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ دس مرتبہ، الحمدللہ دس مرتبہ اور اللہ اکبر دس مرتبہ پڑھ لیا کرو اور سوتے وقت سبحان اللہ 33 مرتبہ، الحمد للہ 33 مرتبہ اور اللہ اکبر 34 مرتبہ پڑھ لیا کرو۔

یہ ہے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام کہ اپنوں پر دوسروں کو ترجیح دو۔ اپنے گھر کا چولہا جلے نہ جلے دوسروں کا پیٹ بھرنے کی کوشش کرو۔ دوسروں کو کسی سے قرض لے کر بھی دے دو لیکن اپنوں کو استقامت اور ایثار کا پیکر بناؤ۔ اپنے خول کے گرد ہی نہ گھومتے رہو۔ اپنے تعیشات میں کھو کر محتاجوں کو فراموش نہ کرو۔ اگر ایسا کیا تو تم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

Marfat.com

اسوہ جود و کرم سے غداری کی ہے۔ آپ کی سیرت صرف واقعات اور کہانیاں نہیں ہیں جنہیں پڑھ یا سن لیا جائے بلکہ فلاح انسانیت کا ایک منشور ہے اسے سنیں اسے مشعل راہ بنایئے ورنہ لفظوں کے ہیر پھیر کے سوا کچھ نہیں ہوگا اور حالت کچھ یوں ہوگی۔

تیرے رستے سے الگ کیوں ہیں ہمارے رستے
یوں تو ہر بات پہ ہم بات سنائیں تیری

Marfat.com

Marfat.com

عجز وانکسار۔ موانع ومظاہر۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں

پیکر عجز وانکسار...... صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ (الفرقان)

''اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں''۔

Marfat.com

جسے شہ شش جہات دیکھوں
اسے غریبوں کے ساتھ دیکھوں
عنان کون و مکان جو تھا میں
کدال پر بھی وہ ہاتھ دیکھوں
لگے جو مزدور، شاہ ایسا
نہ زر نہ دھن، سربراہ ایسا
فلک نشیں کا زمیں پہ گھر ہے
مرا پیمبر عظیم تر ہے
(مظفر وارثی)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس انسان سے احساس برتری کی نفسیات چھین لیتا ہے۔ اللہ کو بڑا ماننا ہی اپنے آپ کو چھوٹا ماننے کا راستہ کشادہ کرتا ہے۔ معرفت الٰہی انسان کو انانیت سے بچا کر اسے عجز و انکسار کا پیکر بنا دیتی ہے۔

اس حقیقت میں بھی ذرہ برابر شک نہیں کہ معروفت الٰہی کے سب سے اعلیٰ اور ارفع مقام تک صرف اور صرف امام الانبیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی رسائی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ عجز و انکساری کے جس مقام پر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فگن ہیں اس میں کوئی آپ کا شریک نہیں۔ آپ کی پوری زندگی تمام تر مقامات رفیعہ اور علو مرتبت کے باوجود عجز و انکساری کا بلند ترین نمونہ ہے۔ آپ نے عملی، قولی اور ہر زاویہ نگاہ سے احساس برتری اور تکبر سے منع فرمایا اور عجز و انکسار کو اپنانے کا حکم دیا اور متعدد پہلوؤں سے اس کی ترغیب بھی دی۔ آپ نے واضح فرمایا کہ احساس برتری سے انسان بڑا نہیں ہوتا بلکہ رب قدیر اس کو بلند کرتا ہے جو عاجزی اختیار کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما نقصت صدقة من مال، و ما زاد الله بعفو الا عزا و ما تواضع احد لِلّٰهِ الا رفعه الله۔(1)

''صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔ (اپنی غلطی پر) معافی مانگ لینے سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرماتا ہے اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرما دیتا ہے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چیز کی بھی وضاحت فرمائی کہ تواضع انسان کے رتبہ کو بلند کرتی ہے اور احساس برتری اسے پست کر دیتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

1۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 376۔ باب ماجاء فی التواضع، رقم الحدیث 2029، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

من تواضع لاخيه المسلم رفعه الله و من ارتفع عليه وضعه الله (1)

''جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلند کر دیتا ہے اور جو اس پر اپنی برتری جتانا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتا ہے۔''

جب تمام عظمتیں ہیں ہی اللہ رب العزت کی تو آخر بندہ کس وجہ سے کسی احساس برتری میں مبتلا ہو جاتا ہے؟ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے تو عظمت اور کبریائی بھی تو فقط اسی کو زیبا ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الكبرياء ردائي والعظمة ازاري فمن نازعني واحدا منهما التقيته في النار (2)

''کبریائی میری چادر ہے اور بڑائی میرا تہبند ہے جو ان دونوں میں سے کچھ بھی مجھ سے چھیننا چاہے گا میں اسے دوزخ میں پھینک دوں گا۔''

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

(اقبال)

عجز و انکسار انسان کی عظمت ہے اور تکبر و استکبار اس کی تباہی و بربادی کا دوسرا نام ہے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے ملاقات کی۔ کچھ دیر محو گفتگو رہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رونے لگے۔ ایک آدمی نے ان سے پوچھا۔ اے ابو عبدالرحمٰن آپ کو کس چیز نے رلا دیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر كبه الله تعالىٰ لوجهه في

1۔ الترغیب والترہیب، ص 544، باب الترغیب فی التواضع، رقم الحدیث 4273، دار ابن حزم

2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 15، ص 439، رقم الحدیث 9803، موسسۃ رسالہ

Marfat.com

النار۔ (1)

''جس کے دل میں ایک رائی برابر بھی تکبر ہوگا اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے کے بل دوزخ میں اوندھا لٹکا دے گا۔''

سیرت النبی ﷺ کا ایک اہم پیغام احساس برتری اور تفوق سے بچ کر عاجزی و انکساری کو اختیار کرنا ہے۔ رسول کریم ﷺ تمام تر عظمتوں اور مقامات رفیعہ پر فائز ہونے کے باوجود عجز و انکسار کا پیکر بنے رہے۔ آپ کی زندگی متعدد پہلوؤں سے عاجزی و انکساری کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ سفر زیست میں انسان جب بھی کبھی تفوق اور استکبار کا شکار ہونے لگے تو اسے چاہیے کہ وہ سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی لے۔ اسے اپنے ہر مرض کا علاج مل جائے گا۔

موانع عجز و انکسار اور سیرت النبی ﷺ

یوں تو ہر انسان عاجزی اور انکساری کا پیکر بن کے جینا چاہتا ہے وہ تکبر و استکبار سے دور رہنا چاہتا ہے لیکن اس کی زندگی میں کچھ مواقع ایسے آجاتے ہیں جو اس سے عاجزی و انکساری چھین لیتے ہیں اور اسے فخر و رعونت کی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔

تخت و تاج بدل دیتے ہیں شاہوں کے مزاج
ورنہ چنگیز بھی آغوش میں خونخوار نہ تھا

ایسے مواقع کم و بیش ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں اور انسان عاجزی و انکساری کا راستہ چھوڑ کر تکبر و استکبار کی راہوں پر چل نکلتا ہے۔ سیرت طیبہ ایسے ہر موقع پر انسان کی رہنمائی کس طرح کرتی ہے۔ چند مواقع اور ان میں مخفی پیغام ملاحظہ ہو۔

(i) خوشحالی میسر آنے کے مواقع

جب حالات انسان کا ساتھ نہ دیں تو حالات کی تنگی اسے نہ صرف ایک عاجز انسان بنا دیتی ہے بلکہ اسے اس حد تک لے جاتی ہے کہ جس کا اس نے کبھی گمان بھی نہیں کیا ہوتا۔

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 11، ص 589، رقم الحدیث 7015، موسسۃ الرسالہ، (1420ھ)

Marfat.com

حاجت بری بلا ہے غالب سا تندخو
منت کش عدو سر بازار ہوگیا
(غالب)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں زندگی کے تمام زاویوں کا نمونہ موجود ہے۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عجز و انکسار کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ آپ نے شاہی کو ترک فرما کر عبدیت کو اختیار فرمایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لو شئت لسارت معی جبال الذهب۔(1)

''اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی موقع پر فرمایا۔ میرے پاس فرشتہ آیا جس کی کمر کعبہ کے برابر تھی۔ اس نے عرض کیا آپ کا رب سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے۔

ان شئت نبیا عبدا و ان شئت نبیا ملكا۔

''اگر آپ چاہیں تو بندگی والے نبی بنیں اور اگر آپ چاہیں تو بادشاہ نبی بنیں۔''

تو میں نے جبریل امین کی طرف دیکھا تو انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ آپ اپنی ذات میں عاجزی اختیار کریں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین کی طرف مشورہ لینے والے کی طرح دیکھا۔ تو جبریل امین نے اشارہ کیا کہ آپ انکساری اختیار کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

فقلت نبیا عبدا قالت فکان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذالك لا یا كل متكئا یقول اكل كما یاكل العبد و اجلس كما یجلس العبد۔(2)

''میں نے عرض کیا اے میرے رب! میں بندگی والا عبد بنوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

1۔ مسند ابی یعلی، ج8، ص318، احمد بن علی ابو یعلی الموصلی، رقم الحدیث 4920، دار المامون للتراث، دمشق
2۔ نفس مصدر، ج8، ص318۔ رقم الحدیث 4920

Marfat.com

فرماتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں ایسے ہی کھاؤں گا جیسے ایک (عام) بندہ کھاتا ہے اور ایسے ہی بیٹھوں گا جیسے ایک (عام) بندہ بیٹھتا ہے''۔

حضور اکرم ﷺ عاجزی وانکساری کا وہ پیکر جمیل ہیں کہ جیسے جیسے آپ پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات بڑھتی گئیں آپ کے عجز وانکسار میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کس لقب سے مشرف کیا جائے تو وہاں بھی آپ نے شرف عبدیت کو اختیار فرمایا:

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں

''حضرت ابو القاسم امام سلیمان انصاری فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ (شب معراج)''اعلیٰ ترین درجات اور بلند ترین مقام پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی فرمائی

یا محمد بما اشرفك۔ قال یا رب بأن تنسبنی الی نفسك بالعبودیة۔(1)

''اے محمد ﷺ میں آپ کو کس لقب سے مشرف کروں تو حضور اکرم ﷺ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے اپنی نشست سے منسوب فرما، یہ حضور ﷺ کی عاجزی اور انکساری کا نکتۂ کمال تھا کہ اپنے مقام رفیع پر فائز ہونے کے باوجود بھی آپ نے اپنی عبدیت کو ہی اپنے لیے سب سے بڑا شرف سمجھا۔''

جب اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ پر فتوحات کے دروازے کشادہ فرما دیئے علاقوں پر علاقے فتح ہونے لگے۔ مال غنیمت کے بڑے بڑے انبار آپ کے قدموں پر ڈھیر ہونے لگے تو نعمتوں کی یہ کثرت و مال و اسباب کی یہ فراوانی آپ کی عاجزی اور انکساری کو ذرہ برابر متاثر نہ کر سکی بلکہ جس قدر اسباب بڑھتے گئے آپ کا عجز وانکسار اتنا ہی زیادہ ہوتا گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

1۔ التفسیر الکبیر، ج20، ص146، امام فخر الدین رازی، مکتب الاعلام الاسلامیہ

Marfat.com

ایک عورت جس کی عقل میں کچھ فتور تھا۔ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی: یارسول اللہ! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ آپ نے فرمایا:

یا ام فلاں انظری ای السکک شئت حتی اقفی لك حاجتك و خلا معها فی بعض الطرق حتی فرغت من حاجتها۔(1)

''اے ام فلاں! تو سوچ لے کہ تو کون سی گلی پسند کرتی ہے کہ میں وہاں جا کر تیری حاجت پوری کروں۔ ایک راستہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ جو بات وہ کرنا چاہتی تھی اس نے پوری کر لی۔''

ہر لحاظ سے اتنے بلند مقامات پہ فائز ہونے کے باوجود ایک عام عورت جس کی عقل میں بھی فتور ہے اس کے ساتھ یہ برتاؤ واضح کر رہا ہے کہ اسباب کی بے پناہ فراوانیاں آپ کے عجز وانکسار میں اضافہ ہی کرتی گئیں۔

(ii) فتح وکامرانی کا حصول

عموماً انسان عمومی حالات میں تو عجز وانکسار کا راستہ اختیار کرتا ہے لیکن جب اسے اپنے دشمن پہ غلبہ حاصل ہوتا ہے اور وہ اسے شکست وریخت سے دوچار کرتا ہے تو وہ عاجزی کا راستہ چھوڑ کے تکبر ورعونت کی راہ پر چل پڑتا ہے اور ظلم وسرکشی کی انتہا کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اسی شاہی رویے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ (النمل)

''بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہو جائیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل ورسوا کر دیتے ہیں۔''

اور تاریخ شاہد ہے کہ فتح وکامرانی کے نشہ میں بادشاہوں نے لوگوں کے سروں کے مینار بنائے اور اتنی قتل وغارت گری کی کہ ہر طرف لاشوں کے ڈھیر نظر آنے لگے۔ ان مسلمہ

1۔ صحیح مسلم، ج 4، ص 1812، باب قرب النبی علیہ السلام، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

حقائق کے باوجود سیرت النبی ﷺ کا پیغام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و کامرانی دے تو اس وقت بھی اسے عجز و انکسار کا پیکر بننا چاہیے۔ عجز و انکسار ایک قلبی معاملہ ہے جس کا اظہار انسان کے عمل سے ہوگا۔ تکبر انسان کے ہر عمل سے جھلکے گا اور اسے ظلم و ستم کا پیکر بنا دے گا اور عاجزی انسان کے سر کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی جھکائے گی اور اس کے برتاؤ سے نرمی اور رأفت کا اظہار ہوگا۔

جب بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو غلبہ عطا فرمایا۔ تو آپ نے قیدیوں کو تہہ تیغ کر کے نشان عبرت نہیں بنایا بلکہ ایک معمولی سا فدیہ لے کر انہیں رہا کرنے کی پالیسی اپنائی۔ اس موقع پر آپ کے عجز و انکسار نے آپ کے قلب اطہر کو جو رقت و نرمی عطا فرمائی وہ رہتی دنیا تک مشعل راہ رہے گی۔

قیدیوں میں ایک شخص عمرو بن عبداللہ بھی تھا جس کی کنیت ابوعزہ تھی۔ وہ شاعر بھی تھا اس نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا ''میری پانچ بیٹیاں ہیں۔ جن کا میرے بعد نہ کوئی کفیل ہے نہ ان کے پاس گزر بسر کے لیے کوئی اثاثہ ہے۔ اے محمد ﷺ! اگر آپ مجھے ان بچیوں کی پرورش کے لیے صدقہ کی صورت میں رہا فرما دیں تو میں حتمی وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کے خلاف کسی کو نہ ابھاروں گا اور نہ خود آپ کے مقابلے میں جنگ میں شریک ہوں گا۔ رسول کریم ﷺ نے اسے بغیر فدیہ لیے آزاد کر دیا۔ الخ''۔(1)

اندازہ فرمائیے کیا یہ رویہ اس شخص کا ہوسکتا ہے جسے فتح کے نشہ نے مغرور و سرکش بنا دیا ہو، نہیں یقیناً نہیں۔ یہ شان اسی ذات اقدس کی ہوسکتی ہے کہ ایسے مواقع پر جذبات تشکر و امتنان نے جسے عجز و انکسار کا پیکر بنا دیا ہو۔

فتح و نصرت کا نشہ مسلم ہے۔ شاہان جہاں کی تاریخ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے لیکن ایسے مواقع پر پیغام سیرت کو سمجھنے کے لیے ذرا فتح مکہ کا تصور کیجیے جب حضور اکرم ﷺ فاتح مکہ کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے تو اس وقت بادشاہوں اور فاتحین والا

1۔ حیات محمد، ص 332، محمد حسین ہیکل، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

Marfat.com

غرور نہیں تھا بلکہ عجز و انکساری کا یہ عالم تھا کہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ان رسول الله ﷺ لیقع رأسه تواضعا لِلّٰهِ حین رای ما اکرمه الله به من الفتح حتی ان عثونته لیکاد یمس واسطة الرحل۔(1)

''اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو فتح و نصرت کی جو عزت عطا فرمائی تھی اس کا خیال کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے آپ کا سر مبارک اتنا جھکا ہوا تھا کہ قریب تھا کہ آپ کی داڑھی مبارک کے بال کجاوے کے درمیان کو چھو لیں''۔

سیرت کا پیغام یہ ہے کہ فتح و نصرت کے مواقع پر بھی انسان عاجزی و انکساری کے شرف سے محروم نہ ہو۔

(iii) جذبہ انتقام

عاجزی نرمی کا محرک ہے اور تکبر ظلم و جبر کی بنیاد ہے۔ عموماً انسان عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتا رہتا ہے لیکن جونہی وہ اپنے دشمن پر غلبہ پالیتا ہے تو وہ تکبر کا پیکر بن جاتا ہے اور اپنے دشمنوں کو نشان عبرت بنائے بغیر اس کی انا کو تسکین نہیں ملتی۔

حضور اکرم ﷺ کے عجز و انکسار کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب آپ اپنے دشمنوں پر غلبہ پالیتے تھے تو انہیں نشان عبرت بنانے میں ہی اپنا وقار نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے ساتھ اتنا اچھا اور قابل تقلید معاملہ فرماتے تھے کہ وہ آپ کی عظمت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ سیرت طیبہ میں اس کی بڑی خوبصورت مثالیں موجود ہیں۔ مکہ فتح ہوا۔ وہ لوگ جو آپ کے جانی دشمن تھے جنہوں نے آپ کے اصحاب پر بے پناہ ظلم و ستم کیے تھے وہ ایک مجرم کی حیثیت سے آپ کے سامنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ اگر آپ ان کے سر بھی قلم فرما دیتے تو نہ قانون اس سے روکتا نہ اخلاق لیکن آپ نے انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ جاؤ آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے تم سب آزاد ہو۔

ثمامہ بن آثال اہل یمامہ کا سردار تھا۔ گرفتار کر کے لایا گیا۔ یہ وہی شخص تھا جو حضور

1۔ السیرۃ النبویہ، ج4، ص46، ابن ہشام، دار الریان للتراث

Marfat.com

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھا اور آپ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! اسے میرے قابو میں کر دے۔ جب وہ گرفتار کر کے لایا گیا تو اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ کیا کہتے ہو؟ کہنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی کو قتل کرو گے۔ اگر ایک احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پر احسان کرو گے اور اگر فدیہ چاہتے ہو تو جس قدر مانگو گے دیا جائے گا۔ آپ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے دن اس نے پھر یہی جواب دیا۔ تیسرے دن بھی یہی کہا۔ آپ نے سن کر فرمایا اسے آزاد کر دو۔ اس کی رسیاں کھول دیں گئیں۔ وہ آزاد ہو کر مسجد سے نکلا۔ اس نے مسجد کے قریب ایک درخت کی آڑ میں غسل کیا اور مسجد میں آ کر کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور کہنے لگا:

واللہ ما کان علی الارض وجہ ابغض الی من وجھك فقد اصبح وجھك احب الوجوہ الی واللہ ما کان دین أبغض الی من دینك فاصبح دینك احب الدین الی واللہ ما کان بلد أبغض الی من بلدك فاصبحت بلاك احب البلاد الی۔(1)

"یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!" میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض نہیں تھا۔ اب اس چہرہ سے بڑھ کر کوئی چہرہ محبوب نہیں۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے بڑھ کر مبغوض نہ تھا۔ اب کوئی دین آپ کے دین سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے بڑھ کر مبغوض نہ تھا۔ اب کوئی شہر آپ کے شہر سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے"۔

جب دشمن پر آپ کو مکمل غلبہ مل جاتا تو اس وقت آپ کی عاجزی انتہا کو پہنچتی اور آپ اس کے ساتھ انتہائی نرمی اور حسن سلوک کا مظاہرہ فرماتے۔

جب غزوۂ بدر کے قیدی آپ کے پاس لائے گئے تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ فیاضی کا معاملہ اختیار کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی تعمیل اس طرح

1۔ السنن الکبری للبیہقی، ج9، ص65، باب مایفعلہ بالرجال رقم الحدیث 18489، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد

Marfat.com

کی کہ انہیں اپنے سے اچھا کھانا کھلایا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود کھجوروں پر گزارہ کرتے تھے لیکن قیدیوں کو روٹی سالن کھلاتے تھے۔ قیدیوں کے پاس کپڑے نہ رہے تو آپ نے اپنے پاس سے انہیں کپڑے پہنائے حالانکہ یہ مسلمانوں پر بے انتہا تنگی کا زمانہ تھا۔

اگر کسی شخص کا عجز و انکسار مصنوعی ہو تو وہ ویسے تو بڑا عاجز و منکسر المزاج بن کے رہے گا لیکن جونہی اسے اپنے حریف پہ غلبہ ملے گا اس کی مصنوعی عاجزی کا محل دھڑام سے گرے گا اور وہ تکبر و رعونت کا پیکر بن کے انہیں نشان عبرت بنا دے گا لیکن سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام یہ ہے کہ جیسے جیسے دشمن پر غلبہ ملتا جائے انسان کا عجز و انکسار ویسے ویسے بڑھتا ہی جائے اور اس کا ہر عمل بتائے کہ اس کی عاجزی تصنع پر مبنی نہیں بلکہ عجز و انکسار کے انوار و تجلیات نے اس کے دل کو منور کر رکھا ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس پیغام کا ایک منظر علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

در مصافے پیش آں گردوں اسیر
دختر سردار طے آمد اسیر
پائے در زنجیر وہم بے پردہ بود
گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دخترک را چوں نبی بے پردہ دید
چادر خود پیش روئے اوکشید (1)

"ایک جنگ میں اس ذات عالی مقام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قبیلہ طے کے سردار کی بیٹی کو بطور قیدی پیش کیا گیا۔

اس کے پاؤں میں زنجیریں تھیں اور وہ بے پردہ تھی۔ شرم و حیا سے اس نے اپنی گردن جھکائی ہوئی تھی۔

1۔ اسرار خودی، ص 20، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

Marfat.com

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مجبور بیٹی کو بے پردہ دیکھا تو آپ نے اپنی مبارک چادر اس کے سر پر ڈال دی۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پہلو واضح کر رہا ہے کہ دشمن پر غلبہ پانے کے بعد انسان عجز و انکساری کے زیور سے محروم نہ ہو بلکہ اسے ایسے مواقع پر مضبوطی سے عاجزی و انکساری کا دامن تھامنا چاہیے۔''

(iv) محبتوں اور عقیدتوں کا حصول

جو چیزیں کسی انسان سے عجز و انکسار سلب کر لیتی ہیں اور اسے مغرور اور متکبر بنا دیتی ہیں ان میں سے ایک اہم چیز وہ عقیدتیں اور محبتیں بھی ہوتی ہیں جو کسی انسان کو دوسرے انسانوں سے ملتی ہیں۔ قابل احترام لوگوں کی جو اولاد انسانوں کو انسان سمجھنے کے شرف سے محروم ہو جاتی ہے اس کا ایک بڑا سبب وہ عقیدتیں بھی ہوتی جن کا اظہار لوگ ان سے کرتے رہتے ہیں۔ فی نفسہ تو ایسے خاندانوں میں پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

خدا کا شکر زمانے کی قدر دانی ہے
جواں بھی نہ ہوئے تھے کہ پیر کہلائے
(پیر نصیر الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ)

لیکن جب کوئی انسان اس نعمت کی قدر نہ کرے تو یہی عقیدتیں اس میں بگاڑ کا سبب بن جاتی ہیں اور اسے مغرور اور سرکش انسان بنا دیتی ہیں۔

کر کر کے منتیں تیری عادت بگاڑ دی
دانستہ ہم نے تجھ کو ستمگر بنا دیا

اس تناظر میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام یہ ہے کہ مخلوق کی عقیدتیں اور تمام تر محبتیں اللہ تعالیٰ کی عنایت ہیں اسے تکبر و استکبار کا ذریعہ بنا لینا احساس کمتری اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بے قدری ہے۔

اہل ایمان نے جس قدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے اور صحابہ

Marfat.com

کرام جس طرح حضور اکرم ﷺ سے محبتوں اور عقیدتوں کا اظہار کرتے تھے دنیائے محبت میں اس کی مثال ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملے گی۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی ہر ادا پر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر دینا اپنے ایمان کا کمال سمجھتے تھے۔ وہ ہر اس چیز پر اپنی عقیدتوں کے پھول نچھاور کرتے تھے جن کا ذرا سا بھی تعلق شاہ خوباں ﷺ کے ساتھ ہوتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کا جس طرح ادب واحترام کرتے تھے اس کی ایک جھلک عروہ بن مسعود کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کی جانب سے سفیر بن کر حضور اکرم ﷺ کے پاس گئے تھے۔ واپسی پر انہوں نے قریش سے کہا

ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوك و وفدت علی قیصر و کسریٰ والنجاشی۔ واللہ ان رایت ملکا قط یعظمه اصحابه ما یعظم اصحاب محمد محمدا واللہ ان تنخم نخامة الا وقعت فی کف رجل منهم فدلك بها وجهه وجلده و اذا امرهم ابتدروا امره و اذا توضا کادوا یقتتلون علی وضوئه و اذا تکلم خفضوا اصواتهم عنده و مایحدون الیه النظر تعظیما له۔(1)

''لوگو! اللہ کی قسم میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں۔ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار بھی دیکھ کر آیا ہوں مگر میں نے کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی عزت کرتے ہوں جتنی عزت اصحاب محمد ﷺ حضرت محمد ﷺ کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم جب وہ تھوکتے ہیں تو ان کا لعاب دہن کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے وہ اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے اور جب وہ کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو وہ ان کے حکم کی تعمیل میں بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے تو ان کے وضو کا پانی حاصل کرنے کے لیے اس طرح جھپٹتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ آپس میں لڑ پڑیں گے اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 31، ص 248، رقم الحدیث 18928، موسسۃ الرسالہ

Marfat.com

ان کے سامنے اپنی آوازیں پست کر دیتے ہیں اور تعظیم کی وجہ سے ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے''۔

اور آپ کے ادب کے سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکیلے بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے جس ہاتھ سے آپ کے دست اقدس پہ بیعت کی تھی اسے کبھی اپنی شرم گاہ سے نہیں لگاتے اور ادب کا یہ منظر بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کی شرائط کی تجدید کے لیے ابوسفیان مدینہ منورہ آیا۔ (یہ ان کے قبول اسلام سے پہلے کی بات ہے) اور اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگا تو ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فوراً بستر لپیٹ دیا تو ابوسفیان یہ دیکھ کر کہنے لگا:

یا ابنة ما ادری ارغبت بی عن هذا الفراش او رغبت به عنی؟ فقالت هو فراش رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وانت مشرك نجس ولم احب ان تجلس علی فراشه۔(1)

''اے میری بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں! تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر ہے اور تو ایک مشرک ناپاک آدمی ہے اس لیے میں پسند نہیں کرتی کہ تو اس بستر پر بیٹھے''۔

ان چند مثالوں سے بخوبی عیاں ہو رہا ہے کہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے کس قدر محبت وعقیدت کا اظہار کرتے تھے کیونکہ آپ سے محبت ہی ایمان کی جان ہے۔

ان تمام محبتوں اور عقیدتوں کے باوجود آپ کی ذات گرامی عاجزی وانکساری کا پیکر تھی۔ آپ نے کبھی اپنے آپ کو صحابہ کرام سے متمیز نہیں بنایا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ

غزوہ بدر میں اونٹ کم تھے۔ چنانچہ ایک اونٹ پر باری باری تین تین آدمی سوار ہوتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جب حضور

1۔ البدایہ والنہایہ، ج4، ص320، علامہ ابن کثیر الدمشقی، دار المعرفہ، بیروت

Marfat.com

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آتی تو وہ عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ سوار رہیں ہم پیدل چلیں گے یعنی اس سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کیا سعادت ہوگی کہ

دشت طیبہ میں تیرے ناقے کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما انتما باقوی علی المشی منی وما انا باغنی عن الاجر منکما۔ (1)

''تم چلنے میں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو اور میں تم دونوں سے کم اجر کا حاجت مند نہیں۔''

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام یہ ہے کہ لوگوں کے ادب واحترام نے جس بندے سے عاجزی چھین لی۔ وہ سنت نبوی کی حلاوتوں سے محروم ہو گیا اور اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ چھوڑ کے کسی اور کا راستہ اختیار کر لیا۔

مظاہر عجز وانکسار اور سیرت طیبہ

عاجزی وانکساری ایک قلبی معاملہ ہے جس کا اظہار انسان کے اعمال اور اس کے کردار سے ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح عجز وانکسار کا اظہار فرمایا اور سیرت طیبہ کی روشنی میں عجز وانکسار کی جو جہتیں متعین ہوتی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(i) معمولی کام بھی خود سر انجام دینا

جو انسان عجز وانکسار کی حلاوتوں سے محروم ہو جائے وہ ایک ایسی متکبرانہ سوچ کا حامل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کوئی اور ہی مخلوق سمجھتا ہے وہ اپنے ہاتھ سے اپنے گھریلو کام کرنے میں اپنی توہین سمجھتا ہے جبکہ جو شخص عجز وانکسار کی دولت گراں مایہ پالے اس کی شخصیت میں اس قدر ٹھہراؤ اور حقیقت پسندی آجاتی ہے کہ وہ چھوٹے موٹے اور معمولی کام

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 7، ص 112

Marfat.com

کرنے میں کسی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتا اور وہ بلا کسی تردد کے ایسے تمام کام خودسر انجام دیتا ہے کیونکہ وہ اس حقیقت کو بہت اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ پھول ہر جگہ پھول ہی ہوتا ہے وہ جہاں بھی ہو اسی جگہ کو خوبصورت اور دل آویز بنا دیتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشبہ امام الانبیاء ہیں اور تمام بنی نوع انسان کے آقا ہیں اور دنیا کے کامیاب ترین انسان ہیں جنہوں نے تاریخ عالم کا سب سے بڑا اور ہمہ جہت انقلاب برپا کیا۔ ان تمام شانوں اور عظمتوں کے باوجود آپ کے عجز و انکسار کا ایک مظہر یہ ہے کہ آپ اپنے گھریلو امور سرانجام دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں فرماتے تھے۔

آپ کی سیرت طیبہ سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ چھوٹا کام کرنا بڑا ہونے کے منافی نہیں ہے بلکہ حقیقی عظمت انسان کو ہر احساس کمتری سے نجات دلا دیتی ہے۔

حضرت اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ

ما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصنع فی بیتہ قالت کان یکون فی مھنۃ اھلہ تعنی خدمۃ اھلہ فاذا حضرت الصلوٰۃ خرج الی الصلوٰۃ۔(1)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنے گھر میں کام کاج میں مشغول رہتے تھے یعنی گھر والوں کے کام کرتے تھے پھر جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عجز و انکسار کے اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یخصف نعلہ و یخیط ثوبہ و یعمل فی بیتہ کما یعمل احدکم فی بیتہ و قالت کان بشرا من البشر یغلی ثوبہ و یحلب شاتہ و یخدم نفسہ۔(2)

1۔ ریاض الصالحین، ج1، ص357، امام نووی، باب التواضع دار احیاء التراث العربی

2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج43، ص243، رقم الحدیث 26194، موسسۃ الرسالہ (مسند عائشہ)

Marfat.com

''رسول اکرم ﷺ اپنے نعلین پاک کو خود درست فرما لیتے۔ اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا لیتے۔ اپنے گھر میں ایسے ہی کام کرتے جیسے تم سے کوئی اپنے گھر میں کام کرتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک عام انسان کی سی زندگی بسر فرماتے۔ اپنے کپڑوں کو خود دیکھ لیتے۔ اپنی بکری کا دودھ خود دھو لیتے اور اپنا کام خود سرانجام دیتے تھے۔''

جب حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ وہاں مسجد کی تعمیر فرمائی صحابہ کرام مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے تو حضور اکرم ﷺ بھی ان کے ساتھ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

و طفق رسول اللہ ﷺ ینقل معھم اللبن فی بنیانہ۔(1)

''رسول کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ مسجد کی تعمیر کے لیے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔''

ایک مرتبہ ایک سفر کے دوران جب ایک بکری ذبح کر کے پکانے کا مرحلہ تھا تو ایک صحابی نے کہا: میں اسے ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں اس کی کھال اتاروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں اسے پکاؤں گا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

وعلیّ جمع الحطب

میں اسے پکانے کے لیے لکڑیاں اکٹھی کروں گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم سب کام خود کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں تم یہ کام خود کر لو گے۔

ولکن اکرہ ان اتمیز علیکم و ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ یکرہ من عبدہ ان یراہ متمیزا بین اصحابہ۔(2)

''لیکن میں ممتاز ہونے کو پسند نہیں کرتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ اس کا کوئی بندہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ امتیاز کے ساتھ رہے۔''

1۔ صحیح البخاری، ج 5، ص 60، باب ہجرۃ النبی ﷺ، رقم الحدیث 3906، دار طوق النجاۃ

2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج 7، ص 13، الباب الثانی فی حسن خلقہ، محمد بن یوسف الصالحی، دار الکتب العلمیہ بیروت

Marfat.com

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ عجز و انکسار کا ایک مظہر معمولی کام کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرنا ہے۔

(ii) مشورہ قبول کرنا

حضور اکرم ﷺ کے عجز و انکسار کے مظاہر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ مختلف معاملات میں نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے بلکہ ان کے مشورہ پر عمل بھی فرماتے۔ اگر کوئی آدمی عجز و انکسار کی دولت سے محروم ہو تو وہ اپنی رائے کو حرف آخر سمجھتا ہے اور سب پر اپنی رائے ہی ٹھونسنا چاہتا ہے باوجود اس کے کہ اس کی رائے مکمل طور پر غلط بھی ہوسکتی ہے۔

رسول کریم ﷺ امام الانبیاء ہیں اور انبیاء کرام انسانی اوصاف میں دیگر تمام لوگوں سے ہر لحاظ سے بہتر ہوتے ہیں اور رسول کریم ﷺ تو ہر لحہ وحی الٰہی کے نور سے منور رہتے تھے اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرماتا تھا۔ ان تمام حقائق کے باوجود آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے یہ محض کوئی رسمی بات نہیں تھی بلکہ بہت سے مواقع پر آپ نے اس کے مشورہ پر عمل بھی فرمایا جیسے غزوۂ احد کے موقع پر رسول کریم ﷺ کا خیال مبارک یہ تھا کہ جنگ شہر کے اندر لڑی جائے لیکن جب آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا تو ان میں سے چند ایک کی رائے یہ تھی کہ جنگ شہر سے باہر لڑی جائے اور پھر آپ نے ان کی رائے کے مطابق ہی عمل کیا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر قافلہ کا تعاقب یا لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے صحابہ کرام سے فرمایا:

اشیر علی ایھا الناس۔ (1)

''اے لوگو! مجھے مشورہ دو''۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

1۔ السیرۃ النبویہ، ج 2، ص 258، ابن ہشام، دار الریان للتراث، القاہرہ

Marfat.com

لو اجتمعتما فی مشورة ما خالفتکما۔(1)

''اگر تم دونوں ایک مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔''

''غزوۂ بدر کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان بدر میں جلوہ فرما ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ بدر کے پانی کے قریب آ کر اترے۔ اس پر حضرت حباب بن منذر بن جموح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ اس جگہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اترے ہیں یا یہ آپ کی ایک تدبیر اور ذاتی رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں یہ میری ذاتی رائے اور ایک تدبیر ہے۔ تب انہوں نے عرض کیا: یہ جگہ خیمہ زن ہونے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو یہاں سے کوچ کرنے کا حکم فرمائیں اور کفار کے پانی کے پاس جا کر خیمہ زن ہو جائیں کیونکہ مجھے وہاں کے پانی کی گہرائی اور کثرت کی جگہ کا اچھی طرح علم ہے۔ ہم وہاں اتریں گے پھر اس کے قریب ایک گہرا کنواں کھود کر وہاں ایک حوض تعمیر کر کے اسے پانی سے بھر لیں گے جس سے ہم پانی پی سکیں گے اور دشمن محروم رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات سن کر فرمایا: تم نے بہت بہتر مشورہ دیا ہے۔ آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس طرف روانہ ہو گئے اور کفار سے قریبی پانی کے ذخیرہ پر جا کر اترے پھر آپ نے کنواں کھودنے کا حکم دیا اور گہرا کنواں کھود کر اس کے پاس ایک بڑا حوض تیار کر لیا جسے کنویں کے پانی سے بھر دیا گیا۔ پھر وہ پانی لشکر اسلام کی سیرابی کا سبب بنتا رہا اسی صائب مشورہ کی وجہ سے حضرت حباب کو صاحب الرائے کہا جانے لگا''۔(2)

مشورہ قبول کرنا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عجز و انکسار کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔

(iii) دوسروں کے مقام و مرتبہ کو بیان کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عجز و انکسار کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آپ افضل النبیین اور امام

1۔ تفسیر القرآن العظیم، ج 1، ص 397، علامہ ابن کثیر، دار الریان للتراث، القاہرہ

2۔ محمد رسول اللہ، ص 30، شیخ محمد رضا مصری، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی

Marfat.com

الانبیا ہونے کے باوجود دوسرے انبیاء کرام کے مقامات رفیعہ کو بڑے اہتمام سے بیان فرمایا کرتے تھے اور جب بھی کبھی تقابل کا ماحول ہوتا تو آپ دوسرے انبیاء کرام کے مقام و مرتبہ کو بیان فرماتے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء کرام کا امام بنایا۔ تحدیث نعمت اور حقیقت واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آپ نے کئی مقامات پر خود اس کو بیان فرمایا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے منتظر بیٹھے تھے۔ آپ ان کے قریب آ کر ان کی باتیں سننے لگے۔ ان میں سے بعض نے تعجب سے کہا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ایک خلیل بنانے لگا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا۔ دوسرے نے کہا: اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اور ایک صحابی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا صفی بنایا۔ آپ نے ان کے پاس آ کر انہیں سلام کیا اور فرمایا۔

میں نے تمہارا کلام اور اس پر تعجب سنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں وہ ایسے ہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صفی اللہ بنایا وہ ایسے ہیں۔

الا و انا حبیب اللہ ولا فخر و انا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ ولا فخر و انا اول شافع و اول مشفع یوم القیامۃ و لا فخر و انا اول مومن یحرك حلق الجنۃ فیفتح اللہ فیدخلنیھا و معی فقراء المومنین و لافخر و انا اکرم الاولین و الآخرین و لا فخر۔ (1)

''سنو! میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور میں اس پر فخر نہیں کر رہا۔ میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ میں قیامت کے دن سب

1۔ سنن الترمذی، ج5، ص 587، باب فی فضل النبی ﷺ، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری سفاعت قبول ہوگی اور اس پر فخر نہیں میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ میرے لیے جنت کا دروازہ کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا۔ اور میرے ساتھ فقرا مومنین ہوں گے اور اس پر فخر نہیں اور اولین وآخرین میں سب سے زیادہ معزز ہوں اور اس پر فخر نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامۃ و اول من ینشق عنہ القبر و اول شافع و اول مشفع۔(1)

"میں قیامت کے دن بنی نوع انسان کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔"

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء کرام کا سردار بنایا ہے۔ علمائے اسلام نے اس موضوع پر متعدد پہلوؤں سے روشنی ڈالی ہے۔ بالخصوص امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے "تجلی الیقین" میں اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا الخ۔ کی تفسیر کرتے ہوئے "تفسیر کبیر" میں اس موضوع پر بہت مفصل اور مدلل کلام فرمایا ہے۔

ان سب حقیقتوں کے باوجود جب بھی کوئی ایسا موقع آیا جہاں کسی دوسرے نبی علیہ السلام کی عزت وحرمت کا معاملہ تھا تو آپ نے اس موقع پر دوسرے انبیاء کرام کی شان کو بیان فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا آپس میں تکرار ہوا۔ مسلمان نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ یہود نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ اس پر مسلمان نے طیش میں آکر اس یہودی کو ایک تھپڑ مارا۔ یہودی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس مین حاضر ہوا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ آپ نے مسلمان سے فرمایا:

1۔ سنن ابی داؤد، ج4، ص351، باب فی تخییر بین الانبیاء، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

لاتخیرونی علی موسیٰ

''تم مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک پایہ پکڑے ہوئے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ ان میں سے ہوں گے کہ وہ بے ہوش اور پھر ہوش میں آئے یا ان میں سے ہوں گے جو بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رہے''۔(1)

حضور اکرم ﷺ نے امام الانبیا اور عالم ما کان و ما یکون ہونے کے باوجود یہ کیوں فرمایا؟ اس کے جواب میں محدثین نے کئی باتیں فرمائیں۔ شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی نے اس سوال کے کئی جواب دیئے وہ فرماتے ہیں کہ یا تو آپ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب ابھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی فضیلت اور منزل سے مفصل آگاہ نہیں فرمایا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس طرح فضیلت نہ دو جس سے ان کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو اور ان کی دل آزاری ہوتی ہے یا آپ نے نفس نبوت میں فرق کرنے سے منع فرمایا۔ پھر علامہ عینی فرماتے ہیں کہ

انہ قال تواضعا و نفیا للکبر۔(2)

''آپ ﷺ نے یہ بات عاجزی اور تکبر کی نفی کرتے ہوئے فرمائی۔''

عجز و انکسار ایک ایسی دولت ہے کہ جسے یہ مل جاتی ہے وہ افضل ہونے کے باوجود بھی دوسروں کی افضلیت کو بیان کرتا رہتا ہے۔ یہ وہ متاع بے بہا ہے جسے مل جائے وہ دوسروں کے مقام و مرتبہ کو ہی بیان کرتا رہتا ہے اور جسے نہ ملے وہ اپنی ذات کے خول سے باہر نہیں نکلتا۔ اس دنیا میں ''میں'' نہیں ''تو'' کا راج ہوتا ہے۔

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

1۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 350۔ باب التخییر بین الانبیاء، رقم الحدیث 4673، دار الکتب العربی، بیروت

2۔ عمدۃ القاری، ج 19، ص 151۔ علامہ بدر الدین عینی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
(اقبال)

ایک معروف حکایت کے مطابق جب تن کی دنیا آباد کرنے والوں سے پوچھا گیا کہ آپ میں سے سب سے اعلیٰ مرتبہ والا کون ہے؟ تو سب نے کہا: میں ہی ہوں اور جب من کی دنیا آباد کرنے والوں سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل کون ہے تو ہر ایک نے یہی کہا کہ میں تو ایک حقیر سا آدمی ہوں وہ مجھ سے پیچھے آرہا ہے۔

دوسروں کی عظمت کو اجاگر کرنا یہ بھی حضور اکرم ﷺ کے عجز و انکسار کے مظاہر میں سے ایک ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اور آپ سے مخاطب ہو کر عرض کرنے لگا: یاخیر البریة۔ اے مخلوق میں سے سب سے بہتر ذات گرامی! تو آپ نے فوراً فرمایا: ذاك ابراهيم۔ (1)

''خیر البریة تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام۔''

حضور اکرم ﷺ کے عجز و انکسار کے مظاہر میں یہ مظہر بھی ایمان کو حلاوتیں بخشتا ہے کہ کسی ایسے موقع پر جہاں آپ کی عظمت وشان بالکل عیاں اور نمایاں ہو رہی ہو آپ وہاں بھی دوسروں کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ جس طرح فتح مکہ کے موقع پر ہوا کہ مکہ فتح ہو گیا۔ آپ پر ظلم وتشدد کرنے والے جابر و قاہر لوگ ایک مجرم کی حیثیت سے آپ کے سامنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ ان کے سابقہ ظلم کی وجہ سے اگر انہیں ایسی سزائیں دی جاتیں کہ وہ بعد والوں کے لیے نشان عبرت بنا دیئے جاتے تو یہ کوئی ظلم یا زیادتی نہ ہوتی تو آپ نے ان سے پوچھا کہ اے لوگو! تم مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو تو وہ بیک زبان بولے آپ کریم ہیں اور کریم باپ کے بیٹے ہیں تو اس موقع پر آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جاؤ میں تمہیں معاف کرتا ہوں بلکہ آپ نے فرمایا:

1۔ سنن ابی داؤد، ج4، ص352، باب فی تخییر بین الانبیاء، رقم الحدیث 4684، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

فانی اقول کما قال اخی یوسف لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ ۫ وَ ہُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔(1)

''میں تمہیں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے (اپنے بھائیوں سے)'' کہی تھی آج تم پہ کوئی گرفت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔''

اس عظیم شرف وکمال کے موقع پر آپ نے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا کہ میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے جس اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیا تھا۔ وہ سلوک میں تم سے کرتا ہوں۔ ایسا کوئی میں نے پہلی مرتبہ نہیں کیا۔ میرے بھائی یوسف علیہ السلام بہت پہلے یہ کہہ چکے ہیں۔

دوسروں کی عظمت کو اس طرح بیان کر کے آپ نے جس عجز وانکسار کا اظہار کیا ہے اس میں جتنا غور کیا جائے۔ ایمان کی لذتیں اتنی ہی بڑھتی جائیں گی۔ بادی النظر میں تو بھائیوں کو معاف کرنا اور چیز ہے اور دشمنوں کو معاف کرنا اور چیز ہے لیکن پیکر عجز وانکسار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر اپنی عظمت کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے بیان ہے اور یہ عجز وانکسار کا نقطہ ارتقا ہے۔

(iv) اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنا

جو بھی آدمی عجز وانکسار کی دولت سے محروم ہو، تکبر وسرکشی کی نفسیات میں جیتا ہو۔ اگر اس کے لیے ممکن ہو تو وہ کبھی بھی اپنے آپ کو قانون کے حوالے نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے قانون تو صرف بے بس انسانوں پر نافذ ہونے کے لیے ہوتا ہے اور میں تو قوت وطاقت کا پیکر ہوں کون ہے جو مجھے قانون کے سامنے پیش کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ازمنہ قدیمہ میں بھی بادشاہ کسی قانون کے پابند نہیں ہوتے تھے اور یہ حقیقت عملی طور پر واضح تھی کہ بادشاہ کسی قانون کا پابند نہیں ہے بلکہ جو بادشاہ کرتا ہے وہی قانون ہے۔ بادشاہ جو بھی کرے وہی حق تھا۔

1۔ سنن النسائی، ج10، ص154، باب قولہ تعالیٰ قل جاء الحق الخ۔ موسسۃ الرسالہ، بیروت

Marfat.com

لگا کے آگ شہر کو یہ بادشاہ نے کہا
اٹھا ہے آج تماشے کا دل میں شوق بہت
جھکا کے سر کو سبھی شہ پرست بول اٹھے
حضور! شوق سلامت رہے شہر اور بہت

ماضی میں بھی طاقتور اپنے آپ کو قانون کے حوالے نہیں کرتے تھے اور آج بھی قانون صرف کمزوروں پر نافذ ہوتا ہے۔ طاقتور قانون کے سامنے جھکنے کو اپنی انا اور طاقت کے منافی سمجھتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عجز و انکسار کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ آقائے دوجہاں اور جان ایمان ہیں اور ظاہری طور پر اتنی بڑی ریاست کے سربراہ ہیں۔ آپ نے کبھی بھی اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ قانون کی بالادستی کو تسلیم کیا۔ آپ قانون کے شارح بھی تھے اور شارع بھی لیکن آپ نے کبھی بھی اپنی ذات اقدس کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر قانون کی بالاتری کو اپنی ذات سے شروع فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

الا کل شیء من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع و دماء الجاھلیۃ موضوعۃ و ان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعۃ ابن الحارث کان مسترضعا فی بنی سعد فقتلہ ھذیل و ربا الجاھلیۃ موضوعۃ و اول ربا اضع ربانا ربا عباس ابن عبد المطلب فانہ موضوع۔(1)

''خبردار! زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے ان قدموں کے نیچے ہے (یعنی میں خودساختہ تمام ضابطے پامال کرتا ہوں) اور زمانہ جاہلیت کے ایک دوسرے پر تمام خون پامال ہیں اور سب سے پہلے میں اپنا خون معاف کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے۔ وہ بنو سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا جسے ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔ زمانہ جاہلیت کے تمام سود پامال کیے

1۔ صحیح المسلم، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب الحج، رقم الحدیث:2846

Marfat.com

جاتے ہیں اور میں سب سے پہلے اپنے خاندان کے سود کو چھوڑنے کا اعلان کرتا ہوں۔ وہ عباس بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ ان کا تمام سود پامال کیا جاتا ہے۔"

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قانون نافذ کرتے ہیں تو اپنی ذات اور اپنے خاندان کو قانون سے بالاتر اور مستثنیٰ نہیں سمجھتے بلکہ قانون کے نفاذ کی ابتدا اپنی ذات اور اپنے خاندان سے فرماتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر قانون کی پاسداری فرماتے تھے کہ آپ اپنے صحابہ کرام سے معاملہ فرماتے ہوئے بھی اپنے آپ کو قانون سے برتر نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ غزوہ بدر کے لیے جا رہے تھے تو ہمارے پاس سواری کے لیے اونٹ بہت کم تھے۔ ایک اونٹ پر تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ شریک تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اونٹ پر سوار ہو جائیں۔ ہم آپ کے بدلے پیدل چلیں گے۔ اس کے جواب میں آپ فرماتے:

ما انتما اقوی علی المشی منی و ما انا باغنی عن الاجر منکما۔ (1)

"تم چلنے میں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو اور میں تم دونوں سے اجر کا کم حاجت مند نہیں ہوں۔"

دونوں صحابہ کرام کی دلی تمنا تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار رہیں اور وہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناقہ کے ساتھ ساتھ چلتے رہیں۔

دشت طیبہ میں تیرے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو اس ضابطہ سے بالاتر نہیں سمجھتے جو طے شدہ ہے۔

1۔ عیون الاثر، ج 1، ص 328، محمد بن عبداللہ ابن سید الناس، موسسۃ عز الدین

Marfat.com

قانون کی پاسداری اور اپنے آپ کو قانون سے برتر نہ سمجھنا یہ بھی سیرت نبوی کا ایک اہم پیغام ہے اور آپ کی حیات مبارکہ اسی کا مظہر ہے۔ آپ نے کبھی بھی اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضور اکرم ﷺ صف بندی فرما رہے تھے۔ ایک صحابی حضرت سواد بن غزیہ انصاری رضی اللہ عنہ صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے تیر کی لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا استویا سواد۔ اے سواد برابر ہو جا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے میرے پیٹ پر ٹھوکا دیا ہے میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: آ! مجھ سے بدلہ لے لے۔ انہوں نے عرض کیا: اس وقت میرا پیٹ ننگا تھا۔ آپ نے اپنے بطن اقدس سے کپڑا اٹھا دیا۔ وہ آپ سے چمٹ گئے اور آپ کے بطن اقدس کے بوسے لینے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا یہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ جنگ شروع ہونے والی ہے شاید مجھے شہادت نصیب ہو جائے اس لیے میں نے چاہا:

ان یکون اخر العھد بك ان یمس جلدی جلدك فدعا رسول اللہ ﷺ بخیر۔(1)

کہ میرا آپ سے آخری معاملہ یہ ہو کہ میرا جسم آپ کے جسم اقدس کو چھو لے۔ پس رسول کریم ﷺ نے ان کے لیے خیر کی دعا فرمائی۔

حضرت سواد رضی اللہ عنہ جس طرح رسول کریم ﷺ سے محبت و عقیدت کا معاملہ کیا وہ قیامت تک ایمان کو جلا بخشتا رہے گا۔ لیکن رسول کریم ﷺ نے جس طرح اپنے آپ کو بدلہ دینے کیلئے پیش کیا وہ بھی دنیائے عدل و انصاف کا ایک شاہکار ہے۔ جب غزوہ حنین کا مال غنیمت تقسیم ہوا تو ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہمارے قیدی اور اموال واپس کر دیئے جائیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں اپنے بچے زیادہ محبوب ہیں یا مال و دولت؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک

1۔ السیرۃ الحلبیہ، ج2، ص402، علی بن برہان الدین الحلبی دار المعرفہ، بیروت

Marfat.com

خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا: جب ظہر کی نماز ختم ہو تو تم اٹھ کر کہنا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مومنوں کی طرف سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ انہوں نے نماز کے بعد ایسا ہی کہا تو آپ نے فرمایا: جہاں تک اس حصے کا تعلق ہے جو میرا اور بنی عبدالمطلب کا ہے وہ میں واپس کرتا ہوں اور باقی لوگوں سے میں پوچھ لیتا ہوں تو سب لوگ پکار اٹھے کہ جو ہمارا ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور سب نے یکے بعد دیگرے اپنے حصے کا مال غنیمت واپس کر دیا۔

یہاں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدا اپنی ذات اقدس سے فرمائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی تھا جن کا نام اسید بن حضیر تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ لوگوں میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور لوگوں کی ظرافت طبعی کا سامان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلی سے ان کے پہلو کو ٹہوکا دیا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف دی میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا: ہاں اپنا بدلہ لے لو۔ کہنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے بدن اقدس پر تو قمیص ہے اور میری بدن پہ قمیص نہیں تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک اٹھا دی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چمٹ گیا اور آپ کے بدن اقدس کو بوسے دینے لگا اور کہنے لگا:

بابی انت و امی یا رسول اللہ اردت ھذا۔(1)

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ میں تو یہی چاہتا تھا۔''

سیرت نبوی کے اس پہلو سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتا ہے تو وہ ایک مغرور اور سرکش انسان ہے۔ عجز و انکسار تکلفات اور تصنعات کا نام نہیں بلکہ یہ ایک سوچ ہے جو انسان کی پوری زندگی کو عاجزی کے قالب میں ڈھال دیتی ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام یہ ہے کہ عظمت تکبر و استکبار میں نہیں بلکہ عجز و انکسار میں ہے۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج4، ص49۔ باب ماجاء فی قتل الامام وجرحہ، رقم الحدیث 16443، مجلس دائرۃ النظامیہ، حیدر آباد

Marfat.com

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جتنا جس کا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

جس قدر عظمت آتی ہے انسان میں عاجزی آجاتی ہے:

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عاجزی انسان سے احساس برتری چھین لیتی ہے۔ انسان تمام تر طاقت اور اقتدار کے باوجود کسی کام کو حقیر نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے اوصاف سے صرف نظر کر کے دوسروں کے اوصاف بیان کرتا ہے۔ وہ اپنی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتا۔ مشاورت سے چلتا ہے۔ ہر کسی کا احترام کرتا ہے اور اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھتا۔ جس کو یہ فکر نصیب ہوگئی پس اس نے سیرت نبوی کے پیغام پر عمل پیرا ہونے کا شرف پایا۔

Marfat.com

صاحب خلق عظیم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اخلاق عالیہ اور اس کے مظاہر سیرت طیبہ کی روشنی میں

نٓ وَالْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ
بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾ وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ﴿۳﴾ وَ اِنَّكَ
لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ (القلم)

''ن، قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں۔ تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہو اور بے شک آپ کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے اور بے شک آپ اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں۔''

Marfat.com

خَلق میں انسان تھا لیکن خُلق میں قرآن تھا
وہ کہ سر تا پا جمال سورہ رحمان تھا
سطرِ خاتم تھا خدا کے آخری فرمان کی
سلکِ تسبیح رسل کا آخری مرجان تھا
مدحِ دانائے سبل، مولائے کل کیا کیجیے
خُلق پر جن کی شہادت آزما قرآن تھا

(خالد احمد)

Marfat.com

اخلاق کا لفظ خُلُق یا خُلْق کی جمع ہے جس کا لغوی معنی عادت، طبعی خصلت، طبیعت، مزاج یا فطرت ہے۔ اصطلاح میں اخلاق سے مراد حسن باطن یا اوصاف حمیدہ ہوتا ہے۔ جس طرح خَلْق کا لفظ حسن ظاہر کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح خُلُق کا لفظ حسن باطن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الخَلْق و الخُلُق فی الاصل واحد کالشَّرب والشُّرب والصَّرم والصُّرم لکن خص الخَلْق بالهیئات والاشکال والصور المدرکة بالبصر و خص الخُلُق بالقوی و السجایا المدرکة بالبصیرة۔ (1)

''خَلْق اور خُلُق دونوں کا مادہ ایک ہے جیسے شَرب اور شُرب، صَرم اور صُرم لیکن خَلْق کا لفظ ان ہیئتوں، شکلوں اور صورتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا ادراک ظاہری آنکھ سے کیا جاتا ہے اور خلق کا لفظ ان قوتوں اور خصلتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کا ادراک باطنی آنکھ سے کیا جاتا ہے۔''

چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہری اور باطنی حسن کا پیکر تمام بنایا تھا اس لیے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

فاق النّبیین فی خَلْق و فی خُلُق
ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری اور باطنی حسن میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت لے گئے اور کوئی علم و کرم میں آپ کے قریب بھی نہ پہنچ سکا۔''

اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تیری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

1۔ مفردات الفاظ القرآن، ص 159، مادہ خلق۔ امام راغب الاصفہانی دار الکاتب العربی

Marfat.com

امام فخر الدین رازی خلق کی حقیقت اور اس کے مظاہر پر بہت دقیق اور معنی خیز گفتگو فرمائی ہے۔ آپ حقیقت خلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الخُلق ملكة نفسانية يسهل على المتصف بها الاتيان بالأ فعال الجميلة و اعلم ان الاتيان بالافعال الجميلة غير وسهولة الا تيان بها غير فالحالة التى باعتبارها تحصل تلك السهولة هى الخُلق۔(1)

"خلق نفس کی اس استعداد کو کہا جاتا ہے کہ جو شخص اس سے متصف ہو اس کے لیے اچھے کاموں کا بجالانا آسان ہو جاتا ہے اور جان لیجیے کہ اچھے کاموں کا بجالانا اور چیز ہے اور انہیں آسانی سے بجالانا اور چیز ہے۔ پس جب اچھے کام آسانی سے سرانجام دیئے جانے لگیں تو اس وقت وہ خُلق کہلائیں گے۔"

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ جس انسان کو یہ ملکہ اور استعداد مل جائے کہ وہ اچھے کام بغیر کسی تردد اور ہچکچاہٹ کے بجالانے لگے تو اس شخص کو صاحب خُلق کہا جائے گا۔ مثلاً ایک انسان جب کوئی آواز سنتا ہے تو اس کے لیے اسے سوچنا نہیں پڑتا کہ وہ سنے یا نہ سنے اسے آواز سننے میں کسی تردد یا ہچکچاہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ بڑی سہولت اور بغیر کسی تردد کے وہ آواز سن لیتا ہے ایسے ہی جب کسی انسان کے اندر کا انسان اس طرح سنور جائے کہ وہ بغیر تردد کے غصہ پی جائے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے دشمن پر غلبہ پانے کے بعد اسے خدا کی رضا کے لیے معاف کر دے تو اسے صاحب اخلاق کہا جائے گا لیکن اگر دشمن کو معاف کرنے کیلئے اسے سوچ بچار سے کام لینا پڑے۔ وہ یہ سوچتا رہے کہ معاف کروں یا نہ کروں اور پھر بڑے بوجھل دل سے اس نے اسے معاف کر بھی دیا تو اس کا یہ کام ہے تو اچھا کام لیکن یہ اخلاق نہیں کہلائے گا کیونکہ اخلاف اچھے کاموں کو یوں سرانجام دینا ہوتا ہے کہ ان کے لیے انسان کو کسی تردد کی نوبت نہیں آتی۔

1۔ التفسیر الکبیر، ج 30، ص 81۔ امام فخر الدین رازی، مکتب الاعلام الاسلامیۃ

Marfat.com

اخلاق کا دائرہ

اخلاق کا دائرہ ہر اس کام تک وسیع ہے جو اچھے کام یا اوصاف حمیدہ میں شمار ہوتا ہے یعنی ہر اچھا کام اخلاق میں شامل ہے۔ اخلاق اپنانے سے مراد یہ ہے کہ انسان ہر اچھے کام کو اپنا لے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ویدخل فی حسن الخُلق التحرز من الشح والبخل و الغضب و التشدد فی المعاملات و التحبب الی الناس بالقول و الفعل و ترک التقاطع و الهجران الخ۔ (1)

''حسن خلق میں کنجوسی، بخل اور غصہ سے بچنا بھی شامل ہے اور معاملات میں تشدد سے پرہیز کرنا، قول اور فعل میں لوگوں سے محبت کا معاملہ کرنا، قطع تعلقی اور لوگوں کو چھوڑنے سے بچنا یہ سب چیزیں شامل ہیں۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اخلاق حسنہ کا دائرہ ہر اس چیز پر محیط ہے جسے حسن باطن یا اوصاف حمیدہ کہا جا سکتا ہے۔

اخلاق حسنہ اور تعلیمات نبوی

اگر یہ کہا جائے کہ بعثت نبوی کا مقصد ہی اخلاق حسنہ کی تکمیل تھا تو یہ بالکل بجا ہوگا کیونکہ اخلاق کا دائرہ جب ہر اچھے کام کو محیط ہے تو اس میں عبادات، معاملات اور حیات انسانی کے جملہ گوشے آ جائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ (2)

''مجھے صرف اس لیے مبعوث کیا گیا کہ میں اخلاقی کمالات کو پایہ تکمیل تک پہنچا دوں۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ جس بندے نے اخلاق حسنہ کو اپنا لیا اس نے تعلیمات نبوی کو اپنا لیا۔ حسن اخلاق سے مزین شخص کو بہترین شخص قرار دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

ان من خیارکم احسنکم اخلاقا۔ (3)

1۔ نفس مصدر، ج 30، ص 81

2۔ مسند البزار، ج 10، ص 364، مسند ابی حمزہ مکتبۃ العلوم، والحکم مدینہ

3۔ نفس مصدر، ج 5، ص 135۔ مسند ابی ہریرہ

Marfat.com

''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

ما شیء اثقل من میزان المومن من خلق حسن وان الله یبغض الفاحش البذئ۔(1)

''مومن کے میزان میں قیامت کے دن اچھے اخلاق سے بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی اور بے شک اللہ تعالیٰ فحش گو اور بد اخلاق شخص سے دشمنی رکھتا ہے۔''

غور فرمایئے کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھے اور جو اللہ تعالیٰ کا مبغوض ٹھہرے اسے کہاں پناہ ملے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

الا اخبرکم باحبکم الی و اقربکم منی مجلسا یوم القیامۃ۔ فاعادھا مرتین او ثلاثا قالوا نعم یا رسول اللہ قال احسنکم خلقا۔(2)

''کیا میں تمہیں اس شخص کے متعلق نہ بتاؤں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا؟ آپ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرمایئے تو آپ نے فرمایا: تم میں سے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔''

آپ نے کامل ترین ایمان والا اس شخص کو قرار دیا جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ آپ نے فرمایا

ان من اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا والطفھم باھلہ۔(3)

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج10، ص193۔ باب بیان مکارم الاخلاق، رقم الحدیث 21319

2۔ الترغیب والترہیب، ص505، امام عبدالقوی المنذری، باب الترغیب فی الخلق، رقم الحدیث 3919، دار ابن حزم، بیروت

3۔ سنن الترمذی، ج5، ص9۔ باب استکمال الایمان، رقم الحدیث 2612، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

''بے شک اہل ایمان میں کامل ترین ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور جو اپنے گھر والوں سے سب سے زیادہ نرمی کرنے والا ہو۔

یعنی جس شخص کا اخلاق جتنا اچھا ہوگا وہ اپنے اہل خانہ سے جتنی زیادہ نرمی کرنے والا ہوگا اس کا ایمان اتنا ہی زیادہ کامل ہوگا۔''

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا زعیم ببیت فی ربض الجنة لمن ترك المراء و ان كان محقا و ببیت فی وسط الجنة لمن ترك الكذب و ان كان مازحا و ببیت فی اعلى الجنة لمن حسن خلقه۔ (1)

''میں اس شخص کو جنت کے کنارے میں ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں جو جھگڑا ختم کرنے کے لیے اپنا حق چھوڑ دے۔ میں اس شخص کو جنت کے وسط میں ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں جو مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے اور میں اس شخص کو جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں جس نے اپنے اخلاق کو اچھا کر لیا۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین میں سے ان چند ارشادات سے واضح ہو رہا ہے کہ جس شخص کا اخلاق سنور گیا جو حسن اخلاق کی دولت گرانمایہ پا گیا وہی کامل ترین ایمان والا ہے۔ وہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب ہے۔ قیامت کے دن اسی کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، وہی شخص جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر محل پانے والا ہوگا اور جس شخص کا اخلاق ہی نہ سنورا وہ تو حقیقت دین سے کوسوں دور رہا۔ اگر وہ کچھ کرتا بھی رہا تو رسمیں ہی کرتا رہا لیکن ایمان کی حلاوتوں سے محروم ہی رہا۔

یہ ذکر نیم شبی میں مراقبے یہ سرور
تیری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
(اقبال)

1۔ شعب الایمان للبیہقی، ج6، ص242، رقم الحدیث 8018، باب السابع والخمسون، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

اخلاق حسنہ کے مظاہر اور سیرت طیبہ

انسان کا ظاہر اس کے باطن کا مظہر ہوتا ہے۔ جو بھی جذبات، خیالات اور احساسات اس کے دل میں ہوتے ہیں ان کا اظہار اس کے عمل اور رویہ ہوتا ہے اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ انسان اپنے خیالات اور افکار کے تابع ہوتا ہے۔

اخلاق حسنہ کا اچھا ہونا ایک آفاقی حقیقت ہے، کوئی بھی انسان یہ نہیں چاہتا کہ وہ اچھے اخلاق سے محروم ہو۔ برے اخلاق کے حامل ہونے کو تو کوئی شخص بھی پسند نہیں کرتا لیکن اگر کسی انسان کی عملی زندگی اخلاق حسنہ کے نور سے منور و تاباں نہ ہو تو محض اخلاق حسنہ ایک دعوی بے مقصد اور ایک کار عبث ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت کو اللہ تعالیٰ نے تمام اخلاق عالیہ کا مجموعہ تمام بنایا ہے۔ قرآن کریم جن اخلاق عالیہ کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام کا پیکر کامل ہیں اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

کان خلقه القرآن۔(1)

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلق قرآن تھا''۔

یعنی قرآن کریم میں جن اخلاق حسنہ کی تعلیم دی گئی آپ کی ذات گرامی اس کا پیکر تمام تھی۔ قرآن کریم کتابی شکل میں قرآن ہے اور آپ کی ذات اقدس عملی قرآن تھی۔

نظر والوں کو آتی ہے نظر ہر آیہ قرآن
تمہارے مصحف رخ کا قصیدہ یا رسول اللہ

اسی تناظر میں بعض عارفین فرماتے ہیں کہ جس طرح قرآن کریم میں بعض آیات متشابہ ہیں جن پر ہمارا ایمان تو ہے لیکن ہم ان کی تاویل نہیں جانتے ایسے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے بعض مقامات ایسے ہیں جن کی حقیقت تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج4، ص148، رقم الحدیث 26601، موسسۃ الرسالہ

Marfat.com

صاحب عوارف المعارف فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان کہ (کان خلقه القرآن) میں بڑی گہری رمز ہے اور اس میں اخلاق ربانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس قول سے آپ کی مراد یہ تھی

کان متخلقا باخلاق الله تعالیٰ فعبرت عن المعنی بقولها (کان خلقه القرآن) استحیا من سبحات الجلال و سترا للحال بلطف المقال و هذا من وفور عقلها و کمال ادبها۔ (1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف تھے اور اس معنی کو آپ نے اس طرح ادا فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن تھا۔ یہ عظمت باری تعالیٰ کے سبب اور کیفیات کو پردہ اخفا میں رکھنے کے سبب کیا۔ یہ آپ کی عقل و دانش کی انتہا اور ادب کا نقطہ کمال ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی ہی اخلاق عالیہ کا مظہر اتم تھی۔ اگرچہ اخلاق کا دائرہ ہر اچھائی اور خوبی کو محیط ہے تاہم آپ کے اخلاق حسنہ کے مظاہر میں سے چند اہم چیزیں بیان کی جاتی ہیں جنہیں اپنائے بغیر کوئی انسان اپنی شخصیت کی تکمیل نہیں کر سکتا جو چاہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ کو اپنانے کا شرف حاصل کرے۔ اسے چاہیے کہ وہ ان چیزوں کو حضرِ راہ بنائے۔

عفو و درگزر

دشمن سے انتقام نہ لینا اور اس پر غلبہ پانے کے بعد اسے معاف کر دینا یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا ایک اہم پہلو ہے۔ چونکہ انتقام لینے والا اپنے نفس کے آگے جھک رہا ہوتا ہے اور معاف کرنے والا اپنے نفس پر غلبہ پا کے اپنے رب کے آگے جھک رہا ہے اور غلبہ پانے کے بعد اسے معاف کر کے گویا اپنے غلبہ کی زکوٰۃ دے رہا ہوتا ہے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عفو و درگزر بہت پسند تھا۔ آپ نے فرمایا:

من كظم غيظا وهو يقدر على انفاذه ملاء الله قلبه امنا و ايمانا۔ (2)

1۔ المواہب اللدنیہ، ج 2، ص 84، الشیخ احمد بن محمد القسطلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ الاحاد والمثانی، ج 4، ص 478، رقم الحدیث 2649، احمد بن عمرو الضحاک، دار الرایۃ، الریاض

Marfat.com

''جو انسان اپنا غصہ نکالنے پر قادر ہو پھر وہ (اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے) اپنا غصہ پی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دیتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا۔ آپ کے اخلاق کا ایک مظہر یہ تھا:

والا انتم لنفسه من شیء الا ان تنتهك حرمات الله فيكون لله ينتقم۔ (1)

''آپ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کو پامال کیا جائے تو تب آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔ آپ کی پوری زندگی اس پر شاہد ہے کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا اور عفو و درگزر سے کام لیا۔

غزوہ احد کے موقع پر جب آپ کا چہرہ مقدس زخمی ہو گیا۔ خون آپ کے روئے زیبا پہ بہنے لگا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہ بہت دکھ اور کرب کا موقع تھا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کاش آپ ان کے برباد ہونے کی دعا فرما دیتے تو آپ نے فرمایا

انی لم ابعث لعانا ولکنی بعثت داعیا و رحمة اللهم اغفر لقومی او اهد قومی فانهم لا یعلمون۔ (2)

''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے داعی اور رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اے اللہ! میری قوم کو بخش دے یا آپ نے عرض کیا: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے دے کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں۔''

لیکن غزوہ خندق کے موقع پر دشمنوں سے دفاع کرتے وقت آپ کی نماز عصر قضا ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

اللهم املاء بطونهم نارا جسونا عن الصلوة الوسطی۔ (3)

''اے اللہ! ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے جنہوں نے ہمیں نماز عصر نہیں پڑھنے

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 41، ص 450، موسسۃ الرسالہ، رقم الحدیث 48985

2۔ الشفا، ج 1، ص 73، القاضی ابوالفضل عیاض، باب الحلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

3۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 2، ص 436، رقم الحدیث 1314، موسسہ الرسالہ

Marfat.com

دی۔"

آپ نے جب بھی انتقام لیا حدود الٰہی کی پامالی پر لیا۔ اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا۔ مکہ والوں نے آپ کی ذات اقدس اور دیگر اہل اسلام پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھائے تھے۔ انہیں مختلف طریقوں سے جبر اور تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ وہی مکہ والے فتح مکہ کے دن خوف اور بے قراری کی حالت میں آپ کے حکم کے منتظر تھے۔ آپ ان کے ظلم وستم اور جبر وتشدد کا ذکر تک اپنی زبان مبارک پر نہیں لائے۔ جب وہ خوف وہراس کے عالم میں گردنیں جھکائے آپ کے حکم کے منتظر تھے تو آپ نے ان سے پوچھا: اے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے، میں تم سے کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا:

انت کریم و ابن اخ کریم

"آپ کریم ہیں اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں"۔ آپ نے فرمایا: میں آپ سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

اذھبوا فانتم الطلقاء۔ (1)

"جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

اگر آپ اپنی ذات کے لیے انتقام لیتے تو اس موقع پر انہیں معاف نہ کیا جاتا بلکہ نشان عبرت بنا دیا جاتا جب آپ نے عفو عام کا یہ اعلان فرمایا تو ان کی گردنیں تو آزاد ہو گئیں لیکن ان کے دل آپ کے جمال کے قیدی ہو گئے اور انہوں نے کئی نسلوں سے اپنایا ہوا شرک چھوڑا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

کچھ ان کے خلق نے کر لی کچھ ان کے پیار نے کر لی
مسخر اس طرح دنیا شہہ ابرار نے کر لی

حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں:

غزوۂ انمار میں ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ کی خبر سن کر وہ بدو پہاڑوں

1۔ سیرۃ ابن ہشام، ج 2، 411، طواف الرسول بالبیت، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

پر چلے گئے۔ غطفان نے ان کے سردار دعثور بن حارث سے کہا کہ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب سے الگ ہیں پھر تمہیں ایسا موقع نہ ملے گا۔ وہ تیز تلوار لیکر آیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہوئے دیکھا۔ وہ تلوار کھینچ کر آپ کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ آپ بیدار ہوئے تو کہنے لگا

من یمنعک منی

آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔

آپ نے فرمایا:

اللہ۔

جبرئیل امین نے اسے دور ہٹا دیا وہ گر پڑا۔ آپ نے تلوار پکڑ کر فرمایا۔ اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ لرزاں و ترساں کھڑا تھا۔ آپ نے اسے معاف فرما دیا۔ آپ کے اس حسن خلق سے متاثر ہو کر وہ مشرف باسلام ہو گیا۔(1)

جب آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابوالعاص نے مدینہ منورہ بھیجا تو راستے میں قریش کے چند لوگ مزاحم ہوئے۔ ان میں سے ایک ہبار بن اسود بھی تھا۔ اس نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اونٹ سے گرا دیا۔ آپ حاملہ تھیں۔ پتھر پر گریں اور حمل ساقط ہو گیا۔ وہ زخمی بھی ہوئیں اور بعد میں اسی زخم سے جاں بحق ہو گئیں۔

مکہ فتح ہوا تو یہ شخص ان لوگوں میں تھا جنہیں واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔ وہ مکہ سے بھاگا اور ایران جانا چاہتا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کے پاس سے بھاگ کر شہروں شہروں پھرتا رہا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں ایران چلا جاؤں پھر مجھے آپ کا کرم، صلہ رحمی اور عفو و درگزر یاد آ گئے۔ مجھے اپنی خطا اور غلطی کا اعتراف ہے۔ آپ

1۔ نفس مصدر، ج 2، ص 482

Marfat.com

مجھے معاف فرما دیں۔ آپ نے اسے کوئی سزا نہیں دی اور فرمایا۔ جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔(1)

جس شخص نے کسی کی بیٹی پہ اس طرح ظلم وستم کیا ہو اسے معاف کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ میرے رسول کریم ﷺ کی شان عفوو کرم ہے کہ آپ نے اسے بھی معاف فرما دیا۔

ان چند مثالوں سے بخوبی نمایاں ہو رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے مظاہر اخلاق میں سے ایک عفوو کرم ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی بھی انتقام نہیں لیا۔ بلکہ ہمیشہ عفوو درگزر سے کام لیا۔

(ii) ماتحت لوگوں سے حسن سلوک

عموماً انسان جب اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے معاملہ کرتا ہے تو اخلاقی قدروں کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے کیونکہ وہ ان سے معاملہ کرتے ہوئے اپنے میں کوئی بھی چیز ان سے زائد نہیں پا رہا ہوتا لیکن جب وہ اپنے ماتحت لوگوں سے معاملہ کرتا ہے تو اس کی انانیت اور رعونت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ وہ تمام اخلاقی اقدار کو پامال کر دیتا ہے۔ وہ نہ ان کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے نہ ان کی عزت نفس کی۔ وہ انہیں ایک اپنے جیسا انسان نہیں کوئی دوسری مخلوق سمجھ کر ان سے معاملہ کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جن اخلاق عالیہ کی تعلیم دی ہے ان کا ایک اہم گوشہ یہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ اپنے ماتحت لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا نہ صرف حکم دیا بلکہ ان کی عزت نفس اور وقار کا بھی پورا پورا خیال رکھا ہے۔ اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے معاملہ کرنا تو تجارت کی نوعیت کی ایک چیز بن جاتا ہے لیکن اپنے غلاموں، نوکروں اور ماتحت لوگوں سے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے معاملہ کرنا کسی انسان کے اخلاق عالیہ کے حامل ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔

1۔ السیرۃ الحلبیہ، ج 3، ص 39، علی بن برہان الدین الحلبی، دار المعرفہ

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشر سنین فما قال لی اف قط و ما قال لی شیء صنعته لم صنعته؟ ولا لشیء ترکته لم ترکته؟ و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من احسن الناس خلقا و لا مست خزا قط ولا حریرا قط ولا شیء الین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا شممت مسکا قط ولا عطرا کان اطیب من عرق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (1)

''میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ آپ نے مجھے کبھی اف تک نہیں فرمایا۔ میں نے جو کام کیا۔ آپ نے مجھے کبھی نہیں فرمایا، کیوں کیا؟ اور جو کام نہیں کیا آپ نے مجھے کبھی نہیں فرمایا کیوں نہیں کیا؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق کے اعتبار سے بھی تمام لوگوں سے اچھے تھے۔ میں نے کبھی کوئی اونی یا ریشمی کپڑا نہیں چھوا اور نہ ہی کوئی اور ایسی چیز دیکھی جو آپ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ ہی میں نے کوئی کستوری اور عطر سونگھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ معطر ہو۔''

اگر کوئی شخص اپنے ماتحت لوگوں کو اپنے اور ان لوگوں کے معاملہ کو اپنی نسبت سے دیکھتا ہے تو اس میں غرور و تکبر پیدا ہوتا ہے اور جب وہ اپنے اور ان کے معاملہ کو اللہ کی نسبت سے دیکھتا ہے تو اس میں اخلاقی اقدار پیدا ہوتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ماتحت لوگوں کے معاملہ کو اپنی نسبت سے نہیں اللہ تعالیٰ کی نسبت سے دیکھنے کا شعور اجاگر کیا تاکہ انسان میں اخلاقی اقدار پروان چڑھیں۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں کسی بات پر اپنے غلام سے ناراض ہو گیا اور اسے درے سے پیٹنے لگا۔ اتنے میں میرے پیچھے سے آواز آئی۔ ''اے ابو مسعود! جان لو مگر میں شدید غصہ کی حالت میں ہونے کی وجہ سے آواز پہچان نہ سکا جب آواز دینے والا میرے قریب آ گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ فرما رہے تھے۔''

1۔ الشمائل المحمدیہ، ص 141، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، دار ابن حزم، بیروت

Marfat.com

اعلم ابا مسعود ان الله اقدر علیك منك علی هذا الغلام

"اے ابو مسعود! جان لو جتنا تمہیں اس غلام پر قابو حاصل ہے اس سے زیادہ قابو تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ سن کر کوڑا میرے ہاتھ سے گر گیا۔ میں نے کہا: اب میں کبھی بھی اس غلام کو نہیں ماروں گا۔ میں اس غلام کو اللہ کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا"

اما انه لولم تفعل لمستك النار۔(1)

"ہاں! اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں آگ چھو لیتی۔"

اندازہ کیجیے کہ نبی کریم ﷺ اپنے ماتحتوں سے کیسا سلوک کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ آپ نے تاکید فرمائی کہ اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور انہیں وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ہم خادم کو ایک دن میں کتنی بار معاف کر دیا کریں۔ آپ ﷺ خاموش رہے اس نے دوسری بار پوچھا۔ آپ خاموش رہے اس نے پھر یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

اعفوا عنه فی کل یوم سبعین مرة۔(2)

"اسے ہر روز ستر مرتبہ معاف کر دیا کرو"۔

آپ نے غلاموں کے متعلق فرمایا:

اخوانکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن کان اخوه تحت یدیه فلیطعمه مما یاکل ولیکسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه فان کلفه ما یغلبه فلیعنه۔(3)

"وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ تو جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو اسے چاہیے کہ جو خود کھاتا ہے اسے بھی وہی کھلائے جو خود پہنتا ہے اسے بھی پہنائے۔ اس سے اس کی طاقت سے زیادہ کوئی کام نہ کروائے۔ اگر اسے کوئی ایسا

1۔ جامع الاصول، ج 8، ص 56، ابو السعادات الجزری، رقم الحدیث 5896، مکتبہ دار البیان
2۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 504، باب فی حق المملوک، رقم الحدیث 5166۔ وزارۃ الاوقاف المصریہ
3۔ نفس مصدر، ج 4، ص 505، رقم الحدیث 5160

Marfat.com

کام کہہ دے تو خود بھی اس کی مدد کرے۔''

رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا میں نے کہا: خدا کی قسم! میں وہاں نہیں جاؤں گا اور میرے دل میں یہ تھا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے تو میں وہاں جاؤں گا۔ میں اس کام کے لیے نکلا۔ بازار میں کچھ بچے کھیل رہے تھے میں وہاں کھڑا ہو گیا۔ پس رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے۔ آپ نے (پیار سے) مجھے گدی سے پکڑا تو میں نے دیکھا

وھو یضحک فقال یا انیس اذھب حیث امرتک قلت نعم انا اذھب یا رسول اللہ۔(1)

''آپ مسکرا رہے تھے اور مجھے فرمایا، اے انیس! جہاں میں نے کہا ہے وہاں وہاں چلا جا۔ میں نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ! میں جاتا ہوں''۔

اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ماتحت لوگوں سے کیسا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ کو ان لوگوں کی بہتری اور ان سے حسن اخلاق اس قدر محبوب تھا کہ آپ نے جانکنی کے عالم میں بھی نماز کے ساتھ اسی چیز کی تلقین فرمائی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس مرض میں آپ کا وصال ہوا اس میں آپ آخری دم تک یہی فرماتے رہے۔

الصلوٰۃ و ما ملکت ایمانکم۔(2)

''اے لوگو! نماز کا خیال رکھنا اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔

سیرت طیبہ کے اس پہلو سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ کے اخلاق حسنہ کا ایک گوشہ اپنے ماتحت لوگوں سے مروت اور اخلاق سے پیش آنا ہے۔

مروت و مدارات کا التزام

نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ کا ایک مظہر مروت و مدارات کا التزام ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو کسی بھی ذی روح سے کوئی معاملہ کرتے ہوئے اخلاقی قدروں کو پامال

1۔ نفس مصدر، ج4، ص390، باب فی الحلم واخلاق النبی ﷺ، رقم الحدیث 4875

2۔ سنن ابن ماجہ، ج1، ص519، باب ماجاء فی ذکر مرض رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث 1225، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

نہیں کرنا چاہیے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی ذی رو یہاں تک کہ کسی انتہائی برے انسان اور اپنے دشمن سے بھی معاملہ کرتے ہوئے اخلاقی اقدار کی بھرپور رعایت فرماتے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی انسان کی کسی انسان سے دشمنی ہے اور دشمنی میں نوبت قتل و غارت تک جا پہنچتی ہے تو اس معاملہ کی قباحت اپنی جگہ پر لیکن اختلاف اور دشمنی میں بھی اخلاقی حدود کی پابندی کرنی چاہیے۔

تعلق توڑ دینے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں
کسی کو چھوڑ دینے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں

انسان تو آخر انسان ہوتا ہے وہ تمام تر اختلافات کے باوجود بحیثیت انسان قابل احترام ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو جانوروں کے معاملہ میں بھی اخلاقی اقدار کی پاسبانی کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة و اذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة ولیحد احد کم شفرتہ ولیرح ذبیحتہ۔(1)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر معاملہ میں حسن سلوک کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ اگر تم کسی کو قتل کرو تو قتل میں بھی احسان کو ملحوظ خاطر رکھو اور اگر جانور کو ذبح کرو تو اسے عمدگی سے ذبح کرو اور تم میں سے کوئی بھی ہو ذبح کرنے سے پہلے اپنی چھری کو تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر نوبت قتل تک بھی پہنچ جائے تو قتل کا حسن و قبح اپنی جگہ پر۔ اس موقع پر بھی مروت سے کام لینا چاہیے کہ اسے وار کر کے قتل کردو۔ ایسا نہ ہو کہ پہلے اس کے ہاتھ کاٹو پھر پاؤں اور اسے تڑپا تڑپا کے مارو۔ اور یہ بھی نہ ہو کہ کسی کو اس کے بچوں کے سامنے لا کر قتل کیا جائے۔ یہ تمام چیزیں مروت کے خلاف ہیں۔

1۔ سنن النسائی، ج 7، ص 227، باب الامر باحداد الشفرۃ، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ، حلب

Marfat.com

قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے
دستار کے ہوتے ہوئے سر کاٹ رہا ہے

جانور کو ذبح کرنا ہو تو کند چھری سے ذبح نہ کرو تا کہ اسے زیادہ تکلیف نہ ہو۔ چھری تیز ہو جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کیا جائے اور ذبح کرنے سے پہلے پانی پلایا جائے۔ یہ تمام چیزیں مروت میں شمار ہوتی ہیں اور رسول کریم ﷺ نے مروت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو ایک بکری کی گردن پر پاؤں رکھے اپنی چھری تیز کر رہا تھا اور وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آپ صلی ﷺ نے اس سے فرمایا:

افلا قبل ھذا؟ او ترید ان تمیتھا موتتین۔ (1)

''تو نے یہ کام پہلے کیوں نہ کر لیا کیا تو اسے دو مرتبہ مارنا چاہتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا کیونکہ مقتول کا مثلہ کرنا مروت اور اخلاقی اقدار کا قتل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من مثل بذی روح ثم لم یتب مثل اللہ بہ یوم القیامۃ۔ (2)

''جس نے کسی ذی روح کا مثلہ کیا۔ پھر اس نے توبہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا مثلہ کر دے گا۔''

رسول کریم ﷺ نے مدارات کی تلقین فرمائی لیکن مداہنت سے منع فرمایا۔ مدارات سے مراد یہ ہے کہ انسان باطل کے لیے ایسی نرمی نہ دکھائے کہ وہ حق سے انحراف کر لے یعنی حق کے ساتھ مکمل وابستگی رکھتے ہوئے اخلاقی حدود کی پاسداری مدارات کہلاتی ہے اور باطل سے ایسی نرمی کہ انسان باطل کو خوش کرنے کے لیے حق سے انحراف کر لے مداہنت کہلاتا ہے۔

1۔ کنز العمال، ج 6، ص 265، علاؤ الدین علی بن حسام الدین، رقم الحدیث 15628، موسسۃ الرسالہ
2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، 9، صفحہ 474، رقم الحدیث 5661

Marfat.com

کسی کو بھوکا پیاسا رکھ کے اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کے اسے قتل کرنا مدارات کے خلاف ہے اور حضور اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ مدارات کی تعلیم دیتے ہیں کہ دشمنی بھی اخلاقی حدود و قیود کی پابند ہونی چاہیے۔

حضور اکرم ﷺ اس قدر مروت و مدارات کی تلقین فرماتے تھے اور انسان کی عزت نفس کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

کان النبی ﷺ اذا بلغه عن الرجل شیء لم یقل ما بال فلاں یقول و لکن یقول ما بال اقوام یقولون کذا و کذا۔(1)

''جب رسول کریم ﷺ کے پاس کسی شخص کی کوئی شکایت پہنچتی تو آپ یہ کبھی نہیں فرماتے تھے کہ فلاں شخص کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے ایسا کہا ہے بلکہ آپ فرماتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس اس طرح کہتے ہیں۔''

آپ ﷺ کا یہ طرز عمل مروت و مدارات کی اعلیٰ ترین صورت کا مظہر ہے کہ آپ نے کسی شخص کا نام نہ لے کر اس کی عزت نفس کو بھی ملحوظ خاطر رکھا اور عمومی انداز میں بات کر کے اس کی اصلاح بھی فرما دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی اور میں بھی حضور اکرم ﷺ کے پاس موجود تھی۔ آپ نے فرمایا: یہ اپنے قبیلے کا بہت بڑا آدمی ہے۔ پھر اسے اجازت مرحمت فرمائی۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے بہت نرمی سے گفتگو فرمائی۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے تو اس اس طرح فرمایا تھا اور پھر آپ نے اس سے اس طرح نرمی اور ملائمت سے گفتگو فرمائی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

یا عائشة ان من شر الناس من ترکه الناس او و دعه الناس اتقاء فحشه۔(2)

1۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 397، باب فی حسن العشرہ، رقم الحدیث 4890، دار الکتاب العربی، بیروت

2۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 359، باب الاقتصاد فی الحب والبغض، رقم الحدیث 1996، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

''اے عائشہ رضی اللہ عنہا بے شک لوگوں میں سے سب سے برا شخص وہ ہے کہ لوگ جس کی فحش کلامی کی وجہ سے اس سے بات کرنا ترک کر دیں۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ایک برے انسان کی تمام برائیاں جانتے ہوئے اور اس سے تمام تر اختلاف کے باوجود بھی اس سے مروت اور شائستگی سے گفتگو کرنا اخلاق نبوی کا ایک اہم پیغام ہے۔ انسان مداہنت سے کام نہ لے لیکن مروت و مدارات کا دامن کبھی نہ چھوڑے۔ یہی پیغام سیرت ہے۔

(ii) صلہ رحمی اور تعلق جوڑنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا ایک مظہر صلہ رحمی کرنا اور تعلق جوڑنا ہے۔ صلہ رحمی سے مراد تو رشتوں کو ٹوٹنے سے بچانا اور ان کے درمیان تعلقات کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا ہے اور یہ لفظ اپنے توسیعی مفہوم میں رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک بہت قابل تعریف عمل ہے۔ قرآن وسنت میں اس کی بہت زیادہ تاکید اور تحسین کی گئی ہے لیکن تعلق جوڑنے سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپ سے تعلق جوڑنا بھی چاہے تو آپ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ اس طرح کریں کہ وہ تعلق ٹوٹنے سے بچ جائے۔ تعلق توڑنے والے سے تعلق جوڑنا اور اس میں اپنی انا کو رکاوٹ نہ بننے دینا یہ بھی اعلیٰ اخلاق کا مظہر ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صرف اسی کے ساتھ تعلقات مستحکم نہیں فرماتے تھے جو آپ سے تعلقات مستحکم کرنا چاہتا تھا بلکہ جو شخص آپ سے تعلق توڑنا چاہتا آپ اس سے معاملہ کرتے ہوئے بھی اس اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ فرماتے کہ وہ تعلق ٹوٹنے سے بچ جاتا ہے اور نفرتوں کی بجائے محبتیں پروان چڑھتی ہیں۔ اگر کوئی شخص تعلقات قائم رکھنا چاہے تو اس سے تعلق قائم رکھنا کوئی مشکل نہیں ہوتا یہ تو ایک طرح کی تجارت ہے کہ جوڑنے کے جواب میں جوڑنا اور توڑنے کے جواب میں توڑنا لیکن توڑنے کے جواب میں جوڑنا اخلاق حسنہ کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہیں

Marfat.com

اخلاق عالیہ کا پیکر بنایا ہے۔ عام شخص تو تعلق توڑنے والے سے تعلق جوڑنے کا پابند نہیں ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جن آداب کی تعلیم دی ہے ان کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ خیر کے جواب بھی خیر اور شر کے جواب میں بھی خیر۔ جوڑنے والے سے بھی جوڑنا اور توڑنے والے سے بھی جوڑنا۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

امرنی ربی بتسع خشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ و کلمۃ العدل فی الغضب والرضا و القصد فی الفقر والغناء و ان اصل من قطعنی واعطی من حرمنی و اعفو عمن ظلمنی و ان یکون صمتی فکرا و نطقی ذکرا و نظری عبرۃ۔ (1)

''میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔ مخفی اور علانیہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا۔ غصہ میں ہوں یا خوشی میں ہمیشہ انصاف کی بات کہوں۔ غربت اور امیری دونوں حالتوں میں اعتدال پر قائم رہوں، جو مجھ سے تعلق توڑے میں اس سے تعلق جوڑوں، جو مجھے نہ دے میں اسے دوں، جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کردوں۔ میری خاموشی فکر پر مبنی ہو میرا بولنا یاد الٰہی کا بولنا ہو اور میرا دیکھنا عبرت کا دیکھنا ہو۔''

یہ حدیث پاک حضور اکرم ﷺ کے طرز زندگی اور آپ کے اخلاق عالیہ کو سمجھنے کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تعلق توڑنے والے سے تعلق جوڑنا یہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کیونکہ جوڑنے والے کو جوڑنا کوئی کمال نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا۔ (2)

''بدلے میں جوڑنے والا، جوڑنے والا نہیں ہوتا۔ اصل میں جوڑنے والا وہ ہوتا ہے کہ جب اس سے قطع تعلق کی جائے تو وہ پھر بھی تعلق جوڑے۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1۔ جامع الاصول، ج 11، ص 687، رقم الحدیث 9317، مکتبہ دار البیان

2۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 7، ص 27، رقم الحدیث 13599، باب الرجل یقسم الخ مجلس دائرۃ النظامیہ، حیدر آباد

Marfat.com

لا تكونوا امعة، تقولون ان احسن الناس احسنا و ان ظلموا اظلمنا ولكن وطنوا انفسكم ان احسن الناس ان تحسنوا و ان اساء وا ان لا تظلموا۔ (1)

''کمزور رائے والے نہ ہو جاؤ کہ تم کہو اگر لوگ ہم سے اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی ان سے اچھا سلوک کریں گے اور اگر وہ ہم پر ظلم کریں گے تو ہم بھی ان پر ظلم کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس چیز کا عادی بناؤ کہ تم یہ سوچو کہ اگر لوگ ہم سے اچھا سلوک کریں گے تو تم بھی ان سے اچھا سلوک کرو گے اور اگر لوگ تم سے زیادتی کریں تب بھی تم ان پر ظلم نہیں کرو گے۔''

یعنی تعلقات جوڑنے میں تجارت نہیں یکطرفہ خیر خواہی کا مظاہرہ کرنا ہوگا جو راستے میں پھول بچھائے اس کی راہ میں بھی پھول بچھانا اور جو کانٹے بچھاتا ہے اس کی راہ میں بھی پھول بچھانا جس شخص کو یہ فکر مل گئی اسے اخلاق نبوی کے انوار نصیب ہو گئے۔

یہ ایک ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اپنانے والے کی عمر میں بھی برکت دے دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من احب ان يبسط له في رزقه وينسا له في اثره فليصل رحمه۔ (2)

''جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو اور اس کی عمر دراز ہو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سب سے افضل عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ان افضل الفضائل ان تحصل من قطعك و تعطي من حرمك و تصفح عمن شتمك۔ (3)

''بے شک فضیلت والے کاموں میں سب سے زیادہ فضیلت والا کام یہ ہے کہ تو اس شخص سے تعلق جوڑے جو تجھ سے تعلق توڑے۔ تو اسے عطا کرے جو تجھے محروم کرے اور تو

1۔ سنن الترمذی، ج4، ص363، باب الاحسان والعفو۔ رقم الحدیث 2007، دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ صحیح المسلم، باب صلۃ الرحم، رقم الحدیث 6400

3۔ المعجم الکبیر، ج20، ص188، رقم الحدیث 413، مکتبۃ العلوم والحکم الموصل

Marfat.com

اسے معاف کرے جو تجھے دشنام طرازی کرے۔"

تعلق توڑنا رسول اللہ ﷺ کو سخت ناپسند تھا۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ نے فرمایا: آج کوئی قطع تعلقی کرنے والا ہمارے پاس نہ بیٹھے تو ایک نوجوان اس مجلس سے اٹھا۔ اس کا اپنی خالہ کے ساتھ کسی بات پہ جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس نے اس سے معذرت کی اور پھر وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

ان الرحمة لا تنزل علی قوم فیھم قاطع رحم۔(1)

"بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قوم پر نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع تعلقی کرنے والا موجود ہو۔"

تعلق جوڑنے والا دوسرے کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے اور اس سے تعلق نہ توڑنے کی استدعا کر رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ اپنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کر کے رحمت الٰہی کا مستحق بھی بن رہا ہوتا ہے اور اس پر اخلاقی برتری پانے کا ثبوت بھی دے رہا ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے بعض رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔ میں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں۔ میں ان سے بردباری سے پیش آتا ہوں وہ میرے ساتھ جہالت آمیز سلوک کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی بات سن کر فرمایا:

لئن کنت کما قلت کانما تسقھم المل ولا یزال معك من اللہ ظھیر علیھم ما دمت علی ذالك۔(2)

1۔ شعب الایمان، ج6، ص223۔ رقم الحدیث 7590، دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ صحیح المسلم، باب البر والصلۃ، رقم الحدیث 6402

Marfat.com

''اگر بات ایسے ہی ہے جیسے تم نے کہی تو تم انہیں جلتی ہوئی راکھ کھلا رہے ہو اور جب تک تم ایسا ہی کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں تمہارا ایک مددگار رہے گا۔''

حضرت ابوالاحوص کے والد گرامی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا میرے معاملہ پر غور فرمایئے۔ میرا ایک چچازاد بھائی ہے۔ میں اس کے پاس جاتا ہوں اس سے کوئی چیز مانگتا ہوں وہ نہ مجھے کوئی چیز دیتا ہے نہ میرے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے پھر اسے مجھ سے کوئی کام پڑ جاتا ہے تو وہ آ کر مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے میں نے قسم کھائی ہے میں اسے کچھ نہیں دوں گا اور نہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں گا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ

ان آتی الذی ھو خیر أکفر عن یمنی۔ (1)

''میں اس کے ساتھ وہ کام کروں جو اچھا ہے (یعنی اس سے صلہ رحمی کروں)'' اور قسم کا کفارہ ادا کروں''۔

تعلق جوڑنے کا یہ وصف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا اتنا روشن پہلو ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے حوالہ سے آپ سے مخاطب بھی ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم کوئی گزارش لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا:

یارسول اللہ انت ابر الناس و اوصل الناس

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ لوگوں میں سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں''۔

جب ام حکیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ہو کر گئیں تو اپنے خاوند سے:

جئتک من عند اوصل الناس و ابر الناس۔ (2)

''میں آپ کے پاس سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے زیادہ نیکی

1۔ سنن النسائی، ج 7، ص 11۔ رقم الحدیث 3788، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب

2۔ المستدرک، ج 3، ص 269، امام حاکم، رقم الحدیث 5055، دارالکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

کرنے والے کے پاس سے ہو کر آئی ہوں۔''

آپ نے پوری زندگی گالیوں کے جواب میں دعائیں دیں۔ تعلق توڑنے والوں سے تعلق جوڑا۔ جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے جن اوصاف کو آپ کی صداقت کے طور پر پیش فرمایا اس میں ایک آپ کا تعلق جوڑنا بھی تھا۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ وصف نزول وحی سے پہلے بھی آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا:

کلا ابشر فواللہ لا یخزیك اللہ ابدا فواللہ انك لتصل الرحم و تصدق الحدیث و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق۔ (1)

''ہرگز نہیں (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' آپ کو مبارک ہو اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو بے آبرو نہیں ہونے دے گا۔ بخدا! آپ تعلق جوڑتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں ناداروں کو مال عطا کرتے ہیں۔ مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں اور راہ حق میں پیش آنے والے مصائب پر مدد فرماتے ہیں۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ کے اخلاق حسنہ کا ایک پہلو تعلق جوڑنا بھی ہے۔

(7) یک طرفہ خیر خواہی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا ایک پہلو یک طرفہ خیر خواہی بھی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خیر خواہی صرف اسی سے نہ کی جائے جو آپ کا خیر خواہ ہو اور اس کی خیر نہ چاہی جائے جو آپ کی خیر نہ چاہے بلکہ جو آپ کا خیر خواہ ہو اس کی بھی خیر چاہی جائے اور جو آپ کا بدخواہ ہو اس کی بھی خیر چاہی جائے۔ خیر خواہی سوداگری یا تجارت نہیں ہے کہ جس کا اظہار یوں کیا جائے کہ

وفا کرو گے وفا کریں گے ستم کرو گے ستم کریں گے
کہ ہم بھی انساں ہیں آپ جیسے جو تم کرو گے وہ ہم کریں گے

1۔ صحیح البخاری، ج3، ص96۔ رقم الحدیث 2297، باب جوار ابی بکر الخ، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

بلکہ یک طرفہ خیر خواہی سے مراد یہ ہے کہ جو آپ کو دعائیں دیں آپ انہیں بھی دعائیں دیں اور جو آپ کو گالیاں دے آپ انہیں بھی دعائیں دیں کیونکہ خیر خواہی کوئی تجارت نہیں اخلاق حسنہ کی پکار ہے جیسے ایک پیاسا ہر حال میں پانی پیتا ہے۔ ایسے ہی اخلاق حسنہ کا مالک ہر حال میں دوسروں کا خیر خواہ ہوتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جن اخلاق عالیہ کا پیکر تمام بنایا ہے ان کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آپ ہر حال میں یک طرفہ خیر خواہی کا معاملہ فرماتے تھے جو آپ کے لیے خیر خواہ تھے آپ ان کی بھی خیر خواہی چاہتے تھے اور جو آپ کے خون کے پیاسے تھے آپ ان کی ہدایت کے لیے بھی تڑپتے رہتے تھے جیسا کہ ابھی حدیث پاک گزری ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے معاف کر دوں جو مجھ پر ظلم کرے اور اسے بھی دوں جو مجھے محروم کرے۔ الخ

قریش مکہ اس وقت تک آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے جب تک آپ نے نبوت کا اعلان نہیں فرمایا۔ جب تک آپ نے انہیں اسلام کی دعوت نہیں دی وہ آپ کو صادق اور امین کہتے رہے، آپ کی پاکباز شخصیت کو ایک آئیڈیل نوجوان کے طور پر پیش کرتے رہے اور آپ کی عفت و پاکدامنی کے گن گاتے رہے لیکن جونہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں توحید کی دعوت دی تو ان کے لیے اپنے رسم و رواج کو چھوڑنا، آبا پرستی کے خول سے باہر آنا اور اپنے مفادات کو حق کے لیے قربان کرنا بہت ہی مشکل تھا اس لیے انہوں نے نہ صرف آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ آپ کے شدید ترین دشمن ہو گئے اور ان کا تعصب اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ تباہ و برباد ہونا تو قبول کر سکتے تھے لیکن آپ کی دعوت کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔

قرآن کریم نے ان کے تعصب اور عناد کو یوں بیان کیا کہ ایک مرتبہ انہوں نے غلاف کعبہ کو تھام کے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

Marfat.com

اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۝ (انفال:32)

''اے اللہ! اگر یہی تیرے ہاں حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر بغض اور عناد تھا کہ وہ آپ کی بات ماننے کی بجائے تباہ و برباد ہونے کو ترجیح دیتے تھے ورنہ وہ یہ نہ کہتے کہ اگر یہ حق ہیں تو ہمیں تباہ کر دے بلکہ وہ کہتے کہ اے اللہ! اگر یہ حق ہیں تو ہمیں انہیں ماننے کی توفیق دے دے۔ ان کے اس تعصب اور عناد کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خیر چاہتے تھے اور آپ ان کی ہدایت کے لیے اس قدر مضطرب اور بیقرار رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا یَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ۝ (الشعراء:3)

''شاید آپ اپنی جان پر کھیل جائیں گے اس وجہ سے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔''

یہ یکطرفہ خیر خواہی کا نقطہ ارتقا ہے کہ آپ خون کے پیاسوں کی بہتری اور ہدایت کے اس قدر مضطرب اور پریشان رہتے تھے کہ جیسے اس غم میں اپنی جان کی بازی لگا دیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی ہی یکطرفہ خیر خواہی کا مظہر اتم تھی جب غزوہ احد کے موقع پر آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا خود کی کڑیاں آپ کے روئے زیبا میں گھس گئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

لو دعوت علیھم

کاش آپ ان کی تباہی کے لیے دعائے ضرر فرماتے تو آپ نے فرمایا:

انی لم ابعث لعانا ولکنی بعثت داعیا و رحمۃ اللھم اغفر لقومی او اھد قومی فانھم لایعلمون۔(1)

''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا لیکن مجھے داعی حق اور رحمت بنا کر بھیجا گیا۔

1۔ مواہب اللدنیہ، ج 2، ص 87، شیخ احمد بن محمد القسطلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

اے اللہ میری قوم کو معاف فرما! یا۔ آپ نے عرض کیا میری قوم کو ہدایت دے۔ وہ جانتے نہیں ہیں۔''

آپ کی پوری حیات مبارکہ یک طرفہ خیر خواہی کا پیکر تمام ہے۔ آپ نے طائف میں پتھر مارنے والوں کی بھی خیر چاہی اور راہ میں کانٹے بچھانے والوں کی بھی۔

آپ کے اخلاق حسنہ کے ان متعدد گوشوں پر غور کرنے سے یہاں اخلاق کے دائرہ کی وسعتیں سمجھ آتی ہیں۔ وہاں انہیں اپنی زندگی میں جاری کر کے تشکیل سیرت کا سامان بھی میسر ہوتا ہے۔ جس شخص نے اخلاق حسنہ کے اس حسین و دلکش پیغام کو اپنے دل میں اتار کر اپنی شخصیت کو اسی سانچہ میں ڈھال لیا اسی نے سیرت کے پیغام کو سننے کا شرف حاصل کیا اور وہی دونوں جہانوں میں سرخرو ٹھہرا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاق حسنہ کے نور سے منور و تاباں فرمائے اور سیرت طیبہ کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

توفیق عمل مانگ نیا گان کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را
(اقبال)

Marfat.com

رحمت عالم، محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)

''اور ہم نے آپ کو تمام اہل عالم کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

Marfat.com

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب
(اقبال)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو عظمتیں اور شانیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے ایک آپ کی شان رحمۃ للعالمین بھی ہے۔ اللہ رب العزت نے جس کا تذکرہ یوں فرمایا:

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۷ (الانبیاء)

''ہم نے آپ کو تمام اہل عالم کے لیے تمام تر رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے اس پہلو کو بشری استعداد کی حد تک سمجھنے کے لیے اسے بنیادی طور پر دو مباحث میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

عقیدہ کے اعتبار سے

مسلمات کے اعتبار سے

اس تناظر میں کچھ توضیحات ملاحظہ ہوں۔

عقیدہ کے اعتبار سے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ایک مطلب عقیدہ سے وابستہ ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ ظاہر ہے اس مفہوم کو وہی مانے گا جو قرآن وسنت کو مانتا ہے اور دوسرا مطلب وہ ہے جس کی حیثیت مسلمات کی ہے کوئی بھی انصاف پسند آدمی خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

عقیدہ کے اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ باعث تخلیق کائنات ہیں۔ دنیا میں جس کو جو بھی ملا جو ملتا ہے اور جو ملے گا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصدق اور توسل سے ہی ملا، ملتا ہے اور ملے گا

خیرات دیتا ہے خدا ہر وقت تیرے نام کی
جس کو ملا جو بھی ملا جتنا ملا صدقہ تیرا

اس اجمال کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو

عالمین کا لفظ عالم کی جمع ہے جس کا لفظی معنی ہے جاننے کا ذریعہ۔ عالم کا اطلاق اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کے سوا پوری دنیا اور ساری کائنات پر ہوتا ہے کیونکہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی عظمت کو جاننے کا ذریعہ ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

گلزار ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ
کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تری اگر
ہر رہگزر میں نقش کف پائے یار دیکھ
(اقبال)

چونکہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کو جاننے کا ذریعہ ہے اس لیے پوری کائنات کو عالم کہا جاتا ہے۔ اگرچہ عالم میں ہی اللہ کے سوا سب کچھ شامل ہے۔ اس کی جمع ''عالمین'' اس کی مختلف انواع کے اعتبار سے کی جاتی ہے جیسے عالم نباتات، عالم جمادات اور عالم حیوانات وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ اس سے یہ چیز ثابت ہوگئی کہ یہاں رحمت سے مراد صرف آپ کی دعوت کے نتیجے میں برپا ہونے والا انقلاب نہیں ہے کیونکہ عالمین کے لفظ کی وسعت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے آپ اس کے لیے رحمت ہیں اور انقلاب نبوی سے تو صرف اس زمانے کے یا مابعد لوگ ہی مستفیض ہوئے جبکہ عالمین کے لفظ کی وسعتیں تمام پہلے زمانوں کو بھی شامل ہیں۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوا کہ رحمۃ للعالمین سے کیا مراد ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمین کے لیے کیسے رحمت ہیں تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و کونه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمة للجميع باعتبار انه عليه الصلوة والسلام واسطة الفيض الالهي على الممكنات حسب القوابل۔(1)

''اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام عالمین کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ

1۔ روح المعانی، ج 17، ص 105 محمود الالوسی ابوالفضل، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

تمام کائنات کی صلاحیتوں کے مطابق ان کو اللہ تعالیٰ کا فیض ملنے کا واسطہ ہیں۔"

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنا فیض ملتا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ملتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت تو 571ء میں ہوئی تو ولادت سے پہلے آپ فیض الٰہی کا واسطہ کیسے تھے تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولذا کان نورہ صلی اللہ علیہ وسلم اول المخلوقات ففی الخبر اول ما خلق اللہ نور نبیک یا جابر و جاء اللہ المعطی و انا القاسم۔(1)

"اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مخلوقات میں سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور حدیث پاک میں ہے اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا اور یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں"۔

یعنی رحمۃ اللعالمین ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کی تخلیق سب سے پہلے ہوتا کہ آپ سب کے لیے واسطہ بن سکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کے نور کو پیدا فرمایا اور جب سے اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اسی وقت سے آپ معطی ہیں۔

اس جملہ کی ساخت بتاتی ہے کہ آپ رحمۃ للعالمین نبوت کے اعلان کے بعد نہیں بنے بلکہ آپ اس دنیا میں تشریف ہی اس حال میں لائے کہ آپ رحمۃ للعالمین تھے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

وما ارسلناک فی حال من الاحوال الا کونک رحمۃ او ذا رحمۃ او راحما ببیان ما ارسلت بہ۔(2)

"ہم نے آپ کو صرف اس حال میں بھیجا کہ آپ رحمت تھے یا صاحب رحمت تھے یا رحمت فرمانے والے تھے۔ یہ اس چیز کا بیان ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا"۔

1۔ نفس مصدر، ج 17، ص 105 2۔ ایضاً، ص 104

Marfat.com

اس سے واضح ہوا کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی ملا جو ملتا ہے اور جو ملے گا وہ حضور اکرم ﷺ کے تصدق اور توسل سے ملتا ہے۔ مخلوق مسلمان ہو یا غیر مسلم عالم انسانیت ہو یا کوئی اور عالم۔ چونکہ کسی بھی مخلوق کے لیے اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے پہلا فیض ہوتا ہے۔ اس لیے رسول کریم ﷺ باعث تکوین کائنات ہیں اور کائنات صرف آپ کے تصدق اور توسل سے بنی ہے اور مخلوق کو جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے اس کا واسطہ بھی ذات رسالتمآب ﷺ ہے اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ کائنات بنی بھی حضور اکرم ﷺ کے تصدق سے ہے اور چلتی بھی حضور اکرم ﷺ کے تصدق اور توسل سے ہے۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فیلسوف اسلام علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھرمے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے(1)

مولانا ظفر علی خان نے اسی تناظر میں فرمایا تھا:

کرہ ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترا عز لولاک تمکین بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس است

اس سے واضح ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ایک مفہوم یہ ہے

1۔ بانگ درا، ص 207، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

Marfat.com

کہ کائنات کو وجود اور جو بھی دیگر نعمتیں ملی ہیں وہ حضور اکرم ﷺ کے تصدق اور توسل سے ملی ہیں۔

مسلمات کے اعتبار سے

حضور اکرم ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ایک مفہوم وہ ہے جو مسلمات کی حیثیت رکھتا ہے۔کوئی بھی مسلمان ہو یا غیر مسلم۔وہ آپ ﷺ پر ایمان لایا ہو یا نہ لایا ہو وہ بھی زندگی میں انہیں راہوں کو اپنا رہا ہے جس کا تعین حضور ﷺ نے فرمایا ہے اسے بہتر زندگی گزارنے کا جو شعور ملا ہے اور اسے زندگی میں جو اخلاقی قدریں ملی ہیں۔ وہ حضور اکرم ﷺ کا ہی فیضان ہے۔

زندگی میں کسی اچھی راہ پر چلنا اتنا اصل کام نہیں ہوتا جتنا زمانے کی روش سے ہٹ کر ایک اچھی راہ کا تعین کرنا ہوتا ہے ہوا کا رخ دیکھ کر نظریات اپنا لینا ایک تقلیدی سوچ ہے اور حق کے لیے ہواؤں کے رخ بدلنا ایک تخلیقی کارنامہ ہے۔

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ سب کو
مرد وہ ہے جو زمانے کو بدل دیتا ہے

جب رسول کریم ﷺ نے دعوت حق کا آغاز فرمایا اس وقت کی پوری متمدن دنیا پر ایک منصفانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ انسانیت انسانی اقدار و اخلاقیات سے یکسر محروم تھی طبقاتی کشمکش نے انسانیت کے ایک بہت بڑے حصے کو ذلیل و رسوا کر دیا تھا۔قانون کی دھجیاں بکھر گئیں تھیں۔انسانیت کے کمزور طبقے ظلم و ستم کی چکی میں پسے کراہ رہے تھے۔ہوس پرستی نے عفت و عصمت کی چادریں تار تار کر دیں تھیں، طاقتور طبقہ کمزور طبقات پر طرح طرح سے ظلم کے پہاڑ توڑ رہا تھا۔ جہالت و گمراہی، ظلم و بربریت، ہوس پرستی و جاہ طلبی اور کفر و شرک کی ان بھرپور تاریکیوں میں حضور رحمۃ للعالمین کا بدر منیر طلوع ہوا اور پوری دنیا نے آپ سے زندگی کا شعور سیکھا۔قانون کی پاسداری سیکھی، اخلاقی اقدار کا درس لیا۔ایک حق پسند آدمی کے لیے اس حقیقت کو پانا کوئی مشکل چیز

Marfat.com

نہیں ہے کہ دنیا میں جہاں بھی کوئی خیر نظر آتی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی فیضان ہے۔ آج جو لوگ انسانی قدروں کے حامل ہونے کے مدعی ہیں ان سے ذرا یہ تو پوچھ لیجیے کہ ان اقدار کا شعور تمہیں کہاں سے ملا؟

اخلاقی اقدار کا کوئی بھی رخ ہو۔ قانون کی پاسداری کا کوئی بھی پہلو ہو، تکریم انسانیت کا کوئی بھی گوشہ ہو یہ سب حضور رحمۃ للعالمین کے فیض کی مختلف جہتیں ہیں۔ اگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانے کو یہ اسباق نہ پڑھائے ہوتے تو کوئی ان کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ آج بھی زمانہ انہیں تعلیمات سے اکتساب فیض کررہا ہے۔

نکہت و نور کے پھیلے ہوئے گلزاروں میں
روشنی بانٹتا ہے آج بھی صحرا تیرا
اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا
(احمد ندیم قاسمی)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ زمانے کو ہر خیر اور اچھائی کا شعور آپ کی ذات اقدس سے ملا۔ کوئی آپ کو مانے یا نہ مانے وہ اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا کہ وہ جن انسانی قدروں پر نازاں ہے وہ اس وقت زمانے میں کہیں نہیں پائی جاتی تھیں۔ اس جمود کو توڑ کر ان اقدار کا درس حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان ہے۔ علامہ اقبال نے کتنا خوبصورت اور دلآویز تجزیہ کیا تھا کہ

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آن کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفیٰ او را بہا است
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است (1)

1۔ جاوید نامہ، 128، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

Marfat.com

''تو جہاں کہیں بھی رنگ و بو کی دنیا دیکھتا ہے اور ہر وہ جہاں جس کی خاک سے آرزو پھوٹتی ہے اس کو یہ رونقیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے ملی ہیں۔ یا ابھی تک وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں ہے''۔

یعنی دنیا میں جہاں بھی کوئی خیر نظر آتی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض ہے اور جہاں بھی تک خیر نہیں ہے وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچانے کی ضرورت ہے اور وہ آپ کے پیغام کی منتظر ہے۔''

جہاں جہاں بھی انسانیت ہے خطرے میں
وہاں وہاں تیرے پیغام کی ضرورت ہے

آیئے رحمۃ للعالمین کی رحمتوں کا وہ فیض جس سے اپنے اور غیر، ماننے والے اور نہ ماننے والے مسلمان اور غیر مسلم سبھی مستفیض ہوئے ہیں اس کے چند پہلو ملاحظہ ہوں۔

1۔ وحدت نسل انسانی کا شعور

جس وقت حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانے کو حقیقت آشنا کرنے کی صدا بلند کی اس وقت پوری دنیا وحدت نسل انسانی کا شعور فراموش کر چکی تھی اور ایک خود ساختہ ذات پات کی تقسیم نے انسانیت کو کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا جس نے انسانیت کے ایک بہت بڑے طبقے کو ذلت و حقارت کی عمیق گہرائیوں میں پھینک دیا تھا۔ دنیا کے ہر خطہ میں ذات پات کا عفریت کسی نہ کسی رنگ میں انسانیت کو دبوچے ہوئے تھے۔ عرب میں آقا اور غلام کی تفریق تھی۔ غلام انسان ہونے کے باوجود انسانی شرف و تکریم سے یکسر محروم کر دیئے تھے جن کی معاشرے میں کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ برصغیر میں برہمن، کھشتری، اور شودر وغیرہ کی ایک تقسیم تھی۔ برہمن سب سے بلند مقام کا حامل ایک طبقہ تھا جو اس بات کا مدعی تھا کہ ہم دیوتا کے سر سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے اگر وہ کوئی جرم بھی کرتے تو ان کے لیے قانون کی گرفت نہ ہونے کے برابر تھی اور شودر سب سے کم درجہ طبقہ سمجھا جاتا تھا۔ جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ دیوتا کے پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں اس معمولی جرم پر بھی عبرتناک

Marfat.com

سزائیں دی جاتی تھیں۔ ان کے معاشرہ میں کوئی حقوق نہیں تھے۔ ان کا مقدر ذلت، نفرت اور حقارت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

عراق میں آردو، عمیلو اور مشکینو کی تقسیم نے انسانیت کو اعلیٰ اور ادنیٰ طبقات میں بانٹ رکھا تھا۔ یہاں اردیو کی تقریباً وہی حیثیت تھی جو ہند میں شودر کی تھی۔ کہیں مذہب کی بنیاد پر انسانیت کو بانٹ دیا گیا تھا۔ مذہبی پیشوا اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے اعلیٰ اور برتر خیال کرتے تھے اس لیے ان کے لیے قانون وہ نہیں تھے جو عام لوگوں کے لیے تھے۔

الغرض پوری دنیا ذات پات کی تفریق کو اپنائے ہوئے تھی۔ طبقاتی کشمکش اور نوع انسانی کی تفریق کے انہیں اندھیروں میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحدت نسل انسانی کی آواز بلند کی اور لوگوں کو اپنے رب کا یہ پیغام سنایا۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ (الحجرات:13)

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری برادریاں اور قبیلے بنا دیئے تا کہ تمہاری آپس میں پہچان رہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

اور ارشاد ہوا:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ (النساء:1)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا فرمایا ہے۔ پھر اس نے اس سے اس کا جوڑ پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا ہے''۔

جب پوری دنیا رنگ ونسل اور ذات پات کی تقسیم میں بٹی ہوئی تھی اس وقت نبی

Marfat.com

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ لوگو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی کالے کو کسی گورے پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ فضیلت صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے میں ہے جو بھی پرہیزگاری اور تقویٰ کا راستہ اپنائے گا وہ افضل ہوگا وہ کالا ہو یا گورا۔ عربی ہو یا عجمی۔ آپ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ جاہلیت کے تمام فخر آج ختم کر دیئے گئے۔ سنو!

فالناس رجلان رجل برتقی کریم علی اللہ تعالی و رجل فاجر شقی هین علی اللہ تعالیٰ۔ (1)

"لوگوں کے صرف دو گروہ ہیں ایک گروہ نیک اور متقی لوگوں کا ہے۔ یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا معزز ہے اور ایک گروہ فاجر اور بدبختوں کا ہے۔ یہ اللہ کے نزدیک بے وقعت ہے۔"

یہ ذات پات کی تفریق مٹانے کا ہی ایک انداز تھا کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قریشی کو نہیں کسی ایک معزز سمجھے جانے والے خاندان کے فرد کو نہیں بلکہ حبشہ کے ایک غلام کو کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اذان پڑھنے کا شرف بخشا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کا نکاح آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان سے ذات پات کی تفریق اس طرح مٹ گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا بلال۔ (2)

ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے آقا ہیں اور انہوں نے ہمارے آقا بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کروایا تھا۔ غلاموں کو آقا بنا دینا صرف فیضان نبوت کا ہی کمال ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے غلام کے ساتھ بازار جاتے ہیں کپڑے خریدتے ہیں تو اپنے لیے ادنیٰ اور غلام کے لیے اعلیٰ کپڑے

1۔ کنز العمال، ج 1، ص 258، باب فی ذم اخلاق الجاهلية، رقم الحدیث 1296، علاؤ الدین علی بن حسام الدین المتقی، موسسۃ الرسالہ (1401ھ) 2۔ الابانۃ الکبریٰ، ج 9، ص 506، ابوعبداللہ عبید اللہ بن محمد المعروف بابن بطۃ العکبری، باب ذکر من اسلم علی یدی أبی بکر، دار الرایۃ للنشر، الریاض

Marfat.com

خریدتے ہیں۔ غلام اس کا سبب پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ تم جوان آدمی ہو اور اچھے کپڑے پہننا تمہارا زیادہ حق بنتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس کی فتح کے سلسلہ میں یروشلم جاتے ہیں تو خود مہار پکڑی ہوئی ہے اور غلام اونٹ پر سوار ہے۔

دیکھو کس شان سے امت کا امام آتا ہے
آپ پیدل ہے سواری پہ غلام آتا ہے

ایک مرتبہ عہد فاروقی میں حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو بیٹھے ہوئے تھے جو قریش کے سردار تھے اور صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کی جانب سے سفیر بن کے گئے تھے، بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ سیدنا فاروق اعظم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت سہیل بن عمرو کو پیچھے کر دیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بٹھالیا۔

جن طبقوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ انہیں یہ عزت و تکریم حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان ہے۔ ذات پات کی یہی نفی وہ تصور تھا جس نے غرور و تکبر کے بت پاش پاش کر دیئے اور انا کے پجاریوں پر ایک قیامت گزر گئی جب آقا اور غلام کی تفریق مٹی تو روح ابوجہل حرم کعبہ میں یوں نوحہ کناں ہوئی۔

سینہ ما از محمد داغ داغ
از دم او کعبہ راگل شد چراغ
مذہب او قاطع ملک و نسب
از قریش و منکر از فضل عرب
درنگاہ او یکے بالا و پست
با غلام خویش بریک خواں نشست
احمراں با اسوداں آمیختند
آبروئے دودمانے ریختند (1)

1۔ جاوید نامہ، ص 55، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

Marfat.com

''ہمارا سینہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے داغ داغ ہو گیا ہے۔ آپ کی پھونک سے (ابوجہل کے خیال میں) کعبہ کا چراغ بجھ گیا۔ ان کا مذہب ملک اور خاندان کی جڑیں کاٹ دیتا ہے۔ وہ قریش میں سے ہوتے ہوئے عرب کی فضیلت کے منکر ہیں۔ ان کی نگاہ میں ادنیٰ اور اعلیٰ برابر ہیں۔ آپ اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے گوروں اور کالوں کو یکجا کر دیا ہے۔ خاندان کی وقعت ختم کر دی ہے''۔

ذات میں جکڑی ہوئی انسانیت کو اگر وحدت نسل انسانی کا شعور ملا ہے تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا فیضان ہے۔ اگر چھوٹی سمجھی جانے والی کسی ذات کے کسی فرد کو عزت نفس ملی ہے تو یہ حضور رحمۃ للعالمین کا فیض ہے اگرچہ اس نے آپ کا اسم گرامی سنا بھی نہ ہو۔

2۔ قانون کی بالاتری

ذات پات کی تقسیم کا ہی لازمی نتیجہ تھا کہ انسانیت کے تمام طبقات کے لیے قانون یکساں نہیں تھا۔ بڑوں کے لیے الگ قانون تھا اور چھوٹوں کے لیے الگ۔ کیا ان تاریخی مسلمات کو جھٹلایا جا سکتا ہے کہ شودر کے لیے قانون کی جو گرفت تھی برہمن کے لیے وہ قانون عشر عشیر بھی حرکت میں نہیں آتا تھا۔ برہمن اگر کسی کو قتل بھی کر دیتا ہے تو اسے صرف ایک جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا لیکن شودر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

ایران میں بادشاہ قانون سے مبرا تھا۔ عظیم سوانح نگار ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری اس تناظر میں ''قصۃ الحضارۃ'' کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

''بادشاہ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ جس کے بارے میں چاہتا مقدمہ چلائے بغیر، کوئی جرم ثابت کیے بغیر اس کے لیے موت کی سزا کا حکم سنا دیتا بلکہ بادشاہ کی ماں اور اس کی بڑی ملکہ کو بھی یہ اختیارات حاصل تھے کہ وہ جس کو چاہیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ کسی عام شہری بلکہ کسی امیر و رئیس کو بھی یہ جرات نہ ہوتی تھی کہ بادشاہ یا اس کے خاندان کے اس ظالمانہ فعل پر صدائے احتجاج ہی بلند کر سکے۔ اگر کسی باپ کے سامنے اس کے بے گناہ بچے کو بادشاہ

Marfat.com

اپنے تیر سے گھائل کر دیتا اور اس نوجوان کی لاش خاک وخون میں تڑپ رہی ہوتی تو باپ اس کی دلدوز منظر کو دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کے رہ جاتا اور وہ اظہار تاسف کی بجائے اس وقت اپنے بادشاہ کی تعریف کرتا کہ ہمارے جہاں پناہ کا نشانہ بہت اچھا ہے......

......ایک باپ نے اپنے چار لڑکے میدان جنگ میں بھیج دیئے ان میں سے ایک بھائی نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کے پانچویں بھائی کو اجازت دی جائے کہ وہ بوڑھے والدین کی خدمت کرے اور امور زراعت کی نگرانی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس پانچویں بھائی کو دو حصوں میں کاٹ دیا جائے۔ جس راستہ سے لشکر گزرنا ہے اس کے ایک طرف اس کا اوپر والا دھڑ اور دوسری طرف اس کا نیچے والا دھڑ رکھ دیا جائے تا کہ لوگوں کو عبرت ہو۔ اس ظالمانہ اور سنگدلانہ کرتوت پر کسی کو جرات نہ ہوئی کہ وہ اس پر اپنی ناپسندیدگی کا ہی اظہار کر سکیں۔ فوجی بینڈ اپنی دھنیں بجاتا رہا۔ عام لوگ بادشاہ سلامت زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگاتے رہے اور لشکر اس کٹی ہوئی لاش کے دو ٹکڑوں کے درمیان سے گزرتا گیا۔ مملکت میں بادشاہ کے ارادے اور لشکر کی قوت کے بغیر اور کوئی قانون نہ تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ بادشاہ کے سارے فیصلے اھورا مزدا (خداوند عالم)'' کی طرف سے اس پر وحی کیے جاتے ہیں۔ اب خدا کے فیصلے کے خلاف کون علم بغاوت بلند کر سکتا ہے۔ (1)

دنیا کے ہر خطہ میں قانون کی دھجیاں ایسے ہی اڑائی جارہی تھیں اور قانون صرف چھوٹوں کے لیے تھا۔ بڑے اس سے مبرا تھے۔ صرف یہی نہیں کہ قانون تو تھا لیکن اس کا اطلاق صرف چھوٹوں پر تھا، نہیں، بلکہ قانون تھا ہی چھوٹوں کے لیے اور قانون کی نظر میں بڑے قانون سے مبرا تھے۔

ارسطو جیسا فلسفی اس تناظر میں کہتا ہے

1۔ قصۃ الحضارہ (ملخص)، ج 1، ص 415-418، بحوالہ ضیاء النبی، ج 1، ص 68، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

ان القانون لا ینبغی ضرورۃ ان یطبق الا علی افراد متسا و یین بالمولد و بالملکات غیر ان القانون لم یشرع قط لھٰؤلاء الناس الا انھم ھم انفسھم القانون و من السخریۃ ان یحاول اخضاعھم للدستور۔(1)

''قانون تمام اہل ملک کے لیے یکساں نہیں ہوتا بلکہ اس کا مساویانہ انطباق صرف ان افراد پر ہوگا جو نسب اور قابلیت کے لحاظ سے مساوی ہیں۔ رہا حکمران طبقہ تو ان لوگوں کے لیے قانون نہیں بنایا جاتا بلکہ یہ لوگ بذات خود قانون ہیں اور یہ کھلا مذاق ہے کہ ان اکابر کو دستور کی پابندی پر مجبور کیا جائے۔''

ارسطو نے اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے ایک حکایت بیان کی کہ

خرگوش کا ایک جلسہ ہوا۔ جس میں ایک قرارداد منظور کی گئی کہ تمام حیوانات میں مساوات کا قاعدہ جاری ہونا چاہیے جب شیروں نے یہ ریزولیشن سنا تو انہوں نے کہا کہ پہلے ہمارے جیسے طاقتور پنجے اور تیز دانت لاؤ۔ پھر ہمارے ساتھ مطالبہ کرو۔ پھر ارسطو کہتا ہے:

فلیس من العدل قتل مثل ھذا السری ولا اھدار حقہ بالتقریب ولا اخضاعہ لمستوی العامۃ۔(2)

''یہ عدل کے خلاف ہے کہ ایسے سردار کو کسی عامی کے بدلہ میں قتل کیا جائے یا اسے جلا وطن کر دیا جائے اور اسے عام لوگوں کی سطح پر اترنے پر مجبور کیا جائے۔''

اسی طرح عراق میں عمیلو طبقہ سب سے اعلیٰ طبقہ تھا اسے بہت سے امتیازات حاصل تھے اور ان کے لیے قانون عام لوگوں سے بہت مختلف تھا۔ الغرض جب پوری دنیا میں اعلیٰ طبقہ اپنے آپ کو قانون سے مبرا سمجھتا تھا اور ریاست کا سربراہ کسی قانون کا پابند نہیں تھا اور یہ بات مسلم تھی کہ قانون وہی ہے جو بادشاہ کی زبان سے نکلتا ہے۔ بادشاہ کا ظلم بھی لوگوں کے لیے عین انصاف تھا۔

1۔ السیاسۃ، ص 217، بحوالہ ضیاء النبی، ج 1، ص 114

2۔ نفس مصدر، ص 115

Marfat.com

لگا کے آگ شہر کو یہ بادشاہ نے کہا
اٹھا ہے دل میں تماشے کا آج شوق بہت
جھکا کے سر کو سبھی شہ پرست بول اٹھے
حضور! شوق سلامت رہے شہر اور بہت

ظلم کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدائے عدل و انصاف بلند کی اور قانون کی بالاتری کا اعلان فرمایا کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ آپ نے سربراہ مملکت ہوتے ہوئے کبھی اپنی ذات کو یا اپنے خاندان کو قانون سے مبرا نہیں سمجھا بلکہ آپ نے فرمایا کہ جو قوم صرف چھوٹوں پر قانون نافذ کرے اور بڑوں کو اس سے مبرا سمجھے وہ قوم تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوئی۔ لوگوں نے سوچا یہ ایک معزز خاندان کی عورت ہے اگر اسے سزا ہوئی تو بنو مخزوم کی بے عزتی ہوگی۔ لوگوں نے مشورہ کر کے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارشی بنا کر بھیجا تا کہ اسے سزا نہ ملے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے محبوب صحابی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو آپ جلال میں آ گئے اور فرمایا کیا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا:

انما اهلك الذين من قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه اذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد و ايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها۔ قال في الباب عن مسعود بن العجماء و ابن عمرو جابر قال ابو عيسى حديث عائشه حسن صحيح۔(1)

”تم سے پہلی قومیں صرف اس لیے برباد ہو گئیں کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو وہ اس پر حد قائم کر دیتے اور

1۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 37۔ باب ماجاء فی کراہیۃ ان یشفع فی الحدود، رقم الحدیث 1430 ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

اللہ کی قسم! اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہوتے ہوئے کبھی بھی اپنی ذات اقدس کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا۔ جب غزوہ بدر کے موقع پر صفیں درست فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سواد رضی اللہ عنہ کو اپنی چھڑی سے ٹہوکا دیا اور فرمایا: استو یا سواد۔ اے سواد برابر ہو جاؤ تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے میرے پیٹ پر ٹہوکا دیا ہے میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: آ مجھ سے بدلہ لے لے۔ انہوں نے عرض کیا: اس وقت میرا پیٹ ننگا تھا۔ آپ نے اپنے بطن اقدس سے کپڑا اٹھا دیا۔ وہ آپ سے چمٹ گئے اور بدن اقدس کے بوسے لینے لگے اور عرض کرنے لگے کہ جنگ شروع ہونے والی ہے شاید مجھے شہادت نصیب ہو جائے اس لیے میں نے چاہا کہ:

ان یکون اخر العهد بك ان یمس جلدی جلدك فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخیر (1)

کہ میرا آپ سے آخری معاملہ یہ ہو کہ میرا جسم آپ کے جسم اقدس سے مس ہو جائے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے خیر کی دعا فرمائی۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب تھے جن کا نام اسید بن حضیر تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے۔ ایک دن جب وہ محو گفتگو تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلی سے ان کے پہلو کو ٹہوکا دیا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ہاں اپنا بدلہ لے لو۔ انہوں نے عرض کیا: آپ کے بدن اقدس پر تو قمیص ہے اور اس وقت میرے بدن پہ قمیص نہ تھی۔ تو آپ نے اپنی قمیص مبارک اٹھا دی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چمٹ گیا اور آپ کے بدن اقدس کو بوسے دینے لگا اور عرض کرنے لگا۔

بابی انت و امی یا رسول اللہ اردت هذا۔ (2)

1۔ السیرۃ الحلبیہ، ج 2، ص 402، علی بن برہان الدین الحلبی، دار المعرفہ، بیروت

2۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 4، ص 49۔ باب ماجاء فی قتل الامام وجرحہ، رقم الحدیث 16443 مجلس دائرۃ النظامیہ حیدر آباد

Marfat.com

''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان (میں کون ہوتا ہوں آپ سے بدلہ لینے والا) میں صرف یہی چاہتا تھا۔''

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض وصال میں تھے تو آپ مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے خطبہ دیا جس میں آپ نے یہ بھی فرمایا:

فمن كنت جلدت له ظهرا فهذا ظهري فليستقد منه و من كنت شتمت له عرضا فليستقد منه و من كنت اخذت له مالا فهذا مالي فليستقد منه ولا يقولن رجل اني اخشى الشحناء من قبل رسول الله الا و ان الشحنا ليست من طبيعتي ولا من شاني الا و ان احبكم الي من اخذ حقا۔(1)

''لوگو! اگر میں نے کسی کی پشت پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پشت حاضر ہے وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا ہو تو میری آبرو حاضر ہے۔ وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کسی کا مال چھینا ہے تو میرا مال حاضر ہے۔ وہ مجھ سے اپنا حق لے لے۔ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ (بدلہ لینے کی صورت میں) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناراض ہونے کا خوف ہے۔ خبردار! ناراض ہونا میرا مزاج نہیں ہے۔ نہ میری شان ہے۔ خبردار! مجھے تم میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو مجھ سے اپنا حق لیتا ہے۔''

جب پوری دنیا میں قانون صرف چھوٹے طبقوں کے لیے تھا ہر بڑا طبقہ قانون سے مبرا خیال کیا جاتا تھا اور سربراہ مملکت پر قانون نافذ کرنے کا تو کہیں تصور بھی نہیں تھا۔ ان حالات میں شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات اقدس کو قانون کے سامنے پیش کر کے زمانے کو یہ شعور دیا کہ قانون امیر، غریب اور ہر چھوٹے بڑے کے لیے یکساں ہوتا ہے۔ اگر آج دنیا میں کوئی سربراہ مملکت قانون کے کٹہرے میں کھڑا ہوتا ہے تو یہ حضور رحمۃ للعالمین کا فیض ہے اور یہ بھی آپ کے رحمت عالم ہونے کا ایک مظہر ہے۔

1۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج3، ص104۔ باب من اسمہ احمد، رقم الحدیث 2629، دارالحرمین، قاہرہ

Marfat.com

(3) حقوق نسواں کا شعور

حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا فیض جس سے پوری دنیا مستفیض ہوئی اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ نے زمانے کو حقوق نسواں کا شعور دیا۔ جب پوری دنیا میں عورت ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ آپ نے اس صنف نازک کو عزت وتکریم اور پاک دامنی عطا فرمائی۔

اس وقت کی پوری متمدن دنیا پر ایک منصفانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس وقت کہیں بھی عورت کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا اور نہ ہی اسے کچھ حقوق حاصل تھے۔ قدیم یونان میں عورت کا مرتبہ اس درجہ کم کر دیا گیا تھا کہ وہ ہر قسم کے حقوق سے یکساں محروم تھی۔ اس کی حیثیت صرف بچے پالنے والی لونڈی کی تھی۔ اسے گھر میں بند کر دیا گیا۔ وہ بھی شوہر کے سامان میں سے ایک سامان ہی تصور کی جاتی تھی۔

روم میں وہ ہر قسم کے حقوق سے یکسر محروم تھی۔ وہ پہلے باپ کی محکوم تھی اور پھر شوہر کی۔ مشہور فلسفی ارسطو کا خیال تھا کہ عورت کے دانت مرد سے کم ہوتے ہیں۔ اس قسم کی توہماتی چیزوں سے عورت کا درجہ نظروں سے بہت گر گیا تھا۔ عورت کے مقام کو کم کرنے کے لیے عجیب وغریب افسانے گھڑ لیے گئے تھے۔ قدیم یونان میں عورت کو ہر گناہ کا سبب قرار دینے کے لیے پینڈورا باکس کا افسانہ گھڑا گیا کہ ایک دیوتا نے آسمان سے آگ چرائی اور اسے زمین میں بسنے والے انسانوں تک پہنچا دیا۔ دیوتا کے بادشاہ کو یہ بہت برا لگا اس نے زمینی مخلوقات سے یہ نعمت چھیننے کے لیے ایک عورت بنائی جس کا نام پینڈورا تھا اور اسے زمین پر بھیج دیا۔ ایک شخص نے اس سے شادی کر لی اور اس کی بیوی بن کر زمین پر رہنے لگی اس عورت کے پاس ایک باکس تھا۔ زمین پر قیام کے بعد پینڈورا نے اپنا باکس کھول دیا۔ اس باکس میں ہر قسم کی برائیاں تھیں۔ بکس کھلتے ہی برائیاں تمام زمین پر پھیل گئیں اور پھر زمین کبھی برائیوں سے خالی نہ ہو سکی۔(1)

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، خاتون اسلام، ص 8، مولانا وحید الدین خان، دار التزکیہ، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

ہندوستان میں کثرت ازدواج کا رواج تھا۔شوہر مرجاتا تو بیوہ دوسرا نکاح نہ کرسکتی تھی۔شوہر کے مرنے کے بعد اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔وہ شوہر کی چتا میں جل کر بھسم ہوجاتی تھی لیکن اگر بیوی مرجاتی تو شوہر اس کی چتا میں نہیں جلتا تھا۔تبت میں ایک بھائی کی بیوی سب بھائیوں کی بیوی تصور کی جاتی تھی۔مجوسیوں میں یہ بے حیائی اور بھی بڑھی ہوئی تھی وہاں محرمات تک سے نکاح کرلیا جاتا تھا۔

عرب میں عورت متعدد طرح کے ظلم وستم کا شکار تھی۔طلاق کی کوئی حد مقرر نہ تھی یعنی شوہر کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ نہ بیوی سے رجوع کرے اور نہ ہی اسے کسی اور سے نکاح کرنے کا حق دے۔نکاح کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔جب حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی ایمان لائے تو ان کی دس بیویاں تھیں۔

باپ مرجاتا تو اس کی کل بیویاں اس کے بیٹوں کی میراث تصور کی جاتیں سوائے ان کی حقیقی ماؤں کے۔وہ انہیں اپنے نکاح میں لاتے یا جس سے چاہتے ان کا نکاح کردیتے۔بعض قبیلے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے۔بعض لوگ بیٹی پیدا ہونے پر سخت نادم ہوتے اور شرم کے مارے لوگوں سے چھپتے پھرتے۔قرآن کریم میں ان کے اس رویہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ﴿۵۸﴾ یَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ (النحل:58-59)

''ان میں جب کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو دکھ کے مارے اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے۔وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اسے کیسی بری خبر دی گئی ہے۔اب ذلت برداشت کرتے ہوئے اسے سنبھالے رکھے یا اسے زمین میں گاڑ دے۔خبردار! یہ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں۔''

ایک قبیلہ کے رئیس ابوحمزہ کے ہاں بیٹی کی ولادت ہوئی تو اس نے گھر میں آنا چھوڑ دیا

Marfat.com

اس کی بیوی اس کی بچی کو یہ لوریاں دے کر سلایا کرتی تھی۔

مالا ابی حمزہ لا یاتینا یظل فی البیت الذی یلینا

غضبان ان لانلد البنینا و لیس لنا من امر ماشئنا

و انما ناخذ ما اعطینا حکمۃ ربی ذی الجلال فینا(1)

''ابوحمزہ کو کیا ہو گیا کہ وہ ہمارے پاس نہیں آتا، وہ ہمارے پڑوسی کے گھر میں دن گزارتا ہے۔

وہ ہم سے اس لیے ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتیں اس میں ہمیں اپنے چاہنے پر کوئی اختیار نہیں ہے۔

ہمارا اختیار تو صرف اسی پر ہے جو ہمیں دیا جائے۔ ہمارے متعلق یہ ہمارے رب ذوالجلال کی حکمت ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں کہیں بھی عورت کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔

عورت ظلم کی اسی چکی میں پس رہی تھی۔ وہ حقارت کی انہیں نظروں سے دیکھی جاتی تھی۔ جب حضور رحمۃ للعالمین نے کائنات کو اپنے سایہ رحمت میں لیا۔ آپ نے عورت کو وہ مقام اور مرتبہ دیا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آج اگر دنیا میں کہیں بھی عورت کو عزت اور وقار حاصل ہے تو یہ رحمۃ للعالمین کا فیضان ہے کیونکہ زمانے کو اس چیز کا شعور آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی عطا فرمایا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے مقام اور مرتبہ کو جس طرح عزت و تکریم دی اس کے چند مظاہر ملاحظہ ہوں۔

(i) عزت نفس کی بحالی

جب پوری دنیا میں عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اسے پاؤں کی جوتی سے بھی کم درجہ دیا جاتا تھا۔ اسے مرد کی محکوم اور صرف جنسی خواہش کی تکمیل کا ذریعہ خیال کیا

1۔ تفسیر الخازن، ج 4، ص 107، علاؤالدین علی بن محمد الخازن، دارالکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

جاتا تھا۔ ظلم کی اس شب دیجور میں عورتوں کی تعظیم و تکریم کی روشنی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان سے پھوٹی۔ بچی کی پیدائش پر پریشان ہونے والوں کو اور انہیں زندہ در گور کرنے والوں کو آپ نے فرمایا کہ جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے گھر آتے ہیں اور کہتے ہیں اے گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ وہ بچی کو اپنے پروں کے سایہ میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں۔ یہ ایک کمزور جان ہے جو کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے جو اس بچی کی پرورش کرے گا قیامت تک اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال رہے گی۔

آپ نے فرمایا:

من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة انا و هو هكذا و ضم اصابعه۔ (1)

''جس نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو آپ نے اپنی انگلیوں کو پیوست کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح قریب ہوں گے۔''

آپ نے بیٹی کی پرورش کو جنت کا سبب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

من كانت له انثى ولم يئدها ولم يهنها ولم يؤثر ولده عليها ادخله الله الجنة۔ (2)

''جس کی ایک بیٹی ہو وہ اسے زندہ دفن بھی نہ کرے، اس کی توہین بھی نہ کرے اپنے بیٹے کو اس پر فوقیت بھی نہ دے تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔''

لوگ بیٹیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹی کو وہ عزت دی کہ قیامت تک کے لیے اس کا مقام و مرتبہ سب پر عیاں ہو گیا۔ دیکھنے والے دیکھیں، سننے والے سنیں اور سمجھنے والے سمجھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کلام اور گفتگو

1۔ صحیح المسلم، ج 4، ص 2027، باب فضل الاحسان إلى البنات، رقم الحدیث 2631

2۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 502، باب فی فضل من عال یتامی، رقم الحدیث 5148، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

کرنے میں کسی کو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ نہیں پایا۔ آپ فرماتی ہیں:

کانت اذا دخلت علیہ رحب بھا و قام فاخذ بیدھا فقبلھا و اجلسھا فی مجلسہ۔(1)

''کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے۔''

جس بیٹی کی پیدائش کو لوگ شرمندگی کا باعث سمجھتے اور اسے زندہ درگور تک کرنے کی نوبت بھی پہنچ جاتی تھی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس عمل سے اس بیٹی کی عزت کو چار چاند لگا دیئے اور بتا دیا کہ بیٹی قابل نفرت چیز نہیں۔ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹی کے استقبال کے لیے کھڑا ہو کر اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھا کر اس کی عزت و تکریم کے چاند کو اتنا منور و تاباں کر دیا کہ قیامت تک کوئی اسے گہنا نہیں سکتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا

فداکِ امی و ابی۔(2)

''(اے فاطمہ) تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔''

آپ نے بیوی کو خاوند کے لیے ملکیت اور جنسی تسکین کا سامان سمجھتے ہوؤں کو بتایا کہ اس سے حسن سلوک کرنا تو انسان کو اچھائی کا پیکر بنا دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

خیرکم خیرکم لاھلہ و انا خیرکم لاھلی۔(3)

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ سے اچھا سلوک کرتا ہے اور میں

1۔ شعب الایمان للبیہقی، ج 6، ص 466، باب فضل فی قیام المرء الخ، رقم الحدیث 8927، دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ درّ السحابہ، ص 279، محمد بن علی الشوکانی، باب مناقب البتول الخ، مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور

3۔ سنن ابن ماجہ، ج 1، ص 636، باب حسن المعاشرۃ الخ، رقم الحدیث 1977، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

اپنے اہل خانہ سے اچھا سلوک کرتا ہوں'' کجا وہ نظریہ کہ عورت پیدا ہی مرد کی خدمت کے لیے کی گئی ہے اور کجا یہ تصور کہ اس سے بھلائی کرنا انسان کے اچھا ہونے کی علامت ہے۔ کجا یہ انتہا کہ عورت پر ہر قسم کا تشدد روا سمجھا اور بسا اوقات اسے قتل تک کرنے کا اختیار خاوند کو دے دیا گیا اور کجا رحمت عالم ﷺ کا ان کے بارے میں یہ فرمان کہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ

فاتقوا الله فی النساء فانكم اخذتمو هن بامان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله۔ (1)

''عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا کہ تم نے اللہ کی امان سے انہیں اپنے نکاح میں لے لیا اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔''

آپ نے عورت کو ماں کا مقدس مقام دیا، اس کے حقوق باپ سے تین گنا زیادہ بتائے، جنت ماں کے قدموں میں قرار دی اور اس کی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا قرار دیا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

فالزمها فان الجنة عند رجلها۔ (2)

''ماں کی خدمت کو لازم پکڑو کیونکہ جنت اس کے قدموں میں ہے۔''

جب حضور اکرم ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کے احترام میں اپنی چادر بچھا دی اور بہت دیر تک ان سے محو گفتگو رہے۔ آپ نے ماں کو جو مقدس مقام دیا اس کا اندازہ آپ کے اس فرمان گرامی سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

لو ادركت والدی او احدهما و انا فی صلوٰة العشا و قد قرات فيها بفاتحة الكتاب تنادی: يا محمد لا جبتها لبيك۔ (3)

1۔ صحیح ابن حبان، ج4، ص310، باب الوعید الخ، رقم الحدیث 1455، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج24، ص299، رقم الحدیث 15538، موسسۃ الرسالہ، بیروت

3۔ الحاوی للفتاوی، ص639، امام السیوطی، دار الکتاب العربی

Marfat.com

''اگر میں اپنے والدین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو زندہ پاتا۔ میں نماز عشا پڑھ رہا ہوتا اور سورۂ فاتحہ پڑھ چکا ہوتا تو میری والدہ مجھے آواز دیتیں اے محمد ﷺ تو میں فوراً جواب دیتا امی جان! میں حاضر ہوں۔''

جب پوری دنیا میں ہر لحاظ سے عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا تو اس وقت حضور رحمت عالم ﷺ نے عورت کے احترام کی آواز بلند کی اور اسے ماں، بہن اور بیٹی کا مقدس مقام دیا اور ان کی عزت نفس کو بحال کیا۔ آج اس صنف نازک کو جو بھی مقام حاصل ہے وہ حضور رحمۃ للعالمین کا فیضان ہے۔

(ii) حقوق کا تعین

رحمت عالم ﷺ نے عورت کو جو مقام اور مرتبہ دیا اس کی حیثیت صرف اخلاقی نہیں تھی بلکہ آئینی اور قانونی بھی تھی۔ اس وقت پوری دنیا میں عورت اپنے حقوق سے محروم تھی۔ انفرادی طور پر کہیں عورت کو تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا ہو تو یہ ایک استثنائی صورت ہوگی۔ اس وقت کے مروجہ قوانین میں عورت اپنے حقوق سے یکسر محروم تھی۔ اس وقت حضور رحمت عالم ﷺ نے بندوں تک ان کے رب کا یہ فرمان پہنچایا کہ

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ:228)

''اور ان عورتوں کے لیے دستور کے مطابق اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان کی ذمہ داریاں ہیں''

عورتوں کو حق ملکیت دیتے ہوئے فرمایا

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ (النسا:32)

''مردوں کے لیے حصہ ہے اپنی کمائی کا اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اپنی کمائی کا۔''

اس وقت پوری دنیا میں کہیں بھی عورت کو میراث میں سے حصہ نہیں ملتا تھا۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے بندوں تک اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ

Marfat.com

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ (النساء:7)

''ماں باپ اور رشتہ داروں نے جو مال چھوڑا ہے اس میں مردوں کا حصہ ہے اور ماں باپ اور رشتہ داروں نے جو مال چھوڑا ہے اس میں عورتوں کا حصہ ہے۔ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ یہ حصہ طے شدہ ہیں۔''

چونکہ عورت شادی سے پہلے اپنے باپ کی کفالت میں ہوتی ہے اور شادی کے بعد اپنے خاوند کی کفالت اور ذمہ داری میں ہوتی ہے۔ اس کی ضروریات کا ذمہ دار پہلے باپ ہوتا ہے اور پھر خاوند اور معاش کا جو بوجھ مرد پر پڑتا ہے وہ عورت پر نہیں پڑتا۔ اس لیے میراث میں عورت کا حصہ مرد سے کم رکھا گیا اور یہ ایک زمینی حقیقت کے گہرے شعور کا نتیجہ ہے لیکن اس حقیقت کا انکار ناممکن ہے کہ ورثہ میں عورت کو قانونی حیثیت سے صرف نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شریک کیا ہے۔ عورت اپنے باپ اور شوہر کے ورثہ سے قانونی طور پر حق پاتی ہے۔

نکاح میں عورت کی رضامندی شرط قرار دی گئی یعنی عورت کوئی متاع بازار نہیں کہ جس کے ہاتھ چاہو بیچ دو بلکہ وہ نکاح کی ایک فریق ہے اور جس طرح مرد کی رضامندی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اسی طرح عورت کی رضامندی کے بغیر بھی نکاح نہیں ہوتا۔

اگر کسی عورت کو طلاق ہو جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے قبیلے والے اس کی رضامندی کے بغیر ہی جہاں چاہیں اس کا نکاح کر دیں بلکہ اس کی رضامندی مکمل طور پر شرط ہوگی اور اسے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار ہوگا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (البقرہ:232)

''اور جب تم بیویوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں شوہروں سے نکاح کرنے سے ہرگز نہ روکو۔ جب وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔''

Marfat.com

اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تھا تو یا تو اسے اپنے خاوند کی چتا میں جلنا پڑتا یا سوتیلی اولاد کی میراث تصور ہوتی یا وہ اپنے خاندان کے رحم و کرم پر ہوتی۔ وہ طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہوئے اسے اپنے پاس رکھتے یا بغیر اس کی مرضی کے اسے کسی کے نکاح میں دے دیتے۔ انہیں حالات میں رحمت عالم ﷺ نے انہیں مرضی سے اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان انہیں پڑھ کے سنایا

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ (البقرہ:234)

''تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک انتظار میں رکھیں پھر جب وہ اپنی مدت کو پہنچیں تو وہ اپنی ذات کے بارے میں اصول کے مطابق جو فیصلہ کریں تو اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے''۔

حضور رحمت عالم ﷺ نے عورت کو اپنی ذات کے متعلق فیصلہ کرنے کا قانونی اختیار دیا۔ جب بعض لوگ اس میں بھی شک کر رہے تھے کہ عورت انسان ہے بھی یا نہیں اور پھر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ عورت انسان تو ہے لیکن یہ پیدا صرف مرد کی خدمت کے لیے کی گئی ہے۔ ان حالات میں رحمت عالم ﷺ نے عورت کے حقوق کی آواز بلند کی۔ آپ نے عورت کی گواہی کو بھی قابل اعتبار ٹھہرایا۔ عورتوں کے خصوصی معاملات میں تو عورت کی گواہی پر ہی فیصلہ ہوتا ہے مالی معاملات میں بھی اس کی گواہی کو مستند قرار دیا۔ ارشاد ہوا:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۗ

(البقرہ:282)

''اور اپنے مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ کر لو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور

Marfat.com

دو عورتیں ان گواہوں میں سے جن پر تم راضی ہو تا کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے قائم مقام عورت کا مرتبہ کم کرنے کے لیے نہیں رکھی گئی بلکہ عورت کی ایک فطرتی حقیقت کا گہرا ادارک کرتے ہوئے دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی کہ عدالت میں عورت اگر بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کے ان حقوق کا عملی طور پر نفاذ بھی فرمایا۔ حضرت خنساء بنت خذام کہتی ہیں کہ وہ ثیبہ (شوہر دیدہ) تھیں اور ان کے والد نے ان کی ناپسندیدگی کے باوجود ان کا نکاح کسی سے کر دیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

فرد نکاحها۔ (1)

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح فسخ کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح میں ان کی رضامندی کو ضروری قرار دیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

الایم احق بنفسها من ولیها و الیتیمة تستامر و اذنها صماتها۔ (2)

''شوہر دیدہ اپنے ولی سے زیادہ اپنی ذات کے متعلق فیصلہ کا حق رکھتی ہے اور نابالغہ سے اجازت طلب کی جائے گی اور اس کی خاموشی ہی اس کی طرف سے اجازت ہو گی۔''

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

الایم احق بنفسها و البکر تستامر و سکاتها اقرارها۔ (3)

شوہر دیدہ اپنے متعلق فیصلے کی زیادہ حق دار ہے اور نابالغہ سے اجازت طلب کی جائے گی اور اس کا سکوت ہی اس کا اقرار تصور ہو گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور عرض کی کہ میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میری شادی کر دی ہے تا کہ وہ میری وجہ سے اس کے رتبہ کو

1۔ سنن النسائی، ج 6، ص 86، باب الثیب یزوجها الخ، رقم الحدیث 3268، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب
2۔ نفس مصدر، ج 6، ص 86، باب استیذان البکر، رقم الحدیث 3261
3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 7، ص 119، باب ماجاء فی نکاح الثیب، مجلس دائرۃ النظامیہ، حیدر آباد

Marfat.com

بلند کر دے جبکہ میں اس سے شادی کرنے کو ناپسند کرتی ہوں۔ آپ نے اسے فرمایا بیٹھ جا۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ تشریف لے آئیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے آپ کو ساری بات بتائی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس عورت کے باپ کو بلایا اور اس عورت کو اختیار دیا کہ وہ اپنے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔

فقالت یا رسول اللہ قد اجزت ما صنع ابی ولکن اردت ان اعلم اللنساء من الامر شیء۔ (1)

اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میرے باپ نے میرے متعلق جو فیصلہ کیا میں اسے قبول کرتی ہوں۔ میں نے یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا تاکہ میں جان سکوں کہ کیا اس معاملہ میں عورتوں کے پاس کوئی اختیار ہے؟

اس طرح اس عورت نے عملی طور پر جان لیا کہ حضور ﷺ نے عورتوں کو ان کی ذات کے متعلق فیصلہ کرنے کے اختیارات دیئے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کی جان، مال اور ان کی عزت و حرمت کے تحفظ کے لیے انہیں مردوں کے مساوی حقوق دیئے گئے ہیں۔

(iii) مختلف شعبہ ہائے حیات اور خواتین

جب پوری دنیا میں عورت کو صرف ایک لونڈی، خاوند کی خدمت گزار، صنفی تسکین کا سبب اور ایک ایسی مخلوق سمجھا جاتا تھا جسے زندگی میں کوئی حق حاصل نہ ہو۔ ان حالات میں رحمت عالم ﷺ نے عورت کی طبعی ساخت اس کی فطرت اور اس کے عفت و عصمت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسے زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں خدمات سر انجام دینے کی ترغیب دی۔ جن کی بدولت عہد نبوت میں عورتوں نے اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرتے ہوئے زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

رسول کریم ﷺ نے اپنے عمل سے واضح فرمایا کہ عورت کوئی گھریلو سامان کی طرح کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کی اپنی ایک زندگی ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ بھی اپنا

1۔ سنن النسائی، ج6، ص86، باب البکر یزوجھا ابوھا وھی کارھۃ، رقم الحدیث: 3269

Marfat.com

ایک تشخص رکھتی ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے لوگوں کو تعلیم دی کہ عورت گناہ کی جڑ نہیں ہے بلکہ اعمال صالحہ بجالانے میں جیسے اللہ تعالیٰ نے مرد کو مواقع دیئے ہیں ویسے ہی عورت کے لیے بھی میدان کھلا ہے۔ دونوں کا اجر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یکساں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ (النحل:97)

''جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا وہ مرد ہو یا عورت۔ شرط یہ ہے کہ وہ باایمان ہو۔ تو ہم اسے لازماً پاکیزہ زندگی سے نوازیں گے اور ان کے عمل سے زیادہ بہتر صلہ انہیں ضرور عطا فرمائیں گے۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے عمل کا میدان دونوں کے لیے یکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر الگ فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ (احزاب:35)

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں، اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں، سچائی والے مرد اور سچائی والی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور اسے یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

Marfat.com

اس سے واضح ہوتا ہے کہ رحمت عالم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے مطابق عورت صرف کام کاج اور مرد کی خدمت کیلئے ہی پیدا نہیں کی گئی بلکہ قسام ازل نے اعمال صالحہ کی جو صلاحیتیں مرد کو عطا فرمائی ہیں وہی عورتوں کو بھی بخشی ہے اور خیر کے سب میدان مرد و عورت کے لیے یکساں کھلے ہوئے ہیں ہاں! جو میدان اس کی فطرت اور طبعی ساخت کے مطابق نہیں ہیں ان میں اسے شریک نہیں کیا گیا جس کا سبب ان کے مقام کو کم کرنا نہیں بلکہ ان کی طبعی ساخت اور فطرتی مزاج ہے۔ مثلاً کسی عورت کو نبی نہیں بنایا گیا کیونکہ بستی بستی، گلی گلی اور قریہ قریہ جا کے تبلیغ کرنا اس کی طبعی ساخت کے خلاف ہے۔ اسے میدان جہاد میں دشمن سے دست بدست لڑائی میں شریک نہیں کیا گیا کیونکہ یہ اس کے مزاج کے خلاف ہے لیکن اس کے مزاج کے مطابق سب میدان کے لیے کشادہ کر دیئے گئے۔ مثلاً ایک عورت میدان جہاد میں جا کے دشمن سے دست بدست لڑائی تو نہیں کر سکتی لیکن وہ اپنے اپنے بیٹوں کی اچھی تربیت کر کے انہیں مجاہد تو بنا سکتی ہے۔ قدرت نے ان کا اجر ان کے مزاج کے مطابق کام میں ہی رکھ دیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

استاذنت النبی ﷺ فی الجهاد فقال جهادکن الحج۔ (1)

''میں نے رسول کریم ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا تمہارا جہاد حج ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جو اجر مجاہدین کے لیے رکھا ہے وہ اجر تمہیں حج کرنے سے ملے گا۔

رحمت عالم ﷺ نے عورتوں کی طبعی ساخت اور ان کے فطری مزاج کے مطابق زندگی کے مختلف شعبوں میں خدمات سرانجام دینے کے لیے ان کو ترغیب دی۔ کبھی ان سے اعراض نہیں فرمایا اور نہ ہی کبھی ان کی حوصلہ شکنی کی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی عفت و عظمت کی مکمل حفاظت کرتے ہوئے عہد نبوت میں خواتین مختلف شعبوں میں مختلف خدمات سرانجام

1۔ صحیح البخاری، ج4، ص32، باب جهاد النساء، رقم الحدیث 2875، دار طوق النجاۃ، (1422ھ)

Marfat.com

دیتی تھیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک دن مخصوص فرمایا تھا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خواتین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مرد (آپ سے زیادہ استفادہ کرنے کی وجہ سے) ہم سے سبقت لے گئے۔

فاجعل لنا یوما من نفسك فوعدهن یوما لقیهن فیه ووعظهن و امرهن الخ۔(1)

''آپ ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی دن مقرر فرمادیجئے تو آپ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمایا۔ آپ نے خواتین سے ملاقات فرمائی۔ انہیں نصیحت فرمائی اور انہیں احکامات دیئے۔''

آپ نے ہمیشہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کی صف سے گزر کر عورتوں کی صفوں میں پہنچے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے یہ خیال فرمایا تھا کہ شاید عورتوں نے خطبہ نہیں سنا تو آپ نے خواتین کو نصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

وجعلت المراۃ تلقی القرط و الخاتم و بلال یاخذ فی طرف ثوبه۔(2)

تو کوئی عورت اپنی بالی ڈالنے لگی اور کوئی انگوٹھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے کے کنارے میں یہ صدقات اکٹھے کرنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام آزاد عورت ہی نہیں بلکہ لونڈی کی تعلیم و تربیت کی بھی ترغیب دی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔ ایک وہ شخص جو اہل

1۔ نفس مصدر، ج 1، ص 32، باب ھل یجعل للنساء یوم، رقم الحدیث 101

2۔ ایضاً، باب عظة الامام النساء، باب 98، رقم الحدیث 98

Marfat.com

ایمان میں سے ہو۔ اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لایا ہو اور پھر مجھ پر بھی ایمان لایا اور دوسرا شخص وہ غلام ہے جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی اور تیسرا شخص وہ ہے:

رجل کانت عندہ امة یطاها وادبها و احسن تادیبها و علمها فاحسن تعلیمها ثم اعتقها فتزوجها فله اجران۔(1)

''ایسا آدمی جس کے پاس ایک لونڈی ہو جس سے وہ مباشرت کرتا ہے اس نے اسے ادب سکھایا اور عمدہ ادب سکھایا اسے تعلیم دی اور عمدہ تعلیم دی پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا اس کے لیے دوگنا اجر ہے''۔

اس سے واضح ہو رہا ہے عام عورت تو کجا، لونڈی کی تعلیم و تربیت کی بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس قدر ترغیب فرمائی۔

عہد نبوت میں خواتین میدان جنگ میں بھی اپنی ساخت اور مزاج کے مطابق مختلف خدمات سرانجام دیتی تھیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر جب لوگ منتشر ہو گئے تو میں نے حضرت عائشہ بنت ابی بکر اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ یہ دونوں اپنے دامن سمیٹے ہوئے تھیں اور یہ دونوں

تنقلان القرب علی متونهما ثم تفرغانه فی افواه القوم ثم ترجعان فتملانها ثم تجیئان فتفرغانها فی افواه القوم۔(2)

پانی کی مشکیں اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے لاتی تھیں۔ پیاسے لوگوں کو پانی پلاتی تھیں پھر لوٹ جاتی تھیں۔ مشکیں دوبارہ بھر کے پھر آتی تھیں اور پیاسے لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔

حضرت ثعلبہ بن ابو مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے مدینہ منورہ کی خواتین میں کچھ چادریں تقسیم کیں۔ ان میں سے ایک چادر بچ گئی۔ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے کہا امیر المومنین۔ یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی جو آپ کے نکاح میں ہے

1۔ جامع الاصول فی احادیث الرسول، ج 8، ص 60، باب فیمن اعتق جاریہ، ابو السعادات المبارک بن محمد، مکتبۃ دار البیان 2۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 9، ص 30، باب شہود من لا فرض علیہ القتال، رقم الحدیث: 18311 مجلس دائرۃ النظامیۃ، حیدر آباد

Marfat.com

انہیں دے دیجئے۔ لوگوں کی اس سے مراد حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ تھی۔ آپ نے فرمایا نہیں اس کی زیادہ مستحق حضرت ام سلیط ہیں جو انصاری خواتین میں سے تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا

فانها كانت تزفر لنا القرب يوم احد الخ۔(1)

وہ احد کے دن ہمارے لیے پانی کی مشکیں بھر بھر لاتی تھیں۔ حضرت ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں:

كنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم نسقی و نداوی الجرحی و نرد القتلی الی المدينة۔(2)

ہم جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتی تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ زخمیوں اور شہدا کو اٹھا کر مدینہ منورہ میں لاتی تھیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنت ملحان کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ وہاں تکیہ لگا کر آرام فرما ہو گئے پھر بیدار ہونے کے بعد تبسم فرمانے لگے۔ حضرت بنت ملحان نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کیوں تبسم فرما رہے ہیں تو آپ نے فرمایا:

ناس من امتی يركبون البحر الاخضر فی سبيل الله مثلهم مثل الملوك على الاسرة قالت يا رسول الله ادع الله ان يجعلنی منهم قال اللهم اجعلها منهم الخ۔(3)

میری امت میں سے کچھ لوگ جہاد کرتے ہوئے سمندر میں سفر کریں گے۔ وہ ایسے ہوں گے جیسے بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ یہ سن کر حضرت بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمائیے وہ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دے تو آپ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ؟ انہیں ان لوگوں میں شامل کر دے۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ نہیں فرمایا کہ تمہارا ان کاموں سے کیا واسطہ تم تو عورت ہو، تمہارا کام تو صرف مردوں کی خدمت کرنا ہے بلکہ آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی

1۔ صحیح البخاری، ج 5، ص 100، باب ذکر ام سلیط، رقم الحدیث 4070، دار طوق النجاۃ

2۔ نفس مصدر، ج 4، ص 34، باب مداواۃ النساء الجرحی، رقم الحدیث 2882

3۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 178، باب غزوۃ البحر، رقم الحدیث 1645، دار احیاء التراث العربی

Marfat.com

کہ اے اللہ! انہیں اس جہاد میں شامل فرما اور ایسا ہی ہوا۔ وہ اسی موقع پر شہید ہوئیں۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے عورتوں کو یہ عزت بھی بخشی کہ وہ جہاد میں شرکت کرتیں اور اپنی فطرت اور ساخت کے مطابق مختلف فرائض سرانجام دیتیں۔ حضور اکرم ﷺ کی دی ہوئی انہی تعلیمات کے تناظر میں جمہور فقہاء احناف کے نزدیک عورت حدود و قصاص کے علاوہ دیگر معاملات میں قاضی بھی بن سکتی ہے۔

حنفی فقیہہ السیواسی لکھتے ہیں

والمرأة اذا كانت قاضية فانه يجوز قضاءها الا في الحدود والقصاص۔(1)

''اور عورت جب قاضی ہوگی تو حدود و قصاص کے علاوہ اس کے فیصلے نافذ العمل ہوں گے۔''

شیخ عبدالرحمٰن بن محمد لکھتے ہیں

فان المرأة اذا كانت القاضية تنفذ الاحكام وليس لها ان تقيم الحدود۔(2)

''اور عورت جب قاضی ہو تو وہ حدود کے علاوہ دیگر احکامات نافذ کرے گی''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے عورت کو وہ بلند مقام دیا ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کی خدمات کی راہ ہموار کی اور واضح فرمایا کہ عورت صرف مرد کی خدمت کے لیے ہی پیدا نہیں کی گئی بلکہ اس کی طبعی ساخت کے مطابق وہ معاشرہ میں مختلف شعبوں میں اپنی خدمات سرانجام دے سکتی ہے۔

(iv) عفت و عصمت کی حفاظت

عورت کے متعلق ایک عمومی تصور یہ تھا کہ یہ صرف مردوں کی صنفی تسکین کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے تمام اخلاقی حدود و قیود کو پامال کر کے عجیب و غریب نظریات اپنا لیے گئے تھے اور انسانی سوچ دو انتہاؤں پر پہنچ گئی تھی۔ عورت کو گناہ کا سبب قرار دیا گیا اور زردشت

1۔ شرح فتح القدیر، ج 2، ص 52، کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی، دار الفکر، بیروت

2۔ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، ج 1، ص 246، عبدالرحمٰن بن محمد المدعو شیخی زادہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

نے یہ تعلیم دی کہ انسان کو نکاح نہ کرنا چاہیے تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے۔ دوسری طرف اخلاقیات اس قدر دم توڑ گئیں کہ باپ اپنی ہی بیٹی سے نکاح کرنے لگا اور بھائی اپنی ہی بہن کو اپنے عقد میں لینے لگا۔ یزدگرد ثانی نے اپنی ہی بیٹی سے نکاح کیا اور پھر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مزدک کی تعلیم اس کے برعکس تھی۔ اس نے کہا کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں اسے تمام جماعت میں مشترک ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس کی تعلیم کے مطابق ایک شخص کی بیوی ہر شخص سے ہم بستر ہو سکتی تھی۔ (1)

اندازہ فرمایئے ان حالات میں عورت کی عفت و عصمت اور اس کی عزت نفس کا دور دور تک کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا؟ عرب میں نہ کوئی طلاق کی حد تھی نہ نکاح کی۔ عورت ایک عجیب دکھ اور کرب میں مبتلا ہو کر زندگی گزارتی تھی۔

ان حالات میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کی عزت و تکریم اور عفت و عصمت کے تحفظ کی آواز بلند کی اور مردوں پر یہ حقیقت واضح فرمائی کہ عورت صنفی تسکین کی کوئی مشین نہیں ہے بلکہ

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ (البقرہ: 187)

''وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو''۔

یعنی عورت تمہاری عفت و عصمت کی محافظ ہے اور تم اس کی عفت و عصمت کے محافظ ہو اس لیے مرد انہیں اپنے گھریلو سامان کی طرح نہ سمجھیں بلکہ

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (البقرہ: 187)

اور اپنی بیویوں سے بہت اچھا سلوک کیا کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لائے ہوئے دین میں مردوں اور عورتوں دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا تاکہ برائی کو شروع سے ہی کنٹرول کر لیا جائے۔ عورت کو پردہ کا حکم دیا

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیرت النبی، ج 4، ص 117-118، علامہ شبلی نعمانی، مکتبہ مدنیہ، لاہور

Marfat.com

تا کہ فتنہ سے بچا جا سکے۔ محرم سے نکاح کو حرام قرار دیا تا کہ گھر میں شرم وحیا کا ماحول باقی رہے۔ طلاق کی حد بندی فرما دی تا کہ عورت درمیان میں لٹکتی نہ رہے بدکاری کی سخت سزا مقرر فرمائی تا کہ کوئی اس گناہ کا تصور بھی نہ کرے ہر اس راستے کو بند کر دیا جو عورت کی عفت وعصمت کی راہ میں رکاوٹ ہو مرد وزن کے اختلاط کو سختی سے روکا اور یہاں تک فرمایا:

وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ (احزاب:53)

''اے اصحاب نبی ﷺ جب تم ان (ازواج مطہرات) سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ چیز تمہارے اور ان کے دلوں کو بہت زیادہ پاک رکھنے والی ہے''۔

الغرض رحمت عالم ﷺ کی رحمت نے عورت کو ذلت کی پستیوں سے اٹھایا اور عزت وعظمت کے بام عروج پر پہنچا دیا اور عورت کو وہ مقام دیا جو اس کی فطرت اور ساخت کے عین مطابق ہے اور اس کے شایان شان ہے۔

(4) حیوانات کے حقوق کا شعور

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور ساری کائنات انسان کی خدمت اور اس کے فائدہ کے لیے بنائی ہے اور اسے حیوانات پر بھی تصرف کا حق دیا ہے اور بعض حیوانات کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھانے کا بھی اسے حق حاصل ہے لیکن منشا ایزدی یہ ہے کہ انسان ان سب حقوق کے باوجود حیوانات کو بھی ان کے حقوق دے اور ان کے ساتھ کوئی معاملہ کرتے ہوئے بھی اخلاقی حدود و قیود کو ملحوظ خاطر رکھے۔

جب رحمت عالم ﷺ نے دنیا میں حق کا نور پھیلایا تو اس وقت حیوانات کے حوالے سے بھی حالات بہت خوفناک تھے اور انسان تمام اخلاقی اور قانونی حدود پامال کر چکا تھا۔ لوگ جانوروں پر بھی طرح طرح کے ظلم وستم ڈھاتے تھے۔ وہ زندہ اونٹ اور دنبہ کے

Marfat.com

کوہان اور چکیاں کاٹ کر بھون کر کھا جاتے اور یہ ان کی بڑی مرغوب غذا تھی۔ زندہ جانوروں کو درخت سے باندھ کر ان پر تیر اندازی کی مشق کرتے۔ دیگر جانوروں کو نظر بد سے بچانے کے لیے اونٹ کی آنکھ پھوڑ دیتے۔ قحط کے زمانہ میں بھیڑ یا دنبہ کی دم پر گھاس پھوس باندھ کر اسے آگ لگا دیتے اور وہ جل کر خاکستر ہو جاتا۔ قبر پر ایک دنبہ باندھ دیتے وہ بھوکا پیاسا تڑپ تڑپ کے مرجاتا ان کا خیال تھا کہ اس طرح کرنے سے مردہ کی روح خوش ہوتی ہے۔

جب پوری دنیا میں حیوانات پر اسی طرح کے ظلم و ستم جاری تھے تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیوانات کے حقوق کی آواز بلند فرمائی اور زمانے کو ان کے حقوق کا شعور دلایا۔ لوگ کسی جانور کو باندھتے اور اس پر نشانہ بازی کرتے رہتے یہاں تک کہ وہ مرجاتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ظلم کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا

ینھی ان تصبر بھیمۃ او غیرھا للقتل۔ (1)

''آپ منع فرمارہے تھے کہ کسی چوپائے یا کسی اور جانور کو قتل کے لیے باندھا جائے''

اور آپ نے یہ بھی فرمایا

لعن من اتخذ شیئا فیہ الروح غرضا۔ (2)

''وہ شخص ملعون ہے جو کسی ذی روح کو نشانہ بنائے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ فرماتے ہیں:

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن الضرب فی الوجہ وعن الوسم فی الوجہ۔ (3)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرے پر مارنے اور چہرے پر داغ لگانے سے منع فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ آپ ایک گدھے کے پاس سے گزرے جس کے چہرے پر داغ لگایا گیا تھا

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج9، ص334، باب ما جاء فی المصبورۃ، رقم الحدیث، 3938، مکتبۃ الرشید، (1422ھ)

2۔ نفس مصدر، ج9، ص70، باب المنع من صبر الکافر، رقم الحدیث 18519

3۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج23، ص289، رقم الحدیث 15046، موسسۃ الرسالہ، بیروت

Marfat.com

تو آپ نے فرمایا:

لعن الله الذی وسمه۔(1)

''اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جس نے اسے داغ لگایا ہے۔''

رسول رحمت ﷺ نے مختلف پہلوؤں سے جانوروں کے حقوق کا شعور دلایا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ تھا۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو وہ رو پڑا اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپ اس کے پاس تشریف لائے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا۔ وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے۔ ایک انصاری نوجوان نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ اونٹ میرا ہے تو آپ نے فرمایا:

أما تتقی الله فی هذه البهيمة التی ملككها الله انه شكا الی انت تجیعه و تدئبه۔(2)

''کیا تو اس چوپائے کے بارے میں جس کا اللہ تعالیٰ نے تجھے مالک بنایا ہے خدا سے نہیں ڈرتا۔ اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے اور اس سے کام بہت لیتا ہے۔''

آپ کے اس فرمان گرامی سے واضح ہو رہا ہے کہ جانور کا حق ہے کہ اسے چارہ ملے اور اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام نہ لیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اذا سافرتم فی الخصب فاعطوا الابل حظها من الارض و اذا سافرتم فی السنة فاسرعوا علیها السیر و اذا عرستم باللیل فاجتنبوا الطریق فانها ماوی الهوام باللیل۔(3)

1۔ صحیح المسلم، ج3، ص1673، باب النهی عن ضرب الحیوان، رقم الحدیث 2117

2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج2، ص274، رقم الحدیث 1745، موسسۃ الرسالہ، بیروت

3۔ صحیح المسلم، باب مراعاۃ مصلحۃ الدواب فی السیر، رقم الحدیث 178، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

"جب تم زرخیزی کے موسم میں سفر کرو تو اونٹ کو اس کا حصہ دو اور جب تم قحط سالی کے زمانہ میں سفر کرو تو جلدی سفر کرو اور جب تم کہیں رات بسر کرو تو راستہ چھوڑ کر پڑاؤ کرو کیونکہ یہ کیڑے مکوڑوں کے پھرنے کی جگہ ہے۔"

یعنی جانوروں سے خدمت لو لیکن ان کے حقوق پامال نہ کرو۔ رسول کریم ﷺ نے اس بات کی بھی وضاحت فرمائی کہ جانوروں سے حسن سلوک کرنا ایک ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے اور جانوروں پر ظلم انسان کو رحمت الٰہی سے محروم کر دیتا ہے۔ آپ کے ایک فرمان کے مطابق ایک عورت اس لیے دوزخ میں چلی گئی کہ اس نے ایک بلی کو بھوکا پیاسا رکھ کر مار دیا تھا اور ایک کتے کو پانی پلانے والا جنت میں چلا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص راستے سے گزر رہا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی۔ اس نے ایک کنواں دیکھا۔ اس نے کنویں سے پانی پیا۔ اچانک اس نے وہاں ایک کتا دیکھا جو سخت پیاسا تھا۔ پیاس کی شدت سے وہ زبان نکالے ہوئے تھا اور مٹی کھا رہا تھا۔ اس نے سوچا یہ کتا بھی ویسے ہی پیاسا ہے جیسے میں پیاسا تھا۔ وہ کنویں میں اترا اپنا موزہ پانی سے بھرا اسے منہ سے پکڑ لیا باہر لایا اور کتے کو پانی پلایا۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ

فادخله الله الجنة۔ (1)

"پس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا۔"

لوگ جانوروں پر بیٹھ کر ٹھہرے رہتے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے۔ اس میں جانوروں کے لیے بے جا تکلیف تھی۔ اس لیے رحمت عالم ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

اركبوا هذه الدواب سالمة ولا تتخذوها كراسي۔ (2)

"اپنے جانوروں پر سواری کیا کرو اور ان کی پشتوں کو کرسی نہ بنا لیا کرو۔"

رحمت عالم ﷺ نے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ تم جانوروں کو کھانے کے لیے تو ان کا

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 16، ص 434، رقم الحدیث 10752

2۔ سنن الدارمی، ج 2، ص 371، باب فی النهی ان یتخذ الدواب الخ، رقم الحدیث، دار الکتاب العربی

Marfat.com

شکار کر سکتے ہو لیکن محض تفریح کے طور پر جانوروں کا شکار ان پر ظلم ہے اور ایسا کرنے والے کو اس کا حساب دینا ہوگا۔ آپ نے فرمایا

من قتل عصفورا عبثا عج الله یوم القیامه یقول یا رب ان فلانا قتلنی عبثا ولم یقتلنی منفعة۔(1)

جس نے ایک چڑیا کو بھی محض تفریح کے طور پر قتل کیا تو وہ چڑیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے گی اے اللہ! اس نے مجھے محض کھیل کے طور پر ہی قتل کر دیا تھا اور کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لیے مجھے قتل نہیں کیا تھا۔

آپ نے جانوروں کو لڑانے سے اور ان کا مثلہ کرنے سے بھی سختی سے منع فرمایا۔ آپ نے تو جانوروں کو برا کہنے سے بھی منع فرمایا۔ ایک مرتبہ دوران سفر ایک عورت نے اپنی اونٹنی سے کہا ''تجھ پر لعنت ہو'' جب رسول اللہ ﷺ نے اس کی یہ آواز سنی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور آپ نے فرمایا: اس اونٹنی پر جو کچھ ہے اسے لے لو اور اونٹنی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ (بقول اس کی مالکہ کے) ملعونہ ہے۔ اسے چھوڑ دیا گیا۔ وہ آزاد گھومتی تھی اور کوئی بھی اسے روکتا نہیں تھا۔(2)

حیوانات کے متعلق نبی رحمت ﷺ کی انہیں تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ لوگوں کو ان کے حقوق کا شعور نصیب ہوا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ابن ابی وقاص کے خیمہ میں جب ایک کبوتری نے انڈے دے دیئے اور وہاں سے کوچ کرنے کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا۔ خیمہ چھوڑ دو تاکہ خیمہ اکھاڑتے ہوئے کبوتری کے انڈے نہ ٹوٹ جائیں۔

حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت اپنے اونٹ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے میرے اونٹ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے مجھ سے جھگڑا نہ کرنا کیونکہ میں تیری طاقت سے زیادہ کبھی تجھ پر بوجھ نہیں ڈالا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ چیونٹیوں کے

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج 7، ص 317، رقم الحدیث 7245، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

2۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 5، ص 254۔ باب النہی عن لعن البھیمۃ، رقم الحدیث 10631 مجلس دائرۃ النظامیہ، حیدرآباد

Marfat.com

لیے روٹی کا چورا بناتے اور فرماتے یہ ہماری پڑوسن ہیں۔اس لیے ان کا بھی ہم پر حق ہے۔

امام کبیر ابو اسحاق شیرازی ایک دن اپنے رفقا کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ ان کے سامنے ایک کتا آ گیا۔اس کے مالک نے اسے دھتکارا تو آپ نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: کیا تجھے علم نہیں کہ راستہ ہمارے اور کتوں کے درمیان مشترک ہے؟(1)

جب پوری دنیا میں جانوروں کے حقوق کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت جانوروں کے حقوق کی صدا بلند فرمائی اور آپ کی رحمت بے پایاں کے صدقہ میں جانوروں پر ظلم وستم بند ہوا۔اگر آج کہیں بھی حیوانات کے حقوق کی آواز بلند ہو رہی ہے تو اس حقیقت کو جھٹلانا ناممکن ہے کہ یہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیئے ہوئے شعور کا نتیجہ ہے اور آپ کی ہی رحمت بے پایاں کا فیض ہے۔

(5) حقائق پر اعتماد کا شعور

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا جو فیض سب کو ملا جس سے آپ کو ماننے والے بھی مستفیض ہوئے اور نہ ماننے والے بھی۔اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ نے دنیا کو اوہام و خرافات سے نجات دلا کر اسے حقائق پر اعتماد کرنے کا درس دیا اور زمانے کو یہ شعور دیا کہ فیصلے وہم پرستی کی بنیاد پر نہیں کیے جاتے بلکہ دلیل اور حقائق کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ۔(1)

''تاکہ جسے ہلاک ہونا ہو وہ ایک دلیل سے ہلاک اور جسے زندہ رہنا ہو وہ دلیل سے زندہ رہے۔''

جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانے کو حقیقت آشنا کرنے کا بیڑا اٹھایا اس وقت لوگوں میں بہت سے اوہام وخرافات پائے جاتے تھے۔لوگ عموماً دلیل سے نہیں ان توہمات کی بنیاد پر چلتے تھے۔اوہام کا مرض کم وبیش اور کسی نہ کسی روپ میں پوری دنیا میں ہی پایا جاتا تھا۔

1۔تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، ص 177,176، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

عرب کے لوگ بے شمار انسانی خوبیوں سے مزین ہونے کے باوجود بہت سے اوہام وخرافات میں مبتلا تھے۔ وہ کوئی کام کرنے سے پہلے پرندوں سے فال نکالتے تھے۔ اگر کوئی پرندہ دائیں جانب اڑتا تو مبارک سمجھتے اور اگر بائیں جانب اڑتا تو اسے نحوست کی علامت سمجھتے تھے اور اس کام سے باز رہتے تھے۔ سفر میں جاتے تو کسی درخت سے کوئی دھاگا وغیرہ باندھ کر اسے گرہ لگا دیتے۔ واپسی پر آ کر دیکھتے کہ اگر گرہ کھل گئی ہو تو سمجھتے کہ ان کی بیوی نے بددیانتی کی ہے۔ اگر سفر میں راستہ بھول جاتے تو الٹے کپڑے پہن لیتے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اس طرح کرنے سے راستہ مل جاتا ہے۔ وہ سانپ کو قتل نہیں کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر سانپ کو قتل کیا جائے تو ان کا جوڑا آ کر بدلہ لیتا ہے۔ وہ مرض کو متعدی سمجھتے تھے اس لیے مریض سے دور بھاگتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مریض کے ساتھ رہنے والا بھی مریض ہو جاتا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نفی فرمائی تو انہیں یہ بات بڑی عجیب لگی تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک صحیح سلامت اونٹ جب خارش زدہ اونٹوں کے ساتھ ملتا ہے تو وہ بھی خارش زدہ ہو جاتا ہے تو آپ نے ان کے اس شبہ کے جواب میں فرمایا: فمن اعدی الاول کہ اگر دوسرا اونٹ پہلے اونٹ سے ملنے کی وجہ سے بیمار ہو گیا تو پہلے اونٹ کو کس نے بیمار کیا تھا۔ یعنی مرض بذات خود متعدی نہیں ہوتا۔ ہاں بعض امراض میں قدرت نے تعدی رکھی ہے تو انسان کو چاہیے کہ وہ احتیاطی تدابیر اختیار کرے۔ نہ یہ کہ مرض کو متعدی جان کر مریض سے ہی نفرت کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ میت کی ہڈیاں گل سڑ کر الو بن جاتی ہیں اس لیے وہ الو کو منحوس سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جہاں الو بولتا ہے وہاں تباہی آتی ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ اگر مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی روح الو کی شکل میں آ کر کہتی ہے اسقونی، اسقونی۔ مجھے پانی پلاؤ! مجھے پانی پلاؤ۔ اسے ھامۃ کہا جاتا تھا ان کا خیال تھا کہ خبیث لوگوں کی روحیں ان کی موت کے بعد جنگلوں میں بھٹکتی ہیں اور لوگوں کو تنگ کرتی ہیں اسے غول کہا جاتا تھا۔ وہ پرندوں کی آوازوں اور ان کے ناموں سے بھی شگون لیتے تھے مثلاً عقاب سے عذاب، کوڑے سے سفر اور ہد ہد سے ہدایت کا

Marfat.com

شگون لیتے تھے اسے عیافہ کہا جاتا تھا۔ یہ اور اسی طرح کے بہت سے اوہام وخرافات عربوں میں پائے جاتے تھے۔(1)

چونکہ یہ سب توہمات تھے جن کی کوئی علمی بنیاد نہیں تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب چیزوں کی نفی فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

لا عدوی ولا هامة ولا صفر۔(2)

''کوئی بیماری (بذات خود) متعدی نہیں ہوتی اور نہ ہی الو کا بولنا (کوئی اثر رکھتا ہے) اور نہ ہی ماہ صفر منحوس ہے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا عدوی ولا طیرة ولا غول۔(3)

نہ کوئی مرض (فی نفسہ) متعدی ہے نہ پرندوں سے شگون لینے کی کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی (خبیثوں کی روحوں کے) بھوت (بننے) کی کوئی حقیقت ہے۔

آپ نے ایسے تمام اوہام کو شیطانی عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

العیافة والطیرة والطرق من الجبت۔(4)

پرندوں سے فال لینا، کسی چیز سے بدشگونی لینا اور کنکریوں سے فال نکالنا سب شیطانی عمل ہیں۔

توہم پرستی میں جکڑے ہوئے معاشرہ میں اوہام وخرافات کی نفی کی صدا سب سے پہلے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند کی جس سے آپ کو ماننے والے حقیقت آشنا ہوئے اور نہ ماننے والے بھی۔

ایک اور توہم پرستی جس نے نوع انسانی کو اپنے آہنی شکنجے میں کسا ہوا تھا وہ کائنات کا

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ماثبت بالسنہ، ص253 تا260، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دارالاشاعت، کراچی

2۔ موطا امام مالک، ج2، ص946، باب عیادۃ المریض، رقم الحدیث 1695، داراحیاء التراث العربی، بیروت

3۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج22، ص18، رقم الحدیث 14117، موسسۃ الرسالہ، بیروت

4۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج18، ص369، رقم الحدیث 945، سلیمان بن احمد الطبرانی، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

تقدس یا مظاہر فطرت کو مقدس ماننا تھا یہی وجہ تھی کہ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود مظاہر فطرت کے آگے سجدہ ریز تھا۔ وہ جس چیز میں ہیبت وجلال پاتا اسی کے آگے سربسجود ہوتا، جہاں کمال پاتا، اسی کے حضور جھک جاتا۔ کوئی زمین کو دیوتا جان کر اس کے حضور اپنی عبادتوں کے نذرانے پیش کرتا، کوئی چاند کی روشنی اور سورج کی حدت کو اپنا معبود بنالیتا۔ کوئی پہاڑوں کے جلال کو پوجتا اور کوئی آگ کی گرمی کو۔

جب مظاہر فطرت کو اس طرح مقام معبودیت پہ فائز کر دیا جائے تو شرف انسانیت اپنے ہاتھوں اپنا گلہ گھونٹ دیتا ہے اور انسان کائنات کے سینے میں مخفی خزانے نکالنے کا سوچتا بھی نہیں کیونکہ جس دھرتی کو وہ دیوتا سمجھتا ہے وہ اس کا سینہ کیسے پھاڑ سکتا ہے؟ اور جن پہاڑوں کی ہیبت وجلال کے آگے وہ سجدہ ریز ہے وہ ان کا جگر کس طرح شق کر سکتا ہے۔ جب مظاہر فطرت کے تقدس نے شرف انسانی کو اس طرح پامال کر دیا تھا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کو یہ انقلاب آفریں حقیقت بتائی کہ

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ (البقرہ:29)

''وہ (اللہ) وہی ہے جس نے زمین میں تمام چیزیں تمہارے (فائدے کے) لیے پیدا کی ہیں۔''

یعنی کائنات تمہارے لیے مقدس نہیں بلکہ تمہارے رب قدیر نے اسے تمہارے فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اے انسان! تو مظاہرِ فطرت کے آگے جھک کے اپنے شرف و وقار کا خون نہ کر بلکہ اٹھ اور کائنات کا سینہ پھاڑ کے اس مدفون خزانے کو نکال۔ یہ سب کچھ رب نے تیرے لیے پیدا کیا ہے

نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
(اقبال)

اگر تو ہم پرستی کی اس فضا میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کو اس حقیقت سے آشنا نہ

Marfat.com

کرتے تو انسان مظاہر فطرت کے حضور سجدہ ریز ہو کر اپنے شرف و وقار کا گلہ گھونٹتا رہتا اور کبھی بھی کائنات میں چھپے خزائن نہ نکال سکتا۔ مظاہر فطرت کے تقدس کو ختم کر کے اسے انسانی خدمت میں لانے کا شعور دنیا کو رحمت عالم ﷺ نے دیا۔ اسی نظریہ پر جدید سائنس کی بنیاد رکھی گئی۔

قدیم زمانوں میں بادشاہوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے لوگوں کو عجیب و غریب توہم پرستی میں مبتلا کیے رکھا تھا۔ وہ لوگوں کو یہ یقین دلا کر اپنے اقتدار کو طول دیتے تھے کہ وہ دیوتا کے اوتار ہیں یعنی اب خدا کا ظہور ان کی شکل میں ہوا ہے۔ ظاہر ہے جس انسان کی شکل میں خدا کا ظہور ہوا ہو کوئی اس سے اختلاف کیسے کر سکتا ہے؟ وہ کسی قانون کا پابند کیسے ہو سکتا ہے؟

رحمت عالم ﷺ نے توہم پرستی کی بنیاد پر قائم اس سوچ کا قلع قمع کیا اور آپ نے زمانے کو یہ شعور دیا کہ بادشاہ خدا کا اوتار نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کا سربراہ یا امیر مملکت انہی کے مشورہ سے منتخب ہوتا ہے۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ:38)

''اور ان کا معاملہ باہمی مشوروں سے طے ہوتا ہے''۔

یعنی سربراہ مملکت خدا کا اوتار نہیں ہوتا وہ انہیں میں سے ایک انسان ہوتا ہے۔ دیگر انسانوں کی طرح جوابدہ اور قانون کا پابند ہوتا ہے۔ اسی فکر نے لوگوں کو آزادی رائے کا شعور دیا۔ بادشاہ اور رعایا کو قانون کی صف میں برابر کھڑا کیا۔ اگر رحمت عالم ﷺ لوگوں کو ان حقائق سے آگاہ نہ کرتے تو لوگ ''اوتار'' کی توہم پرستی کے سبب نہ کبھی آزادی رائے پا سکتے نہ انہیں اخوت اور مساوات کا مقام نصیب ہوتا۔

کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ہیرا لال چوپڑا نے بالکل درست کہا تھا کہ جدید تاریخ یہ کہتی ہے کہ انسانوں کو آزادی، مساوات اور اخوت فرانسیسی انقلاب کے نتیجہ میں ملی، ایسا نہیں ہے:

Marfat.com

But the first person to proclaim it was the founder of Islam fourteen centuries ago.

لیکن دنیا میں پہلا شخص جس نے ان چیزوں کا اعلان کیا وہ بانی اسلام ﷺ ہیں جنہوں نے چودہ سو سال پہلے یہ شعور دیا۔(1)

انسان جس میدان میں بھی توہم پرستی میں مبتلا تھا رحمت عالم ﷺ نے اسے وہم کے بت توڑ کر حقیقت کا ادراک کرنے کا شعور دیا۔ اس کی ایک واضح مثال سورج یا چاند کا گرہن ہے۔

گرہن کے متعلق لوگوں کے عجیب وغریب خیالات تھے۔ قدیم چین کے لوگوں کا خیال تھا کہ آسمان پر ایک بہت بڑا اژدہا ہے جب وہ سورج کو نگلنے لگتا ہے تو سورج کو گرہن لگ جاتا ہے۔ چونکہ یہ بات بالکل واضح تھی کہ اگر کوئی اژدہا کہیں موجود ہو تو انسانوں کا شور سن کر وہ بھاگ جاتا ہے۔ اس طرح اگر سورج کو گرہن لگ جاتا تو چینی لوگ کسی کھلے میدان میں اکٹھے ہو کر بہت زیادہ شور مچاتے چونکہ سورج گرہن کا ایک مقررہ وقت ہوتا ہے۔ وقت کے ساتھ گرہن ختم ہو جاتا تو وہ لوگ بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے سورج کو اژدہے سے بچالیا۔

عرب کے لوگوں کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی فوت ہو جاتا ہے تو سورج کو گرہن لگ جاتا تو اسے بہت بڑا آدمی سمجھتے۔ یہ سب خیالات توہمات پر مبنی تھے جن کی بنیاد کسی دلیل پر نہیں تھی۔

نبی رحمت ﷺ نے اس توہم پرستی کو ختم کر کے لوگوں کو حقیقت پر اعتماد کا شعور دلایا۔ ہوا یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اتفاق ایسا ہوا اس دن سورج کو گرہن لگ گیا۔ لوگ اپنے سابقہ اعتقاد کے مطابق بہت خوش ہوئے کیونکہ انہیں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی عظمت وشان کے بہت سے پہلو اس سورج گرہن میں نظر آئے۔

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ظہور اسلام، ص 167، مولانا وحید الدین خان، دار التذکیر، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

چونکہ یہ بات توہم پرستی تھی اور کسی حقیقت پر مبنی نہیں تھی اس لیے آپ نے اس موقع پر خاموشی بھی اختیار نہیں فرمائی کہ چلو اگر ایک عظمت خواہ مخواہ حاصل ہوتی ہے تو ہونے دو۔ اس موقع پر آپ کا یہ رویہ آپ کی عظمت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ آپ نے اس توہم پرستی کو ختم کر کے لوگوں کو حقیقت آشنائی کی تلقین فرمائی۔ آپ نے لوگوں کو جمع کیا۔ ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد آپ نے فرمایا:

ان الشمس والقمر آیتان من آیات الله لا یخسفان لموت احد ولا لحیاته فاذا رایتم ذلك فادعوا الله و کبروا و صلوا و تصدقوا۔(1)

''بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے انہیں گرہن نہیں لگتا۔ پس جب تم ایسی چیز دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ اس کی کبریائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔''

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔ آپ نے فرمایا:

هذه الایات التی یرسل الله لا تکون لموت احد ولا لحیاته و لکن یخوف الله به عباده فاذا رأیتم شیأ من ذالك فافزعوا الی ذکره و دعائه و استغفاره۔(2)

یہ نشانیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔ یہ کسی شخص کی موت یا زندگی کے سبب سے نہیں ہوتیں بلکہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس جب تم ایسی چیز دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کا ذکر کرو۔ دعا اور استغفار کی طرف لپکو۔

اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو توہم پرستی سے بچ کر ادراک حقیقت کا شعور دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ انہیں روشنی اسی نے عطا کی ہے۔ وہ جب چاہتا ہے یہ روشن رہتے ہیں اور جب چاہتا ہے کچھ اسباب پیدا فرما کے ان کی روشنی چھین لیتا ہے۔ لہٰذا ان مواقع پر اللہ کی قدرت کا اعتراف کرنا چاہیے۔

1۔ صحیح البخاری، ج 2، ص 234، باب الصدقۃ فی الکسوف، رقم الحدیث 1044، دار طوق النجاۃ

2۔ سنن النسائی، ج 3، ص 153، باب الامر بالاستغفار فی الکسوف، رقم الحدیث 1503، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ، حلب

Marfat.com

آپ کی انہیں تعلیمات نے امت مسلمہ کو اوہام وخرافات سے بچا کر ادراک حقیقت کا رسیا بنا دیا تھا۔ وہ ایسی چیزوں پر اعتماد نہیں کرتے تھے بلکہ حقیقت پر اپنے عمل کی بنیاد رکھتے تھے۔

جب حضرت علی خوارج کے خلاف جنگ کے لیے روانہ ہونے لگے تو ایک نجومی آ کر کہنے لگا کہ امیر المومنین! چاند عقرب میں ہے اس وقت آپ کا نکلنا مناسب نہیں۔ آپ نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور فرمایا میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ضرور نکلوں گا تا کہ تیری تکذیب ہو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے سفر کے لیے نکلے تو چاند عقرب میں تھا تو ایک شخص نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ چاند عقرب میں ہے لہٰذا آپ سفر کے لیے نہ نکلیں۔ تو آپ نے فرمایا:

انا لا نخرج بشمس ولا بقمر ولکنا نخرج باللہ الواحد القھار۔ (1)

''ہم شمس وقمر کے بھروسے پر نہیں نکلتے بلکہ ہم اللہ واحد وقہار پر توکل کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔

جب مصر فتح ہوا تو وہاں کے باشندے حضرت عمرو بن العاص کے پاس آئے۔ کہنے لگے اے امیر! دریائے نیل کی ایک عادت ہے وہ اس کے بغیر چلتا نہیں ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا وہ کیا ہے تو کہنے لگے: جب بؤونہ کا مہینا آتا ہے اور اس کی بارہ راتیں گزر جاتی ہیں تو ہم ایک ایسی لڑکی کو لیتے ہیں جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہو۔ اس کے ماں باپ کو راضی کرتے ہیں۔ اس لڑکی کو سب سے عمدہ کپڑے اور بہترین زیور پہناتے ہیں۔ پھر ہم اسے دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: نہیں، اسلام ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ ایسی باتوں کا قلع قمع کرتا ہے۔

پھر اہل مصر نے ایسا نہ کیا تو دریائے نیل میں پانی نہیں آیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے وہ

1۔ سیرت عمر بن عبد العزیز، ج 1 ص 32، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکم، عالم الکتب بیروت، لبنان

Marfat.com

علاقہ چھوڑ کے کہیں اور جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو اس چیز کا علم ہوا تو آپ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا جو تم نے کیا وہ بالکل صحیح کیا۔ میں اپنے اس خط کے ساتھ تمہارے لیے ایک رقعہ بھیج رہا ہوں۔ تم اسے دریائے نیل میں ڈال دینا۔

جب یہ خط حضرت عمر بن العاص کے پاس پہنچا۔ آپ نے اسے پڑھا تو اسمیں لکھا تھا۔

من عبداللہ عمر امیر المومنین الی نیل اهل مصر اما بعد فائنك ان كنت تجری من قبلك فلا تجری۔ و ان كان الله الواحد القهار هوالذی یجریك فنسأل الله ان یجریك۔

''خدا کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کے نام۔ امابعد، اے دریائے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے بہتا تھا تو مت بہہ اور اگر اللہ واحد وقہار تجھے جاری کرتا تھا تو ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔''

حضرت عمرو بن العاص نے یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا۔ لوگوں نے اگلے دن صبح کے وقت دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل کو جاری کر دیا تھا۔ ایک ہی رات اس کے اندر سولہ ہاتھ پانی آ گیا تھا۔

وقد قطع الله تلك السنة من اهل مصر الی الیوم۔ (1)

اللہ تعالیٰ نے اہل مصر سے اس رواج کو ختم کر دیا جو آج تک ختم ہے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے بغیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیے اہل مصر کو اس رسم سے کیوں روکا؟ اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے انہیں یہ شعور عطا فرما دیا تھا کہ معاملات کی بنیاد توہم پرستی پر نہیں بلکہ دلیل پر ہونی چاہیے چونکہ یہ رسم کسی دلیل پر مبنی نہیں تھی بلکہ اوہام وخرافات پر مبنی تھی اس لیے آپ نے بلاتردد انہیں قبیح رسم سے روک دیا۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج6، ص373، ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر الدمشقی، دار طیبہ للنشر والتوزیع (1420ھ)

Marfat.com

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کے وہ پہلو جن سے ماننے والے اور نہ ماننے والے سب مستفید ہوئے ان کا ایک گوشہ یہ ہے کہ آپ نے زمانے کو اوہام وخرافات سے بچ کر دلیل پر عمل کی بنیاد رکھنے کا شعور دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وشان کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اہل ایمان کے لیے تو آپ کی رحمت کے صدقہ میں ہی انہیں اپنا وجود ملا اور دیگر جو ملتا ہے آپ کے صدقہ میں ہی ملتا ہے اور ملے گا۔

لیکن آپ کی رحمت عامہ کا ایک پہلو یہ ہے جس سے آپ کو ماننے والے اور نہ ماننے والے سب مستفیض ہوئے کہ زمانے کو زندگی گزارنے کے خوبصورت راستے آپ نے ہی سکھائے۔ جہاں بھی زندگی میں کوئی حسن اور خیر نظر آتی ہے وہ آپ کی ہی رحمت کا فیضان ہے۔ وحدت نسل انسانی کا شعور، حقوق نسواں، قانون کی بالاتری، آزادی رائے اور توہم پرستی کی بجائے حقیقت پر عمل کی بنیاد رکھنا وغیرہ۔ زمانے کو ان تمام چیزوں کا شعور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان ہے۔

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق، حضور و اضطراب
(اقبال)

Marfat.com

Marfat.com

منہج دعوت وارشاد......سیرت طیبہ کی روشنی میں

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(یوسف)

''فرمایئے! یہ میرا راستہ ہے میں پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی اور میری پیروی کرنے والے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں''

Marfat.com

وہی ہے قسمت آدم سنوارنے والا
بہ جہر حق سرفاراں پکارنے والا
اسی سے پائی ہے معراج آدمیت نے
زمین کو اوج فلک تک ابھارنے والا
ہمیں سکھاتا ہے تہذیب نفس کے آداب
صفات و ذات کے جوہر نکھارنے والا
ہجوم خلق کے ہمراہ میں بھی اے تابش
اسی کے در کا ہوں دامن پسارنے والا
(تابش دہلوی)

Marfat.com

تمام انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد اولیں یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا جائے۔ انہیں غیر اللہ کی بندگی سے بچا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تلقین کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل:36)

''یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (تاکہ وہ لوگوں کو بتائے کہ اے لوگو!) اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو''۔

دعوت الی اللہ کے اسی فریضہ کو آخری حد تک پہنچانے کے لیے حضور اکرم ﷺ کی جلوہ گری ہوئی۔ آپ کی بعثت کا مقصد وحید بھی دعوت و ارشاد اور رجوع الی اللہ ہی تھا۔ قرآن کریم میں آپ کے منہج زندگی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ (یوسف:108)

''فرمائیے! یہ میرا راستہ ہے۔ میں پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی اور میری پیروی کرنے والے بھی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں''۔

رسول کریم ﷺ نے لوگوں کو اس انداز سے اللہ کی طرف بلایا کہ آپ کی بات دلوں میں گھر کرتی گئی۔ کئی نسلوں سے جاری شرک کی زنجیریں ٹوٹتی گئیں اور نغمہ توحید دلوں میں اترتا گیا اور بہت ہی کم عرصہ میں شرک کی جگہ توحید کا نظام نافذ ہو گیا۔

یوں تو رسول کریم ﷺ کی ہر ادا اہل ایمان کیلئے دارین کا سرمایہ ہے لیکن آپ کے منہج دعوت و ارشاد کو جاننا ہم سب کے لیے چند وجوہات کی بنا پر بہت ہی ضروری ہے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے آپ کی عظمت و شان کا ایک لازوال نقش ہمارے دلوں

Marfat.com

پر ثبت ہو جائے گا کہ آپ دعوت الی اللہ کے مشن میں اس قدر مخلص اور مگن تھے کہ ہر ایسی چیز جو اس راہ میں رکاوٹ بن سکتی تھی آپ نے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ کوئی بھی رکاوٹ اس کا تعلق ذات سے ہو یا مفاد سے، رسم ورواج سے ہو یا کسی بھی دوسری چیز سے اس راہ میں ذرہ برابر حائل نہ ہو سکی۔ یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاص اور آپ کی للّٰہیت کی اتنی بڑی دلیل ہے کہ جس میں جتنا بھی غور کیا جائے گا کم ہو گا۔

آپ کے منہج دعوت وارشاد کو جاننے کا دوسرا اہم اور بنیادی سبب یہ ہے کہ دعوت و ارشاد کا جو فریضہ انبیاء کرام علیہم السلام سرانجام دیتے تھے اس کی آخری کڑی حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات کے بعد کسی نبی نے تو آنا نہیں تھا اس لیے دعوت و ارشاد کی یہ ذمہ داری امت مسلمہ کا فرض منصبی ہے جیسا کہ متذکرہ آیہ کریمہ میں بھی فرمایا گیا۔ انا و من اتبعنی یعنی میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میری پیروی کرنے والے بھی اور خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

فلیبلغ الشاهد الغائب۔(1)

جو یہاں موجود ہیں وہ میری یہ باتیں ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔

ایک موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

بلغوا عنی ولو آیة۔(2)

''مجھ سے (سیکھ کے) آگے پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک آیت کا ہی علم ہو۔''

اس امت کی خصوصیت اور اس کی افضلیت کا سبب ہی یہ بیان کیا گیا کہ

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران: 110)

''تم اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔''

اس سے بخوبی واضح اور عیاں ہو رہا ہے کہ امت مسلمہ کا یہ فریضہ ہے کہ ان میں سے ہر

1۔ صحیح البخاری، ج9، ص50، باب خطبۃ حجۃ الوداع، رقم الحدیث 7078، دار طوق النجاۃ (1422ھ)

2۔ سنن الترمذی، ج5، ص40، باب الحدیث عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث 2669، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

فرد اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے گا۔ اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہج دعوت وارشاد کو سمجھنے کی اہمیت وافادیت مزید واضح ہوجاتی ہے کہ جس طرح زندگی کے دیگر شعبوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ اسوہ حسنہ ہے تو دعوت و ارشاد کے میدان میں بھی ملت اسلامیہ کبھی بھی سبکدوش نہیں ہوسکتی اگر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہج دعوت وارشاد کو خضر راہ نہ بنائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ منہج دعوت وارشاد کیا تھا جس کی وجہ سے اتنا بڑا انقلاب رونما ہوا اور لوگ کفر وشرک کی آبائی دنیا چھوڑ کر نشہ توحید سے مست ہوتے گئے۔ داعی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہج دعوت وارشاد کے چند بنیادی نکات ملاحظہ ہوں۔

(i) عظمت کردار

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طریقہ سے لوگوں کو حق کی طرف دعوت دی اس کا سب سے پہلا نکتہ آپ کے کردار کی عظمت ہے۔ اگر دعوت وارشاد کی بنیاد انسان کے کردار کی عظمت پر نہ ہو تو دعوت ایک فن یا رسم تو بن سکتی ہے دلوں کو فتح نہیں کرسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنا عقیدہ بہت ہی محبوب ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کو اپنی رائے بے حد محبوب ہوتی ہے۔ اگر داعی کا کردار کسی کے دل کو فتح نہ کرے تو محض لفظوں کا ہیر پھیر اور آواز کا اتار چڑھاؤ ایک وقتی ہلچل تو مچا سکتا ہے لیکن اس کے دل میں ایک تبدیلی نہیں لاسکتا۔ کردار کی یہ عظمت محض کسی پلاننگ کا حصہ نہیں ہونی چاہیے بلکہ داعی کی سرشت اور فطرت ہونی چاہیے ورنہ کار دعوت ناتمام رہے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت نے قلب ونظر کی دنیا میں ایک ہمہ جہتی انقلاب اس لیے پیدا کیا کہ آپ کی دعوت کی پشت پر کردار کی طاقت تھی۔ انسان کو جس کا کردار موثر نہ کرے اس کے الفاظ کبھی موثر نہیں کرسکتے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جسے ہماری خاموشی فائدہ نہیں دے گی اسے ہماری گفتگو بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہج دعوت وارشاد کا پہلا سبق اور بنیادی نکتہ یہ ہے کہ داعی کا کردار اس کی دعوت کی صداقت کی نشانی ہونا چاہیے۔ اس کے دعوی کی پہلی دلیل اس کا کردار ہونا چاہیے۔ داعی

Marfat.com

اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دعویٰ نبوت پر اپنے کردار کو ہی دلیل بنایا تھا۔

ارشاد باری ہوا

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس:16)

''فرمایئے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں تمہیں اسے پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے آگاہ کرتا۔ میں اس سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر بسر کر چکا ہوں۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔''

یہ آپ کے کردار کی عظمت ہی تھی کہ آپ کے دشمن بھی آپ کو صادق اور امین کہتے تھے۔

جو تیری جان کے دشمن تھے وہ بھی کہتے تھے
امین تو ہے صداقت کی آبرو تو ہے

جب تنصیب حجر اسود کے موقع پر انہوں نے سب سے پہلے آپ کو حرم میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو پکار اٹھے

هذا الامين، رضينا، هذا محمد۔(1)

''یہ امین ہیں ہم ان کے فیصلے سے راضی ہیں یہ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں''

آپ کے کردار کی عظمت اس قدر مسلمہ تھی کہ آپ کا شدید ترین مخالف ابوسفیان بھی اس کا انکار نہ کر سکتا تھا۔ ابوسفیان خود کہتے ہیں کہ ہرقل شاہ روم نے مجھ سے پوچھا:

فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال قلت لا قال فهل يغدر قلت لا۔(2)

''کیا تم نے کبھی اسے اپنی بات میں جھوٹا پایا؟ میں نے کہا: نہیں! اس نے کہا: کیا اس نے کبھی وعدہ خلافی کی؟ میں نے کہا نہیں۔''

1۔السیرۃ النبویہ، ج1 ،ص224۔ابن ہشام، دار الریان للتراث (1408ھ)

2۔صحیح البخاری، ج1 ،ص9، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، رقم الحدیث 7، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

اگر داعی کا کردار اس کے دعویٰ کی صداقت پر دلیل نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ کار دعوت پایہ تکمیل کو نہیں پہنچے گا بلکہ عین ممکن ہے داعی کی بے عملی اس کی دعوت کی صداقت میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے اور اس کی ذات ہی اس کی دعوت کی نشر و اشاعت کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور حالت کچھ یوں ہو جائے کہ

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانانان تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
(اقبال)

(ii) دعوت خیر اور شدت احساس

داعی اعظم ﷺ کے منہج دعوت و ارشاد کا دوسرا اہم نکتہ دعوت خیر میں احساسات کی شدت کا پایا جانا اور اخلاص کے مچلتے جذبوں کی فراوانی ہے۔ سیرت طیبہ کا یہ پیغام ہمیں کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ کار دعوت نہ کاروبار ہے، نہ حصول اقتدار کا راستہ ہے اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی تجارت ہے۔ بلکہ یہ سراسر مخلوق کی بھلائی کے پاکیزہ جذبات اور یکطرفہ خیر خواہی کا نام ہے۔ یہ محض ایک رسم نہیں ہے بلکہ خیر کے مچلتے جذبوں کی فراوانی کا نام ہے۔ جب تک داعی ان جذبات سے محروم ہوگا وہ رسمیں تو ادا کر سکتا ہے لیکن کار دعوت میں کامیابی کی سعادتوں سے محروم رہے گا۔

اگر ایک ماں کا بیٹا بگڑ جائے وہ صراط مستقیم سے ہٹ کر برائی کی راہوں پر چل نکلے تو ماں اسے سمجھاتی ہے۔ بار بار سمجھاتی ہے۔ مختلف انداز سے اسے برائی سے روکنے کی کوشش کرتی ہے۔ ماں کا یہ سمجھانا صرف رسم نہیں ہوتا کہ ایک دو مرتبہ سمجھانے کے بعد وہ کہے کہ بس میں نے سمجھا دیا اب اس کی مرضی ہے اور خود بے فکر ہو کر بیٹھ جائے بلکہ اگر لاکھ بار سمجھانے کے باوجود بھی بیٹا نہ سمجھے تو ماں اندر سے کڑھتی رہتی ہے جب تک داعی مخلوق کی بہتری کیلئے کڑھنے اور تڑپنے کے مقام کو نہیں پہنچے گا۔ وہ اس مقدس فریضہ میں کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں نہاں صاحب ساز کا لہو
(اقبال)

مخلوق کی بہتری کے لیے یہ کرب اور تڑپ داعی اعظم ﷺ کے منہج دعوت وارشاد کا ایک اہم نکتہ ہے۔ جب منکرین حق دعاؤں کے جواب میں پتھر مارتے تھے۔ جب ان کا تعصب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ آپ کی دعوت قبول کرنے پر تباہ ہو جانے کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ غلاف کعبہ کو تھام کے یہ دعا مانگتے تھے۔

اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ (انفال:32)

''اے اللہ! اگر تیرے نزدیک یہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے۔ یا ہم پر دردناک عذاب بھیج دے۔''

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اگر یہ سچے ہیں تو ہمیں ان پر ایمان لانے کی توفیق دے دے، بلکہ یہ کہا کہ اگر یہی حق ہے تو ہم پر پتھر برسادے یا عذاب کا کوڑا برسادے۔ یعنی وہ تباہ تو ہو جانا چاہتے تھے لیکن آپ کو ماننا نہیں چاہتے تھے۔ وہ آپ کو ماننے پر تباہ ہو جانے کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کا تعصب اس حد کو پہنچا ہوا تھا لیکن رسول رحمت ﷺ نہ صرف انہیں دن رات حق کی طرف دعوت دیتے رہتے تھے بلکہ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی پر ایک شدید قسم کے کرب میں بھی مبتلا تھے اور ہر وقت ان کی بہتری کے لیے تڑپتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے قلب مبارک کی اس کیفیت کا تذکرہ یوں فرمایا

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ (الشعراء:3)

''کہیں آپ اپنی جان پر ہی نہ کھیل جائیں کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔''

یہ رسول کریم ﷺ کے احساسات کی شدت کا بیان ہے۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ سیرت طیبہ کا پیغام یہ ہے کہ جب تک داعی مدعو کیلئے اخلاص کے جذبوں سے تڑپتا نہ

Marfat.com

رہے وہ دعوت وارشاد کا مقدس فریضہ ادا کرنے سے قاصر رہے گا اور جس شخص کو مدعو کی بہتری کے لیے تڑپنا نصیب ہو جائے وہی شخص راہ سنت کو اختیار کرنے والا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی دعوت وارشاد کو برابری کی سطح پر سرانجام نہیں دیا بلکہ بھٹکے ہوؤں کو راہ راست دکھانے کے لیے ہمیشہ یکطرفہ خیر خواہی کا مظاہرہ کیا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب مخالفین کی جانب سے آپ کو سخت ترین حالات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ تب بھی آپ نے ان کی ہدایت کے لیے دعا ہی فرمائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ داعی کو اپنی دعوت سے اس قدر کامل وابستگی ہونی چاہیے کہ مدعو کا کوئی بھی رویہ اسے اس خیر کی دعوت سے باز نہ رکھ سکے۔

جب آپ لوگوں کو حق کا پیغام پہنچاتے رہے تھے تو قریش کا ایک وفد حضرت ابو طالب کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا: آپ ہمارے نزدیک بڑے معزز ہیں۔ ہم نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو روکیں لیکن آپ نے انہیں نہیں روکا۔ واللہ! اب ہم اپنے آبا کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ اور اپنے معبودوں کے متعلق یہ باتیں نہیں سن سکتے۔ اب یا تو آپ انہیں اس بات سے روک دیں یا ہم آپ سے اور ان سے مقابلہ کریں گے یہاں تک کہ ہم میں سے ایک فریق تباہ ہو جائے۔ یہ بات کہہ کر وہ لوگ چلے گئے لیکن حضرت ابو طالب کو یہ بات بڑی شاق گزری۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا اور قریش کی باتوں سے مطلع کیا اور انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ بدستور اپنی اور میری ذمہ داری پر قائم رہیں لیکن لاتحملنی من الامر مالا اطیق۔ مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈالیے جسے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ اپنے چچا کی یہ گفتگو سن کر آپ نے سوچا کہ اب معاملہ شاید ان کے اختیار سے نکل رہا ہے اور اب ان میں آپ سے مزید تعاون کی سکت نہیں رہی یعنی جو ایک ظاہری سہارا آپ کو حاصل تھا وہ بھی چھوٹتا ہوا نظر آیا۔ اس موقع پر اگر خیر کے جذبات کی شدت اپنی انتہاؤں کو چھو نہ رہی ہوتی تو شاید آپ اس معاملہ میں کوئی اور فیصلہ کر لیتے لیکن

Marfat.com

اس حساس ترین موقع پر رسول کریم ﷺ نے اپنے چچا جناب ابو طالب سے عرض کیا:

یا عم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ او اھلک فیہ ما ترکتہ۔(1)

''اے میرے چچا! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور یہ کہیں کہ میں دعوت حق کو چھوڑ دوں تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کردے یا میں اس راہ میں اپنی جان قربان کردوں۔''

یہ فرما کے رسول کریم ﷺ کی چشمہائے مبارک سے آنسو چھلک پڑے اور آپ کھڑے ہو گئے۔ پھر جناب ابو طالب نے آپ سے فرمایا:

اذھب یا ابن اخی فقل ما احببت فواللہ لا اسلمک لشیء ابدا۔(2)

''میرے بھتیجے! جایئے اور جو آپ چاہتے ہیں کہیے۔ خدا کی قسم! میں کبھی بھی آپ کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔''

آپ کی حیات مبارکہ کے اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو دعوت وارشاد کے ساتھ کس قدر کامل وابستگی تھی۔ اگر داعی کو یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو وہ بہت جلد ہمت ہار جائے گا اور کار دعوت سے دستبردار ہو جائے گا۔ اسی سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے دعوت وارشاد کے منہج میں دعوت سے کامل وابستگی اور خیر پھیلانے کے لیے مچلتے جذبوں کی کیا اہمیت ہے۔

(iii) لالچ سے مبرا

کبھی ایک داعی دعوت خیر میں مگن ہوتا ہے وہ بڑے ہی پاکیزہ جذبات سے اللہ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچا رہا ہوتا ہے تو شر کے رسیا جب دیکھتے ہیں کہ ہر قسم کی سختی اور جبر کے تمام ہتھکنڈے ناکارہ ہو چکے ہیں تو پھر وہ داعی کو قابو کرنے کے لیے لالچ کا جال پھینکتے

1۔ السیرۃ النبویہ، ج1 ص299، ابن ہشام۔ دارالریان للتراث
2۔ نفس مصدر، ج1 ص299

Marfat.com

ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک دل بے نیاز کی نعمت سے نہ نوازا ہو تو اس موقع پر بڑے بڑوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔

عالم فاصل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوت وارشاد کے منہج میں یہ چیز بھی بڑی نمایاں ہے کہ آپ نے جیسے ان کی دھمکیوں کی پروا نہیں کی ویسے ہی ان کی ہر پیش کش کو بھی پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور دعوت الی اللہ کے مقدس فریضہ کی ادائیگی میں مگن رہے۔

ایک مرتبہ عتبہ، شیبہ، ابوسفیان اور دیگر بہت سے سردار کعبہ شریف کے پاس جمع ہوئے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں بلایا جائے اور ان سے دوٹوک بات کی جائے۔ ان میں سے ایک آدمی گیا اور اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ قوم کے سردار حرم میں اکٹھے ہیں۔ وہ آج آپ سے فیصلہ کن بات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ آئیں اور ان سے بات کر لیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات سنتے ہی تشریف لائے تو انہوں نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ ہم آج آپ سے دوٹوک بات کرنا چاہتے ہیں۔ کہنے لگے: خدا کی قسم! آپ نے اپنی قوم کو جس مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے ہم نہیں جانتے کہ کسی اور نے اپنی قوم سے ایسی زیادتی کی ہو۔ آپ ہمارے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ہمارے دین میں عیب نکالتے ہیں، ہمارے معبودوں کی مذمت کرتے ہیں۔ ہمیں بیوقوف کہتے ہیں۔ آپ نے ہمارے اتحاد کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ آپ نے ہر طریقے سے اپنی قوم کو پریشان کیا ہے۔ وہ کہنے لگے۔

فان كنت انما جئت بهذا الحديث تطلب به مالا جمعنالك اموالنا حتى تكون اكثرنا مالا۔ و ان كنت انما تطلب به الشرف فينا فنحن نسودك علينا و ان كنت تريد به ملكا ملكناك علينا۔

”آپ کی اس تمام جدوجہد سے اگر آپ کا مقصد دولت جمع کرنا ہے تو ہم آپ کے لیے اتنا مال اکٹھا کر دیتے ہیں کہ آپ ہم میں سے سب سے زیادہ دولت مند ہو جائیں گے

Marfat.com

اور اگر آپ عزت وسعادت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور اگر آپ تاج و تخت کے خواہشمند ہیں تو ہم آپ کے سر پر تاج شاہی سجا دیتے ہیں۔''

انہوں نے اپنا اخلاص دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر آپ پر کوئی آسیب کا اثر ہے جس کی وجہ سے آپ نے قوم کا امن وسکون تباہ کر دیا ہے تو تب بھی ہمیں بتا دیں۔ ہم ماہر ترین طبیب سے ان کا علاج کروا دیتے ہیں۔

اس طرح انہوں نے داعی حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مادی مفادات کے لالچ میں پھنسانے کی کوشش کی اور جس ذات گرامی کے قدموں پر مالک ارض وسما نے دونوں جہانوں کے خزانے ڈھیر کر دیئے تھے اور جنہیں زمین وآسمان کی چابیاں دے دی گئیں تھیں اس ذات عالی کو مال وزر کا لالچ دینے کی کوشش کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ساری بات بڑے تحمل سے سنی اور پھر آپ نے بڑے وقار سے انہیں فرمایا۔

ما بی ما تقولون ما جئت بما جئتکم به اطلب اموالکم ولا الشرف فیکم ولا الملك علیکم ولکن الله بعثنی الیکم رسولا، وانزل علی کتابا و امرنی ان اکون لکم بشیرا و نذیرا فبلغتکم رسالات ربی و نصحت لکم فان تقبلوا منی ما جئتکم به فهو حظکم فی الدنیا والاخرة وان تردوه علی اصبر لامر الله حتی یحکم الله بینی و بینکم۔(1)

جو تم کہتے ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں میں نہ تم سے مال ودولت کا خواہاں ہوں۔ نہ عزت وسیادت کا نہ بادشاہی کا۔ بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بن جاؤں۔ میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے اور تمہارے ساتھ خیر خواہی کی۔ اگر تم میری دعوت کو قبول کر لو تو تم دنیا اور آخرت میں سعادت مند ٹھہرو گے اور اگر تم اسے مسترد کر دو تو میں حکم الٰہی کی تعمیل میں صبر کا مظاہرہ کرتا رہوں گا۔

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، السیرۃ النبویہ، ج 1، ص 325-324، ابن ہشام، دار الریان للتراث

Marfat.com

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔

سیرت طیبہ کے اس منظر سے یہ پیغام بڑے صاف الفاظ میں سنائی دے رہا ہے کہ حق کے داعی کو مالک ارض وسما کی عطاؤں پر نظر رکھنی چاہیے۔ اسے ہر قسم کے لالچ کو ٹھکرا کے دعوت حق کی حسین اور دلکش راہوں پر گامزن رہنا چاہیے۔

(iv) طعن وتشنیع کو خاطر میں نہ لانا

رسول کریم ﷺ کے منہج دعوت وارشاد کا ایک اہم نکتہ اپنے مشن میں مگن رہنا اور کسی بھی قسم کی طعن وتشنیع کو کسی خاطر میں نہ لانا ہے۔ اس راہ کے مسافروں کے لیے یہ مقام بہت ہی لائق توجہ اور قابل غور ہے۔ کبھی ایک شخص بڑے اخلاص اور بھرپور جدوجہد سے دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ وہ بغیر کسی مادی لالچ کے لوگوں کی بہتری میں کوشاں ہوتا ہے۔ یہ طبعی سی بات ہے کہ وہ چاہتا ہے لوگ اس پیغام حق کو قبول کرلیں تاکہ اس کی محنت کو یہاں بھی اس کا ثمر مل جائے لیکن نتیجہ اس کی خواہش کے خلاف نکلتا ہے لوگ نہ صرف یہ کہ اس کی دعوت خیر کو قبول نہیں کرتے الٹا اس پر مختلف قسم کے طعن وتشنیع کے تیر برسانے شروع کردیتے ہیں یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جہاں قوی امکان ہوتا ہے کہ داعی کی ہمتیں جواب دے جائیں اور وہ اس راہ سے ہٹ کر کوئی اور ایسا راستہ اختیار کرلے جو اگرچہ حق سے کتنا ہی دور ہو لیکن لوگوں کے ذوق اور ان کی خواہشات کے مطابق ہو جس پر چلنے کے سبب لوگ اس پر طعن وتشنیع نہ کریں بلکہ اسے سر اور آنکھوں پر بٹھائیں۔

اس مرحلہ پر داعی اعظم ﷺ کا اسوہ انسان کی بہترین اور کامل رہنمائی کرتا ہے۔ جب تک رسول کریم ﷺ نے لوگوں کو راہ حق کی طرف نہیں بلایا تھا وہ لوگ آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے وہ آپ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ حجر اسود کو نصب کرنے کے موقع پر وہ آپ کو دیکھ کر پکار اٹھے تھے کہ صادق وامین محمد ﷺ آگئے۔ ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں لیکن جونہی آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ وہ لوگ عزت واحترام کی تمام راہوں کو چھوڑ کر طنز اور طعن وتشنیع کے تیر برسانے لگے۔ انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی میں

Marfat.com

اپنی ہی کہی ہوئی تمام باتوں کو ٹھکرا دیا۔ جس ذات گرامی کی بصیرت کو وہ خود سلام کیا کرتے تھے۔ اسی ذات عالی کے متعلق کہنے لگے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾ (الحجر:6)

''اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا تو تو دیوانہ ہے۔''

جس صادق وامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق وایفا کو وہ آئیڈیل بنا کے پیش کرتے تھے۔ اسی کو جادوگر اور جھوٹا کہنے لگے۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾

(ص:4)

''اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا اور کافروں نے کہا یہ جادوگر ہے جھوٹا ہے۔''

جس کلام کے متعلق آپ لوگوں سے کہتے تھے کہ لوگو سنو! یہ اللہ کا کلام ہے جسے اللہ نے تمہاری بھلائی کے لیے اتارا ہے وہ اسی کو شاعرانہ تخیل کہنے لگے

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ (الصافات:36)

''اور وہ کہا کرتے تھے کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں؟''

کیا ان کی اس طعن وتشنیع سے ہمت ہار کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کار دعوت کو ترک کر دیا؟ نہیں۔ یقیناً نہیں بلکہ آپ ان کی تمام باتوں سے بے نیاز ہو کر اپنے مشن میں مگن رہے۔ قریش مکہ تو اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے آپ کے اسم گرامی کو ہی بگاڑنا شروع کر دیا۔ آپ کا اسم گرامی تھا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہوں نے تعصب کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو مذمم کہنا شروع کر دیا جس کا معنی ہے مذمت کیا گیا۔ آپ اس سے بھی شکستہ دل نہیں ہوئے بلکہ آپ نے اس شر میں بھی خیر کو تلاش کر لیا اور نہایت لطیف طریقہ سے اس وار سے بھی اپنے آپ کو بچا کے دعوت الی اللہ کے مشن میں مگن رہے۔ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب قریش مکہ نے آپ کو مذمم کہنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا:

Marfat.com

الا تعجبون کیف یصرف اللہ عنی شتم قریش ولعنھم یشتمون مذمما و یلعنون مذمما وانا محمد۔(1)

''کیا تمہیں اس چیز پر تعجب نہیں ہو رہا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح قریش کے سب وشتم اوران کی لعن طعن کو مجھ سے پھیر دیا۔ وہ مذمم کو سب وشتم کرتے ہیں اور مذمم کو لعن طعن کرتے ہیں اور میں تو محمد ہوں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا یہ پہلو ہر کسی کو اور بالخصوص حق کے ہر داعی کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ اسے طعن وتشنیع کے جواب میں الجھ کر اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہیے بلکہ کار دعوت پر صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مقصد کے حصول میں مگن رہنا چاہیے۔ جو شخص حق کے لیے مشکلات اٹھائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دونوں جہانوں کی آسانیاں پیدا فرمائے گا اور جو شخص حق کے لیے اپنی عزت وآبرو قربان کرے گا حق پر اپنی عزت کو ترجیح نہیں دے گا بلکہ اپنی عزت پر حق کو ترجیح دے گا اللہ تعالیٰ اسی شخص کو دارین کی عزتوں کے تاج پہنائے گا۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں
(اقبال)

(v) ظلم وتشدد کا رکاوٹ نہ بننا

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو منکرین حق نے مختلف مراحل میں اپنا ردعمل ظاہر کیا۔ پہلے مرحلہ میں انہوں نے نظر انداز کرنے کی پالیسی اپنائی۔ ان کا خیال تھا کسی خاطر میں نہ لاؤ یہ آواز اپنے آپ دب جائے گی۔ جب ان کی خوش فہمیوں کے برعکس حق کا اجالا پھیلتا ہی گیا تو پھر انہوں نے طعن وتشنیع کا طریقہ اختیار کیا تاکہ طعن وتشنیع کے زہریلے تیروں سے وہ آپ کو گھائل کر دیں اور کار دعوت سے باز

1۔ صحیح البخاری، ج4، ص186، باب ماجاء فی اسماء الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث 3532، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

آجائیں۔ جب ان کے یہ سب ہتھکنڈے بھی ناکارہ چلے گئے تو اگلے مرحلہ پر انہوں نے ظلم وتشدد کا راستہ اپنایا کہ جو آواز طعن وتشنیع اور مادی مفادات کے لالچ سے نہیں دب سکی اسے طاقت کے بل بوتے پر دبا دیا جائے۔ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت وارشاد کے عمل سے روکنے کے لیے مختلف قسم کے ظلم وستم اور جبر وتشدد اپنائے۔

بعثت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوا تھا لیکن بعثت کے بعد اس نے نہایت درشتی اور بداخلاقی سے دونوں کو طلاق دلوادی۔ قریش اس مرحلہ میں تمام خونی تعلقات اور اخلاقی اقدار بھی بھول گئے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابولہب بہت خوش ہوا وہ دوڑتا ہوا اپنے رفقا کے پاس آیا اور انہیں یہ بشارت سنائی: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل ختم ہوگئی۔ عاص بن وائل کے متعلق بھی ایسا ہی مروی ہے۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا نام اروی تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتی تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے شوہر کی مذمت میں قرآن مجید کی ایک سورت نازل ہوئی ہے تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں مسجد حرام میں پہنچی۔ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہیں تشریف فرما تھے۔ یہ مٹھی بھر پتھر لیے ہوئے تھی۔ وہ آپ کے سامنے کھڑی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہوں کو سلب کر لیا۔ وہ آپ کو نہ دیکھ سکی اس نے ابوبکر صدیق سے پوچھا تمہارے صاحب کہاں ہیں۔ مجھے پتا چلا ہے وہ میری ہجو کرتا ہے۔ بخدا اگر وہ مجھے مل جائیں تو میں انکے منہ پر یہ پتھر دے ماروں گی۔ دیکھو اللہ کی قسم! میں بھی شاعرہ ہوں۔ پھر اس نے یہ شعر پڑھا

مذمما عصینا وامرہ ابینا و دینہ قلینا

''ہم نے مذمم کی نافرمانی کی۔ اس کی بات کو نہ مانا اور اس کے دین کو نفرت سے چھوڑ دیا۔''

اس کے بعد چلی گئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: کیا اس نے آپ کو

Marfat.com

نہیں دیکھا؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو سلب کر لیا تھا۔ (1)

ابولہب، حکم بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء اور ابن الاصداء ہذلی یہ وہ لوگ تھے جو رسول کریم ﷺ کو اذیت دینے میں پیش پیش تھے۔ جب آپ گھر میں نماز پڑھتے تھے تو یہ لوگ باہر سے آپ کے اوپر گندگی پھینک دیتے۔ پکتی ہوئی ہنڈیا میں کوئی قبیح چیز پھینک دیتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل بھی اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا: کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد ﷺ سجدہ کریں تو ان کی پشت پر ڈال دے؟ اس وقت عقبہ بن ابی معیط قوم کا بدبخت ترین آدمی اٹھا اور اوجھڑی لا کر انتظار کرنے لگا۔ جب آپ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوئے تو اس نے وہ اوجھڑی آپ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان ڈال دی۔ وہ لوگ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ آپ ﷺ سجدہ میں پڑے رہے۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور انہوں نے وہ اوجھڑی اٹھا کر پھینکی۔ (2)

ظلم وستم کے یہ سب انداز آپ کو دعوت حق سے نہ روک سکے اور آپ مکمل یکسوئی اور انہماک سے اپنا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ جبر وتشدد مکہ تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ طائف والوں نے تو تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ انہیں دعوت حق دینے کی وجہ سے انہوں نے آپ پر پتھر برسائے اور پتھر مار مار کے آپ کو لہولہان کر دیا جب بعد میں فرشتہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس دیا جائے۔ عرض کی: میرے مالک، نہیں ایسا نہ کرنا اگر یہ مسلمان نہیں ہوتے تو شاید ان کی آنے والی نسلیں ہی اسلام قبول کر لیں۔

1۔ البدایہ والنہایہ، ج 6، ص 303، ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، صحیح البخاری، ج 1، ص 57۔ باب اذا القی علی ظھر المصلی الخ۔ رقم الحدیث 240، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

ظلم و تشدد صرف آپ کی ذات تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آپ کے ساتھیوں پر بھی ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت یاسر، حضرت صہیب، حضرت سمیعہ، حضرت زنیرہ، حضرت ابوفکیہہ اور حضرت لبینہ رضی اللہ عنہم پر جس طرح ظلم و تشدد کیا گیا اس کا تصور کرتے ہی انسان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔(1)

منکرین حق کا خیال تھا کہ شاید جبر و تشدد کے یہ طریقے اپنا کے وہ اس حق کی آواز کو دبا دیں گے اور صداقت کا یہ چراغ بجھا دیں گے لیکن وہ اس حقیقت ابدی سے ناواقف تھے کہ وہ چراغ کبھی نہیں بجھ سکتا جسے خود حق نے روشن کیا ہو اور خود ہوائیں جس کی حفاظت پر مامور کر دی گئیں ہوں

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

سیرت طیبہ کا یہ پہلو ہر داعی حق کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ جبر و تشدد کے ہتھکنڈے اور ظلم و ستم کے مختلف انداز کسی بھی داعی کو دعوت حق سے روک نہ دیں بلکہ اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ راستہ پھولوں کی سیج نہیں۔ یہ راہ بڑی پرخار ہے۔ داعی حق کو ان کانٹوں بھری راہوں پر مسکراتے ہوئے چلنا اور داعی حق کا مقدس فریضہ سرانجام دیتے رہنا ہے۔

(vi) سنگینی حالات میں ہمت نہ ہارنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق دعوت و ارشاد کا ایک اہم پیغام یہ ہے کہ راہ دعوت میں مشکلات کے جتنے بھی پہاڑ کھڑے ہو جائیں اور جتنے بھی گھمبیر مسائل سینہ تان کے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کریں داعی کو کبھی بھی ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ اسے شدید ترین حالات میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت پر پورا پورا یقین ہونا چاہیے۔

ابھی پچھلے صفحات میں ذکر ہوا کہ جب قریش اکٹھے ہو کر حضرت ابو طالب کے پاس آئے۔ انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ ہمارے لیے معزز ہیں لیکن آپ کے بھتیجے نے ہمیں

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ سیرت النبی، ج 1، ص 140-141، علامہ شبلی نعمانی، مکتبہ مدنیہ، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

ایک بڑے کرب میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتے ہیں ہمارے آباؤ اجداد کی توہین کرتے ہیں۔ آپ انہیں روکیں یا ہم آپ سے مقابلہ کریں گے یہاں تک کہ ہم میں سے ایک فریق تباہ ہو جائے۔

تمام تر اخلاص اور ساری محبتوں کے باوجود حضرت ابو طالب نے یہ محسوس کیا کہ حالات ان کے اختیار سے باہر ہو رہے ہیں اور وہ اکیلے پوری قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

یا ابن اخی! ان قومك قد جاءونی فقالوا لی كذا و كذا للذی كانوا قالوا له فابق علی و علی نفسك ولا تحملنی من الامر مالا اطیق۔ (1)

''اے میرے بھتیجے! آپ کی قوم میرے پاس آئی تھی انہوں نے مجھے ایسے ایسے کہا ہے۔ انہوں نے کہا جو کہا۔ آپ اپنی اور میری ذمہ داری پر قائم رہیں اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈالیں جسے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔''

کسی بھی داعی حق کے لیے یہ مقام بہت ہی قابل غور ہے۔ اس معاشرہ میں صرف ایک جناب ابوطالب ہی تھے جو قریش سے آپ کا دفاع کرتے تھے اور بظاہر انہی کی پشت پناہی سے آپ دعوت حق کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں لیکن یہاں آ کر حالات ان کے دائرہ کار سے بھی باہر ہو گئے اور وہ بھی تمام تر محبتوں کے باوجود زمینی حقیقتوں کا ادراک کرتے ہوئے اپنی معذوری ظاہر کرنے لگے یعنی جو آخری سہارا نظر آ رہا تھا وہ بھی چھوٹتا ہوا نظر آیا تو ان سخت ترین حالات میں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمت ہار دی اور کار دعوت ترک کر دیا؟ نہیں۔ یقیناً آپ اپنے رب کی رحمت اور دستگیری سے قطعاً مایوس نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے کار دعوت کو جاری رکھنے کا پرزور فرمایا اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پہ سورج اور بائیں ہاتھ پہ چاند بھی لا کے رکھ دیں اور کہیں کہ کار دعوت کو چھوڑ دو تو میں ایسا قطعاً نہیں کروں گا یہاں تک کہ یا اللہ کا دین غالب ہو

1۔ السیرۃ النبویہ، ج 1، ص 299۔ ابن ہشام، دار الریان للتراث

Marfat.com

جائے گا یا میں اس راہ میں اپنی جان قربان دوں گا۔

سنگین حالات میں بھی مایوس نہ ہونا اور حالات کی تمام تر سختیوں کے باوجود اللہ کی رحمت پہ پورا اعتماد سیرت طیبہ کا ایک اہم پیغام ہے۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ چادر سر کے نیچے رکھے بیت اللہ کے سائے میں آرام فرماتے تھے۔ہم آپ کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوئے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے لیے اللہ سے مدد کیوں نہیں مانگتے؟ آپ اس ظلم کے خاتمہ کی دعا کیوں نہیں کرتے؟ نبی کریم ﷺ نے ہماری یہ بات سن کر فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے بعض کے لیے گڑھا کھودا جاتا پھر اسے اس گڑھے میں کھڑا کر دیا جاتا پھر آرے سے اس کے جسم کو چیر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ اس کے جسم کے دوٹکڑے کر دیئے جاتے۔یہ ظلم بھی اسے اپنے دین سے دور نہ کر سکتا۔اس کے جسم میں لوہے کے کنگھے چبھوئے جاتے جو گوشت سے گزر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے مگر وہ اللہ کا بندہ حق سے نہ پھرتا۔آپ نے فرمایا:

واللہ لیتمن ھذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضرموت لا یخاف الا اللہ او الذئب علی غنمہ و لکنکم تستعجلون۔(1)

”خدا کی قسم! یہ دین غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا۔البتہ چرواہوں کو صرف بھیڑیے کا خوف رہے گا کہ بکری اٹھا کر نہ لے جائے لیکن تم جلدی مچا رہے ہو۔“

ان سنگین ترین حالات میں جب قریش کے ظلم وستم اپنی آخری حدوں کو چھو رہے تھے۔ظاہری حالات کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اس طرح اعتماد کرنا اور مایوسی کو اپنے قریب تک نہ آنے دینا۔راہ حق کے ہر مسافر کے لیے اس میں سامان زندگی ہے۔

ایک مرتبہ جب نبی کریم ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے۔ آپ حضرت

1۔صحیح البخاری، ج4،ص201۔باب علامات النبوۃ فی الاسلام،رقم الحدیث 3612، دارطوق النجاۃ

Marfat.com

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ آپ کے رخسار مبارک پر رکھا اور عرض کیا

بابی انت و امی قد اخلولقت ثیابك فقال یا فاطمة بعث الله اباك بامر لا یبقی بیت مدر ولا وبر الا ادخله الله بابیك عزا حتی یبلغ حیث یبلغ الیل۔(1)

''یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کے کپڑے بوسیدہ ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے فاطمہ! رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو ایک ایسے امر کے ساتھ بھیجا ہے کہ گارے مٹی سے بنا ہوا کوئی گھر اور کوئی بھی خیمہ باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ تیرے باپ کے سبب اس میں (اسلام کی) عزت داخل کرے گا اور اللہ کا دین چھا جائے گا جس طرح رات چھا جاتی ہے۔''

اس سے سیرت طیبہ کا یہ پیغام ہر داعی واشگاف الفاظ میں سن سکتا ہے کہ حالات جتنے بھی کڑے ہوں معاملات جس قدر بھی گھمبیر ہو جائیں، جس قدر بھی سختیوں کے پہاڑ راہ میں حائل ہونے کی کوشش کریں۔ اسے چاہیے کہ وہ ہمت نہ ہارے۔ اللہ کی رحمت کی امید سے کبھی مایوس نہ ہو۔ اس کے کرم پر نظر رکھے۔ اس کی رحمتوں پہ بھروسا کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف گامزن رہے۔ اس کا کرم دستگیری فرمائے گا اور ضرور فرمائے گا۔ جب وہ کرم فرماتا تو سب مشکلیں ٹل جاتی ہیں اور سب راہیں کشادہ ہو جاتی ہیں۔

یہ دنیاوی وسائل کی کمی بھی کوئی حیلہ ہے
خدا پر رکھ نظر غافل خدا تیرا وسیلہ ہے
(حفیظ جالندھری)

(vii) دعوت وارشاد اور اخلاق عالیہ

داعی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت وارشاد کا سارا مدار دلیل و برہان اور بصائر وعبر پر تھا لیکن اگر داعی بدخلق، تند مزاج اور سخت رو انسان ہو تو کوئی دلیل دل میں نہیں اتر سکتی اور کوئی منطق

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج 22، ص 225 باب (مرویات) عروہ بن رویم۔ رقم الحدیث 596، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ

Marfat.com

انسان کو اندر سے تبدیل نہیں کر سکتی۔ ایسے شخص کے تمام دلائل زیادہ سے زیادہ ایک مخصوص وقت کے لیے اپنے عقلی تاثر تو ضرور چھوڑ سکتے ہیں لیکن انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دینا اور ان سے غلط راہیں چھڑوا کے انہیں صراط مستقیم پر گامزن کرنا ایسی سعادتوں سے ایسا داعی محروم ہی رہتا ہے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہج دعوت وارشاد میں یہ بات بالکل نمایاں نظر آتی ہے دلیل و برہان کی قوت کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق عالیہ کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ آپ کا پیغام لوگوں کے دلوں میں اترتا گیا۔ کتب حدیث اور کتب سیرت میں اس پر بے پناہ شواہد ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

فتح مکہ کے دن آپ نے اپنے دشمنوں پر مکمل قبضہ پانے کے بعد انہیں معاف کر دیا۔ وہ آپ کے اخلاق سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہزاروں طلقا مشرف باسلام ہوئے۔ غرض انمار سے واپسی پر جب آپ دوپہر کو آرام فرماتے تھے دعثور نامی ایک شخص آپ کو شہید کرنے کے ارادہ سے آیا۔ جب آپ نے اس پر مکمل قبضہ پالیا اور آپ بڑی آسانی سے اسے قتل کر سکتے تھے آپ نے اسے معاف کر دیا۔ وہ آپ کے حسن اخلاق سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی فوت ہوا۔ جب آپ کو اس کی نماز جنازہ کے لیے عرض کی گئی تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے جانے لگے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ ابن ابی پر نماز جنازہ پڑھیں گے جبکہ اس نے فلاں فلاں دن ایسا ایسا کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: مجھے استغفار و عدم استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں ایسا ہی کرتا جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو

Marfat.com

آئندہ کے لیے ممانعت کا حکم نازل ہوا۔(1)

حضور اکرم ﷺ کے اس خلق عظیم سے متاثر ہو کر منافقوں کی ایک بہت بڑی تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں:

''......چنانچہ جب کفار نے دیکھا کہ ایسا شدید العداوت شخص جب سید عالم ﷺ کے کرتے سے برکت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے عقیدے میں بھی آپ اللہ کے حبیب اور سچے رسول ہیں۔ یہ سوچ کر ایک ہزار کافر مسلمان ہو گئے۔''(2)

اہل یمامہ کے سردار ثمامہ بن آثال کو جب مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا اور بار بار دعوت اسلام دینے کے باوجود وہ انکار ہی کرتا رہا تو آپ نے فرمایا: اسے کھول دو۔ وہ آپ کے اس حسن اخلاق سے اتنا متاثر ہوا کہ رہا ہونے کے بعد اس نے مسجد کی آڑ میں غسل کیا اور پھر کلمہ شہادت پڑھتا ہوا مسجد میں آ گیا اور کہنے لگا: ''یا رسول اللہ!'' خدا کی قسم! میرے نزدیک کوئی چہرہ آپ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے بڑھ کر مبغوض نہیں تھا۔ اب وہی دین مجھے سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی شہر مجھے تمام شہروں سے بڑھ کر محبوب ہے۔(3)

ثمامہ رضی اللہ عنہ کسی دلیل سے متاثر ہو کر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ حضور ﷺ کے اخلاق سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

زید بن سعنہ نے اپنی مرضی سے قرض دیا اور پھر طے شدہ مدت سے پہلے ہی قرض لینے کے لیے آ گئے اور انتہائی تند و تلخ لہجہ میں آپ کی قمیص پکڑ کر کہنے لگے۔ ''اے محمد! کیا

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، صحیح البخاری، ج2، ص97۔ باب ما یکرہ من الصلوٰۃ علی المنافقین، رقم الحدیث 1396، دار طوق النجاہ

2۔ خزائن العرفان، ص321۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

3۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، السنن الکبریٰ للبیہقی، ج6، ص319، باب ماجاء فی من الامام الخ، رقم الحدیث 13215 مجلس دائرۃ المعارف، حیدر آباد

Marfat.com

آپ میرا حق ادا نہیں کرتے۔ اے عبدالمطلب کے خاندان والو! بخدا تم کسی کا حق ادا کرنے میں ایسے ہی حیلے بہانوں سے کام لیتے ہو"۔

اس کی یہ روش اور بات ہر لحاظ سے غلط تھی لیکن آپ نے کمال حسن خلق کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کا قرض ادا کرو اور اسے بیس صاع کھجوریں زیادہ بھی دے دو۔ آپ کے اس حسن خلق کو دیکھتے ہوئے زید بن سعنہ پکار اٹھے "میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار، اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا پیغمبر ماننے پر راضی ہو گیا اور میں اپنا آدھا مال امت محمدیہ پر صدقہ کرتا ہوں"۔(1)

سیرت طیبہ کے اس پہلو سے واضح ہو رہا ہے کہ جب تک داعی کا اخلاق دلوں کو موہ نہ لے اس وقت تک اس کی دعوت قلب و نظر میں انقلاب برپا نہیں کر سکتی کیونکہ دل طاقت اور جبر سے نہیں محبت سے فتح ہوتے ہیں اور خلق اسی محبت کا اظہار ہے۔ سیرت طیبہ کے یہ انداز بتاتے ہیں کہ دلیل کی اہمیت اپنی جگہ پر لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جہاں دلیل کارگر نہیں ہوتی وہاں داعی کے اخلاق قلب و نظر کی سلطنت فتح کر لیتے ہیں۔ اس کی روشن مثال برصغیر میں اسلام پھیلانے والے صوفیہ ہیں جنہوں نے محض اخلاق کی طاقت سے لاکھوں لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔

کچھ ان کے خلق نے کر لی کچھ ان کے پیار نے کر لی
مسخر اس طرح دنیا شہہ ابرار نے کر لی

(viii) انا کو نہیں ضمیر کو جگانا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہج دعوت وارشاد میں ہمیں یہ حقیقت بھی ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے کہ آپ نے ہمیشہ لوگوں کے ضمیر کو جگایا اور کبھی بھی ایسا نہیں کیا کہ ان کی انا جاگے۔ کسی بھی انسان میں ایک اس کا ضمیر ہوتا ہے اور اس کی انا۔ اگر اس کے ساتھ آپ نے ایسا

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، المعجم الکبیر للطبرانی، ج 5، ص 222، باب زید ابن سعنہ توفی فی غزوۃ تبوک، رقم الحدیث 5147، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

معاملہ کیا کہ اس کی انا جاگ پڑے تو اس انسان کا قائل ہونا تو کجا وہ آپ کا شدید ترین دشمن بن جائے گا اور ہر طریقہ سے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا لیکن اگر آپ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کریں کہ آپ اس کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگا دیں تو وہ آپ کا قائل بھی ہو جائے گا اور آپ کا ممد و معاون بھی۔

کتاب سیرت کی ہر سطر اس پہ گواہ ہے کہ آپ نے کبھی بھی کسی کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا کہ اس کی انا جاگے بلکہ آپ نے ہمیشہ لوگوں کے ضمیر کو جگایا مثلاً فتح مکہ کے موقع پر اگر آپ انہیں ان کے پرانے کرتوت سنا سنا کر ڈانٹتے ان کی تضحیک اور تذلیل کرتے تو بظاہر ان کا رویہ جو بھی ہوتا لیکن ان کے دل کبھی بھی آپ کی عظمت کے قائل نہ ہوتے ان کی انا جاگتی اور وہ حتی الوسع آپ کی مخالفت کرتے لیکن جب کمال اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے انہیں معاف فرما دیا تو آپ نے اسلام کے ان دشمنوں کو سازش کرنے کا موقع مہیا نہیں کیا تھا کہ وہ آزاد ہو کر پھر اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہو جائیں بلکہ آپ نے اپنے اس رویہ سے دراصل ان کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگایا تھا تو پھر وہ آپ کی دعوت کے قائل بھی ہو گئے اور آپ کی محبت کے اسیر بھی ہو گئے۔

دراصل ہر انسان انسان ہوتا ہے۔ سانپ نہیں۔ سانپ میں کوئی ضمیر نہیں ہوتا اس نے صرف اپنی جبلت کے مطابق چلنا ہوتا ہے جبکہ انسان اپنے ضمیر کا قیدی ہوتا ہے اگر آپ نے اس کا ضمیر جگا دیا تو آپ نے اسے فتح کر لیا۔ سیرت طیبہ کا پیغام یہی ہے کہ مدعو کے ضمیر کو جگاؤ اس کی انا کو نہ جگاؤ۔

جو کافر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہمان ہوا تھا اور ساری بکریوں کا دودھ پی گیا تھا اس کی مہمان نوازی کی وجہ سے اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھوکے سو گئے تھے۔ رات کو حاجت بول کے لیے وہ بستر سے اٹھا نہیں بلکہ اس نے بستر کو ہی نجس کر دیا اور اسی خوف سے کہ مجھے کوئی سزا نہ بھگتنی پڑے وہ منہ اندھیرے اٹھ کے چلا گیا۔ کافی دور جا کے اسے خیال آیا کہ میری قیمتی تلوار تو وہاں ہی رہ گئی ہے۔ یہی سوچ کر وہ واپس پلٹا۔

Marfat.com

ادھر جب صبح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ مہمان تو جا چکا ہے اور بستر بھی خراب کر گیا ہے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ پانی لاؤ بستر کو صاف کریں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ زحمت نہ فرمائیں ہم بستر کو صاف کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: مہمان میرا تھا آپ کا نہیں تھا۔ آپ صحابہ کے ساتھ مل کے بستر دھونے لگے۔

اس کافر نے ایسا کر کے بہت زیادتی کی تھی۔ بے مروتی کی تھی اور بڑے ہی چھوٹے پن کا ثبوت دیا تھا۔ کوئی عام بندہ ہوتا تو اس کے ملنے پر نہ جاتے اس سے کتنا عبرتناک سلوک کرتا لیکن یہ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ ہے یہاں لوگوں کو رسوا نہیں کیا جاتا ان کے ضمیروں کو جگایا جاتا ہے۔ جب آپ بستر صاف کر رہے تھے تو وہ کافر بھی اپنی تلوار کے لالچ میں ڈرتا ڈرتا اور سہما سہما آ گیا۔ اگر آپ اسے دیکھتے ہی اس پر برس پڑتے اس کی توہین و تذلیل کرتے یا اسے عبرتناک سزا دیتے تو ان سب سزاؤں کے باوجود وہ کبھی بھی آپ کی عظمت کا قائل نہ ہوتا۔ وہ سزا تو بھگت لیتا لیکن اسلام کی مخالفت میں اس کے دل میں دبی ہوئی چنگاڑی شعلہ بن جاتی۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ جب آپ نے اسے دیکھا وہ ڈرا ڈرا اور سہما سہما تھا۔ آپ نے اسے دیکھتے ہوئے کمال شفقت اور محبت بھرے انداز میں فرمایا: میرے مہمان! کہاں چلے گئے تھے؟ ہم تو آپ کے متعلق ہی سوچ رہے تھے۔ اس انداز دلربائی نے اس کافر کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگا دیا وہ سوچ رہا تھا میں نے کتنا برا کیا تھا اور یہ کتنی عظمت والی شخصیت ہے کہ میرے ساتھ کتنا اچھا برتاؤ کر رہے ہیں یہی سوچ کر اس کے دل کی سب کدورتیں دھل گئیں سب نجاستیں دور ہو گئیں اور وہ اسی وقت نشہ توحید سے مست ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

اس مقدس عمل سے آپ نے اس کے ضمیر کو جگا دیا اور جس کا ضمیر جاگ جائے وہ کبھی اپنی غلطی پر قائم نہیں رہتا اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ لوگوں کے ضمیر کو جگایا۔ جو کافر مسجد میں پیشاب کرنے لگا تھا اگر اسے مارا پیٹا جاتا تو اس کی انا جاگ پڑتی وہ سزا تو بھگت

Marfat.com

لیتا لیکن اسلام کی مخالفت میں مزید آگے بڑھ جاتا۔ آپ نے ایسا نہیں کیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی اس گستاخی پر اسے سزا دینی چاہی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روک دیا اور فرمایا نجاست پہ پانی بہا دو۔ اب آپ نے کمال محبت سے اسے سمجھایا کہ کبھی مسجد صرف اللہ کی یاد کے لیے ہوتی ہے اور یہ ایک مقدس مقام ہوتا ہے۔ آپ کے اس انداز محبت نے اس کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگا دیا اور اس کے دل کی گہرائیوں سے آواز اٹھی اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ۔

پچھلی سطور میں ثمامہ بن آثال کا تذکرہ گزرا۔ اگر آپ اس کے تلخ جوابات پر کوئی انتقامی کارروائی کرتے تو وہ مرتو جاتا لیکن آپ کی دعوت کا قائل نہ ہوتا۔ جب آپ نے اس کی رسیاں کھول دیں۔ اسے آزاد کر دیا تو پھر وہ ضمیر کا قیدی ہو گیا۔ اس کا ضمیر جاگا اور اسے ایک سرمدی کیف کے عالم میں دوبارہ بارگاہ رسالت میں لے آیا اور وہ دل وجان سے آپ پر بھی قربان ہونے لگے، آپ کے شہر پر بھی اور آپ اور آپ کے دین پر بھی۔

سیرت طیبہ کے یہ مشہور واقعات جن کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا اور پورا سیرت طیبہ کا ریکارڈ گواہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ ایسا برتاؤ کیا کہ لوگوں کے ضمیر کو جگایا۔ آپ نے کبھی بھی ان کی انا کو جگانے والا عمل نہیں کیا۔ آپ کے منہج دعوت کے اس نکتہ سے واضح ہے کہ جو اپنے عمل، کردار اور رویہ سے لوگوں کے ضمیر کو جگا دے وہی کامیاب داعی ہے۔ سیرت مبارکہ کی انہیں راہوں پر چلنے والا لوگوں کے قلب ونظر میں ایک ہمہ جہت تبدیلی لانے کا شرف پا سکتا ہے

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ
(اقبال)

(ix) ذات پر مقصد کو غالب کرنا

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہج دعوت وارشاد میں یہ حقیقت بھی بڑی واضح اور نمایاں نظر

Marfat.com

آتی ہے کہ آپ نے دعوت الی اللہ کے مقصد کو ہر دوسری چیز پر غالب اور فائق رکھا۔ اگر داعی اپنے کار دعوت سے آخری حدوں تک مخلص نہ ہو تو وہ کبھی بھی مقصد دعوت کو اپنی ذات پر غالب نہیں رکھ سکتا۔

انسان کی زندگی میں ہمیشہ ترجیح کا اصول کارفرما رہتا ہے وہ ہمیشہ جس چیز کو زیادہ اہم سمجھتا ہے اسے دوسری چیز پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ پیسے سے محبت کرتا ہے لیکن اپنی ذات کو پیسہ پر ترجیح دیتا ہے۔ اپنی ذات سے محبت کرتا ہے لیکن اپنی عزت کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے۔ قس علی هذا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوت وارشاد کے منہج میں یہ حقیقت بالکل نمایاں نظر آتی ہے کہ آپ نے دعوت الی اللہ کو دوسری ہر چیز پر ترجیح دی۔ سیرت طیبہ میں اس کے بہت سے مظاہر نمایاں نظر آتے ہیں۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی کو دعوت حق دیتا ہے لیکن وہ شخص داعی کے ساتھ ایسا منفی اور حقارت آمیز رویہ اختیار کرتا ہے کہ داعی کے نزدیک اس شخص سے انتقام لینا اولین ترجیح ہو جاتی ہے۔ اگر وہ بندہ بعد میں اپنے کیے پر نادم بھی ہو جائے اور تلافی مافات چاہے تو داعی کو اس شخص سے اس طرح نفرت ہو چکی ہوتی ہے کہ وہ ہر حال میں اس سے انتقام ہی لینا چاہتا ہے۔ اس طرح وہ اگر اس سے انتقام لے کے اپنے غصہ کی آگ بجھا بھی لے تو مقصد دعوت تو بہر حال پیچھے رہ جاتا ہے اور یہی چیز ایک داعی حق کے شایاں شان نہیں۔

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ دعوت کو ہر دوسری چیز پر ترجیح دی۔ جن لوگوں نے آپ کی ذات اقدس پر طرح طرح سے ظلم وستم ڈھائے تھے جب آپ ان سے انتقام لینے پر قادر بھی ہو گئے اور اگر آپ ان سے انتقام لے لیتے تو یقیناً یہ کوئی زیادتی نہ ہوتی وہ اس سزا کے مستحق بھی تھے لیکن جس مقصد کو لے کر آپ دنیا میں تشریف لائے تھے وہ مقصد ادھورا رہ جاتا ہے۔ مثلاً جب قریش مکہ مغلوب ہو کر اپنی گردنیں جھکائے ایک مجرم کی حیثیت سے بیٹھے تھے۔ اگر آپ ان سے ان کے ظلم کا انتقام لیتے تو یہ کوئی زیادتی نہ ہوتی اور ان کی زیادتیوں پر آنے والا غصہ بھی فرو ہو جاتا لیکن آپ کی زندگی کا مقصد وحید دعوت الی اللہ۔

Marfat.com

پیچھے رہ جاتا۔ آپ نے جب کار دعوت کو ہر دوسری چیز پر غالب کرتے ہوئے انہیں معاف کر دیا تو ان لوگوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا جس کی طرف آپ انہیں عرصہ دراز سے بلا رہے تھے۔

وحشی نے آپ کو بہت دکھ دیا تھا۔ آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد ان کی لاش کا مثلہ کر دیا تھا۔ یہ چیز آپ کے لیے بہت دکھ اور کرب کا باعث تھی۔ جب وہ نادم ہو کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اب دو ہی صورتیں ممکن تھیں یا تو آپ اس کو دیکھتے ہی اس کی گردن اتارنے کا حکم صادر فرما دیتے اور اگر ایسا ہوتا تو یہ قانون اور اخلاق کی نظر میں کوئی زیادتی نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ ایک قاتل تھا اور قاتل کو اس کے قتل کی سزا مل جاتی اور دوسری صورت یہ تھی کہ انتقام کے جذبوں کو ختم کر کے اس کی اصلاح کی نیت سے اس کی معذرت قبول کی جاتی۔ آپ ﷺ نے دوسری صورت ہی اختیار فرمائی جس کے نتیجہ میں اس نے اس دعوت کو قبول کر لیا جو آپ کوہ صفا سے لے کر طائف کے بازاروں تک اور مکہ کی گلیوں سے لے کر جنگ کے میدانوں تک لوگوں کو پہنچا رہے تھے اور جو آپ کی بعثت کا مقصد وحید تھا۔ وہی وحشی اس کے نتیجہ میں حضرت وحشی بن گئے اور انہیں ہی یہ شرف حاصل ہوا کہ جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کیا اور اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنے کی ایک بھرپور کوشش کی۔

کتب سیرت میں حضور ﷺ کے اوصاف میں سے یہ وصف بھی بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا کہ

لا انتقم لنفسه من شیء۔ (1)

کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا۔

آپ نے ان کو بھی معاف کیا جنہوں نے آپ کا خون بہایا۔ انہیں بھی معاف کیا جنہوں نے آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے۔ آپ کی سیرت کا یہ پہلو کوئی سادہ سی بات نہیں ہے کہ انسان بغیر تدبر کیے اس سے آگے گزر جائے بلکہ اس میں منہج دعوت کا ایک اہم اصول

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 4، ص 450، رقم الحدیث 24985، موسسہ الرسالہ

Marfat.com

کارفرما نظر آتا ہے کہ آپ کی ترجیح کوئی بھی دوسری چیز نہیں تھا بلکہ دعوت الی اللہ کے فریضہ کو آپ نے ہر دوسری چیز پر غالب کر دیا اور جب تک داعی کو اپنے مشن سے اس حد تک قلبی لگاؤ نہ ہو وہ کبھی بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی داعی لوگوں کے نازیبا رویوں سے تنگ آکر کار دعوت ترک کر دے یا انتقام کے جذبوں سے معمور ہو کر کار دعوت کو پیچھے کر دے تو گویا اس نے اپنی ذات کو اپنے مشن پر ترجیح دے دی اور یہی سیرت طیبہ کے پیغام کے منافی ہے۔ سیرت طیبہ کا پیغام یہ ہے کہ داعی کو کسی بھی حال میں کار دعوت سے توجہ نہیں ہٹانی چاہیے۔

گفتگو کسی سے ہو تیرا خیال رہتا ہے
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلم کا

(x) مدعو کی نفسیات کا خیال

ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہج دعوت وارشاد کا ایک اہم نکتہ مدعو کی نفسیات کو مکمل طور پر ملحوظ خاطر رکھنا ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ ہر انسان کا بات سمجھنے کا انداز مختلف ہوتا ہے اور ہر انسان کے قائل ہونے کا معیار اپنا ہوتا ہے۔ ایک فلسفی اپنے پیمانے رکھتا ہے اور ایک عام آدمی اپنے۔ اگر ایک ان پڑھ آدمی کو فلسفیانہ انداز میں قائل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو عبث ہوگا اور اگر ایک فلسفی کو عام انداز میں قائل کرنے کی کوشش کی جائے تو تمام محنتیں اکارت اور رائیگاں چلی جائیں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

أُمِرْنَا أَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔(1)

ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کریں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اس لیے دلوں میں اترتی چلی گئی کہ آپ نے ہر انسان کو اس کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حق کا پیغام پہنچایا مثلاً مکہ کے لوگ ان پڑھ تھے۔ ان پڑھ بندہ علمی استدلال پر اس طرح یقین نہیں رکھتا جس طرح خرق عادت چیزوں پر

1۔ کنز العمال، ج 10، ص 242، رقم الحدیث 29282، موسسۃ الرسالہ، بیروت

Marfat.com

رکھتا ہے۔انہوں نے آپ سے آسمانی نشانی کا مطالبہ کیا تو آپ نے چاند شق کر کے دکھا دیا۔ ان کے مقابلہ میں یہود اہل علم تھے انہوں نے علمی سوال کیے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ملک شام سے مصر میں کس طرح منتقل ہوئی اور وہ شام کو چھوڑ کر مصر میں کیوں آباد ہو گئے۔کبھی انہوں نے کہا کہ ذوالقرنین کون تھا؟ بچہ کبھی باپ کے اور کبھی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے۔وغیرہ۔تو علمی اشکال نہ اخلاقیات سے حل ہوتے ہیں نہ جبر سے۔ان کا حل صرف ان سوالات کا جواب ہوتا ہے۔انہوں نے جس طرح کے بھی علمی سوالات رسول کریم ﷺ سے کیے، رسول کریم ﷺ نے انہیں اسی طرح مدلل جواب دیئے کہ ان کے تمام شبہات کا ازالہ ہو گیا۔ضد اور انا پرستی آڑے آجائے تو الگ بات ہے۔داعی اعظم ﷺ نے حق اس طرح پہنچا دیا جس طرح پہنچانا چاہیے تھا اور ان میں سے بہت سے حق کے طالب حلقہ بگوش اسلام بھی ہوئے۔

عربوں کو اپنی زبان دانی پہ بڑا ناز تھا وہ غیر عربوں کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے ان کے سامنے قرآن مجید جیسا فصیح و بلیغ کلام پیش کیا کہ جسے سن کر انہیں حق تک رسائی پانے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ یہاں تک کہ ان کا ایک دانشور عتبہ جب قرآن مجید کا ایک حصہ سنتا ہے تو بول اٹھتا ہے۔

واللہ لقد سمعت قولا ما سمعت بمثلہ قط واللہ ما ھو بالشعر ولا بالسحر ولا الکھانۃ فواللہ لیکونن لقولہ الذی سمعت بناء۔(1)

''اللہ کی قسم! میں نے ایسا کلام سنا ہے جس جیسا آج تک کبھی نہیں سنا۔نہ وہ شعر ہے نہ جادو اور نہ ہی کہانت، خدا کی قسم! اس کا بہت زبردست نتیجہ نکلے گا۔''

اور ان کا ایک دوسرا زیرک ترین انسان ولید جب قرآن سنتا ہے تو اس پر سناٹا طاری ہو جاتا ہے اور پھر وہ کہتا ہے۔

واللہ ان لہ لحلاوۃ و ان علیہ لطلاوۃ و ان اعلاہ لمثمر و ان اسفلہ لمغدق و ما

1۔نفس مصدر، ج12، ص399۔رقم الحدیث 35427

Marfat.com

یقول ھذا بشر۔(1)

''اللہ کی قسم! اس میں بڑی مٹھاس ہے۔اس کا ظاہر چمکدار ہے۔اس کا اوپر والا حصہ پھولوں سے لدا ہوا ہے اور نیچے والا حصہ شاداب ہے اور کوئی انسان ایسا کلام پیش نہیں کر سکتا۔

اور پھر وہ اپنی قوم سے کہتا ہے

وانہ لیعلو ولا یعلی علیہ وانہ لیحطم ما تحتہ۔(2)

اور یہ کلام چھا جائے گا اور کوئی چیز اس پر غالب نہیں آ سکے گی اور جو اس کے نیچے آئے گا وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا۔

چونکہ ان کے نزدیک معیار صداقت فصاحت انہیں ان کی طلب کے مطابق مطمئن کیا اور ایک پہلوان تھا جس کا نام رکانہ تھا اس نے کہا میں آپ کو تب سچا مانوں گا جب آپ مجھے پچھاڑ دیں۔آپ نے اس کی طلب کے مطابق اسے کشتی میں پچھاڑ کے اس پر آخری حد تک حق ثابت کیا۔(3)

اور خالد بن ولید ایک سپہ سالار تھے ان کا صداقت کو پرکھنے کا معیار اپنا تھا وہ آپ میدان جنگ کی منصوبہ بندی سے متاثر ہو کر حق کے قائل ہوئے اور حضرت سلمان فارسی جب طلب حق میں مختلف مقامات سے گزرتے اور صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچ گئے اور مختلف حوالوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو پرکھ لیا۔ایک چیز باقی تھی کہ میں آپکی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھ لوں۔آپ ایک جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔میں بھی وہاں حاضر ہوا اور کسی طرح مہر نبوت دیکھنے کے لیے گھوم کر آپ کے پیچھے آ گیا۔حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کچھ بتایا نہیں تھا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر نبوت سے ان کی طلب جان گئے اور آپ نے اپنی پشت مبارک سے چادر اٹھا دی تا کہ

1۔الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، ج 1، ص 263، قاضی ابو الفضل عیاض دار الفکر، بیروت (1409ھ)

2۔الخصائص الکبریٰ، ج 1، ص 185، ابو الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

3۔نفس مصدر، ج 1، ص 215

Marfat.com

سلمان رضی اللہ عنہ تصدیق کریں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے سچ کو آخری حد تک پالیا اور وہ جذبات سے بے قابو ہو کر آپ کو بوسے دینے لگے اور زار و قطار رونے لگے۔(1)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ مدعو کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھا اور اسے اس کی طلب کے مطابق حق پہنچایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات اقدس کو جامع اوصاف و کمالات بنایا ہے۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب
(اقبال)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہج دعوت و ارشاد کے اس پہلو سے ہر داعی کو یہ پیغام ملتا ہے کہ وہ ممکنہ حد تک مدعو کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھے۔ وہ جدید ذہن کو قدیم طرز پر دعوت نہ دے۔ ایک یورپ زدہ نوجوان کو ان پڑھ انسان کی طرح دعوت نہ دے اسے نئے زمانے میں پرانی باتیں نہ سنائے۔ جب مدعو کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسے پیغام حق سنایا جائے گا تو وہ حق کی طرف ایسے آئے گا جیسے پیاسا پانی کی طرف بھاگتا ہے۔ اگر دعوت و ارشاد کے منہج بندی کے ان اصول عشرہ کو مشعل راہ بنایا جائے گا تو حق سے دور رہنے والے لوگ اس طرح حق کی طرف لپکیں گے جیسے بچہ ماں کی طرف جاتا ہے کیونکہ حق کا پیغام اس کے لیے کوئی اجنبی بات نہیں ہوگی بلکہ اس کے من کی آواز ہوگی

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنہ مضراب ہے ساز

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ضیاء النبی، ج 1، ص 519-523۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

Marfat.com

پیغمبر امن و آشتی ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
محرکات امن اور اس کے موانع کا تدارک
سیرت طیبہ کی روشنی میں

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝١٥ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝١٦ (المائدہ)

''اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے وہ کتاب الٰہی کی بہت سی چیزوں سے درگزر فرماتا ہے۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آ چکی ہے۔ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور اپنی توفیق سے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لا رہا ہے اور سیدھی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے''

Marfat.com

جو اپنا دامن لہو سے بھر لے
مصیبتیں اپنی جان پر لے
جو تیغ زن سے لڑے نہتا
جو غالب آ کر بھی صلح کر لے
اسیر دشمن کی چاہ میں بھی
مخالفوں کی نگاہ میں بھی
امین ہے، صادق ہے، معتبر ہے
میرا پیمبر عظیم تر ہے
(مظفر وارثی)

Marfat.com

کچھ لوگوں کی فکری گمراہی، مفاد پرستی، انانیت اور ان کے جاہلانہ تعصب کے سبب امن و آشتی کا وجود عنقا ہوتا جا رہا ہے۔ خاک وخون میں لپٹے لاشے اٹھا اٹھا کے لوگوں کے کاندھے تھک چکے ہیں۔ کہیں لسانی اختلاف کا عفریت انسانیت کے تن نازک کو ہڑپ کر رہا ہے کہیں علاقائی نفرتوں کے بھوت نے بے بس انسانوں کو اپنے آہنی شکنجوں میں کس لیا ہے۔ کہیں مادی مفادات کے حصول کے لیے بے بس اور سہمے ہوئے لوگوں پر آگ اور بارود برسایا جا رہا ہے اور کہیں اپنا خود ساختہ دین دوسروں پر مسلط کرنے کے لیے بے گناہ انسانوں کے خون کی ندیاں بہائی جا رہی ہیں۔ اسلام جو نام ہی سلامتی اور امن و آشتی کا ہے اسی کو وحشت و بربریت کا ذریعہ بنانے کی سعی مذموم اپنے جوبن پر ہے۔ کسی پرسکون جگہ، بازار یا کسی مسجد میں یکدم ایک دھماکے کی آواز بلند ہوتی ہے تو نہ جانے کتنے سہاگ اجڑ جاتے ہیں۔ کتنی ماؤں کے لخت جگر ان سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاتے ہیں

مائیں کن کو ڈھونڈ رہی ہیں لاشوں کے انباروں میں
ان سے کہہ دو ان کے بیٹے جنت میں مل جائیں گے

ظلم اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ نہ مارنے والے کو پتا ہے کہ وہ کیوں مار رہا ہے اور نہ مرنے والے کو پتا ہے کہ اسے کیوں موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ الخ۔ (الروم: 41)

لوگوں کے اعمال کے سبب خشکی اور تری میں فساد پھیل چکا ہے۔

فتنہ و فساد کے ان بھڑکتے شعلوں کو بجھانے کا، نفرتوں کی اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کا اور امن و آشتی کے ضعیف و مضمحل وجود کو قوی اور توانا کرنے کا صرف ایک راستہ ہے جو میرے رحمٰن ورحیم رب نے انسانیت کو عطا فرمایا ہے اور وہ پیغمبر امن و آشتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو مشعل راہ بنانا ہے۔ آپ کے پیغام امن کو زندگی کا دستور بنانا ہے جس طرح اس وقت نفرتیں محبتوں میں بدل گئیں تھیں، فتنہ و فساد کے شعلے بجھ گئے تھے اور وہاں محبتوں اور الفتوں کی

Marfat.com

بادِ نسیم نے انسانیت کے مشامِ جاں کو معطر کر دیا تھا اور انسان انسان کے لیے امن و سلامتی کا سفیر بن گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی ابدی تعلیمات اور آپ کا سرمدی اسوہ آج بھی امن و آشتی کی ان روٹھی بہاروں کو واپس لانے کی پوری طاقت رکھتا ہے بشرطیکہ ہم ذات نبوت ﷺ سے ایک ایسا تعلق قائم کرلیں جو سچائی اور اخلاص پر مبنی ہو جو دعوؤں کی حد سے گزر کر ادراک حقیقت کی منزلوں تک جا پہنچے جو لفظوں کی سرحد عبور کر کے معانی و مطالب کے شعور پر مبنی ہو

سامان بقا کر لے فنا ہونے سے پہلے
اے قطرہ ناچیز سمندر کی طرف چل
پھر منزل مقصود نہ ہاتھ آئے تو کہنا
دو چار قدم راہ پیمبر کی طرف چل

سیرت کا ایک اہم پیغام امن و آشتی کی نعمت کو بانٹنا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے امن وسلامتی کے پیغام کو کس طرح پھیلایا؟ آپ نے انسانیت کو امن و آشتی کی نعمت کس طرح دی؟ سیرت طیبہ سے اس بارے میں ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے اس کی چند اہم اور بنیادی باتیں ملاحظہ ہوں۔

1۔ محرکات امن

رسول کریم ﷺ نے انسانی تربیت اس نہج پر کی کہ لوگ امن وسلامتی کے سفیر بن جائیں۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں بعض محرکات امن درج ذیل ہیں۔

(i) فکری اصلاح

انسان کی ساری زندگی اپنے نظریات اور معتقدات کے تحت گزرتی ہے۔ انسانی سوچ اس کے وجود پر حاکم ہوتی ہے۔ اگر انسانی سوچ کو بادشاہ اور اس کے وجود کو اس کا غلام کہا جائے تو بالکل بجا اور درست ہوگا۔ معروف دانشور اشفاق احمد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے بابا جی سے پوچھا کہ اتنا بڑا ہاتھی ہوتا ہے اور وہ ایک چھوٹے سے کیلے سے بندھا

Marfat.com

رہتا ہے۔اس کی وجہ کیا ہے کہ وہ اس کیلے کو اکھاڑ کے پھینک نہیں دیتا۔تو وہ فرمانے لگے کہ ہاتھی دراصل کیلے سے بندھا ہوا نہیں ہوتا بلکہ اپنے خیال سے بندھا ہوتا ہے۔اس کا خیال ہوتا ہے کہ میں بندھا ہوا ہوں۔اگر اس کا خیال ہو جائے کہ یہ کیلا کچھ نہیں ہے۔میں اسے اکھاڑ پھینکتا ہوں تو وہ بڑی آسانی سے اسے کھاڑ دے۔

ایسے ہی انسان کی پوری زندگی بھی اپنے خیالات اور نظریات کے تحت گزرتی ہے۔ اگر ایک انسان کو کسی برائی سے دور رکھنا ہو تو اس کا صحیح ترین طریقہ جبر یا سزا نہیں ہے۔سزا تو آخری حربہ کے طور پر دی ہے اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کے (Mind Set) کو تبدیل کیا جائے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ پہلے لوگوں کی سوچ کو بدلو پھر وہ تمام برائیاں اپنے آپ چھوڑ دیں گے۔آپ نے لوگوں کو پہلے اللہ تعالیٰ کے علیم وخبیر ہونے کی تعلیم دی۔ان کے دلوں میں فکر آخرت کا چراغ روشن کیا۔انہیں اخلاق حسنہ سکھائے جب ان کی فکری اصلاح ہو گئی تو پھر اسے وہ برائیاں چھوڑنے کا حکم دیا جن کے وہ بچپن سے رسیا تھے تو انہوں نے اس طرح ان برائیوں کو چھوڑا کہ پھر کبھی ان کا خیال تک بھی ان کے دل میں نہیں آیا۔

امن وآشتی کے قیام کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح انسانی فکر کی اصلاح کی اور جن بنیادوں پر انسانی سوچ کی اصلاح کی ان میں چند بنیادی چیزیں درج ذیل ہیں۔

(ii) احترام انسانیت کا شعور

یہ حقیقت محتاج دلیل نہیں کہ انسان کے دل میں جس انسان کی قدر ومنزلت ہو اور جس کا وہ احترام کرتا ہو وہ کبھی بھی نہ اس کی عزت وناموس پر حملہ آور ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی جان لینے کے درپے ہوتا ہے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن وآشتی کی بنیاد انسانی احترام پر رکھی ہے۔

(اس پر تفصیلی بحث تو گزشتہ صفحات میں ''سیرت طیبہ اور تکریم انسانیت'' والے باب میں گزر چکی ہے۔یہاں صرف چند اشارات سے توضیح مقصود ہے)۔

Marfat.com

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کا احترام بحیثیت انسان کرنے کی تلقین فرمائی کہ ہر انسان کی عزت وآبرو اور اس کی جان ومال قابل احترام ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے احترام انسانیت کا درس دیتے ہوئے فرمایا۔

فدماؤکم و اموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ ھذا البلد فی ھذا الیوم۔(1)

''تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح قابل احترام ہیں جیسے آج کے دن یہ شہر قابل احترام ہے۔''

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تو مومن کی علامت ہی یہ بتائی کہ وہ لوگوں کی جان اور عزت و آبرو کا محافظ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا

المومن من امنہ الناس علی دمائھم و اموالھم۔(1)

''مومن ہوتا ہی وہ ہے کہ لوگوں کے خون اور ان کی عزت جس سے محفوظ ہوں''

آپ نے کسی بھی اختلاف کے بغیر احترام انسانیت کا درس دیا۔ یہاں تک کہ جب حاتم طائی کی بیٹی قیدی ہو کر آپ کی بارگاہ میں پیش ہوئی اس کا سر ننگا تھا تو آپ نے اپنی چادر مبارک سے اس کا سر ڈھانپ دیا۔

دخترک را چوں نبیؐ بے پردہ دید
چادر خود پیش روئے او کشید

(اقبال)

یہ احترام انسانیت کا ہی مظہر تھا کہ آپ نے عین حالت جنگ میں بھی ان لوگوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا جو جنگ میں عملی طور پر شریک نہ ہوں اور آپ نے فرمایا۔

1۔ شعب الایمان للبیہقی، ج3، ص469۔ باب وقوف یوم العرفۃ بعرفات۔ رقم الحدیث 4076، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

2۔ سنن الترمذی، ج5، ص17، باب ماجاء فی ان المسلم من سلم المسلمون الخ۔ رقم الحدیث 2627، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا صغیرا ولا امراۃ۔(1)

کسی بوڑھے کو قتل نہ کرو اور نہ ہی کسی بچے اور (جنگ میں حصہ نہ لینے والی کسی) عورت کو قتل کرو"۔

آپ نے طبقاتی کشمکش کو ختم کر کے ہر انسان کی عزت و آبرو کے تحفظ کو یقینی بنایا۔ آپ نے بلاتفریق مذہب و ملت ہر انسان کا احترام کرنے کی تلقین فرمائی۔ ایک مرتبہ آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ایک جنازہ گزرا۔ جنازہ دیکھ کر آپ کھڑے ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے تو آپ نے فرمایا:

أليست نفسا۔(2)

"کیا وہ انسان نہیں تھا"۔

یعنی بجا ہے کہ وہ ایک یہودی تھا اور یہ بھی درست ہے کہ یہود اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں لیکن یہ بھی انسان تو ہے۔ اگر احترام انسانیت کے اس پیغام کو سمجھ لیا جائے تو معاشرہ سے قتل و غارت گری کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور اختلاف ہوتے ہوئے بھی نوبت فتنہ و فساد اور خون ریزی تک کبھی نہیں جا سکتی۔ آج امن و آشتی کا وجود اس لیے ناپید ہوتا جا رہا ہے کہ سیرت طیبہ کے احترام انسانیت والے پیغام کو فراموش کر دیا گیا ہے۔

(iii) فتنہ و فساد کے اسباب کا خاتمہ

پہلے آگ لگا کے پھر اسے بجھانے میں مصروف ہو جانا دانش مند انسان کا طریقہ نہیں ہوتا۔ وہ ان اسباب کو ہی ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے جو آگ بھڑکانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے قیام امن کے لیے فکری اصلاح کا جو منشور انسانیت کو دیا اس کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ آپ نے ان اسباب کو ہی ختم کرنے کی تلقین فرمائی جو نفرتیں پھیلانے کا ذریعہ بنتے ہیں اور جنگ کے شعلے بھڑکانے کا سبب بنتے ہیں۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 7، ص 550۔ رقم الحدیث 3620۔ مکتبۃ الرشید

2۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 4، ص 27۔ رقم الحدیث 7130۔ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد

Marfat.com

نفرتیں پھیلانے کا ایک اہم سبب کسی کی غیبت کرنا یا اس کی چغلی کھانا ہے۔ آپ نے اس معاشرتی برائی کی اتنی مذمت فرمائی کہ جس کا تصور ہی انسان کے وجود پر لرزہ طاری کر دیتا ہے کہ یہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی طرح ہے۔ یعنی غیبت کرنے والا مردار کا گوشت کھا رہا ہے اور وہ بھی اپنے بھائی کا۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو کسی کی غیبت کرتے ہوئے سنا۔ پھر ایک مردہ گدھا پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: وہ شخص کہاں ہے۔ وہ حاضر ہوا آپ نے فرمایا: اس میں سے کھاؤ۔ عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! یہ تو مردار ہے۔ بھلا اسے کون کھا سکتا ہے۔ آپ نے ان غیبت کرنے والوں سے فرمایا:

فما نلتما من عرض اخیکما اشد من الاکل منہ۔ (1)

''اور تم نے جو اپنے بھائی کی عزت پر حملہ کیا ہے وہ مردار کھانے سے بھی زیادہ سخت ہے۔''

کبھی کسی انسان کی توہین فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکا دیتی ہے اور کوئی انسان اس وقت تک کسی انسان کی توہین نہیں کرتا جب تک وہ اسے حقیر نہ سمجھ رہا ہو۔ آپ نے کسی انسان کو حقیر جاننے کی بڑی شدید مذمت فرمائی۔ ایک موقع پر فرمایا: جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایک شخص چاہتا ہے اس کے کپڑے اچھے ہوں اس کا جوتا خوبصورت ہو کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! یہ تو خوبصورتی ہے اور اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ اس نے عرض کیا پھر تکبر کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ

بطر الحق و غمط الناس۔ (2)

''حق کو جھٹلا دیا جائے اور لوگوں کو حقیر جانا جائے۔''

جب کوئی انسان کسی انسان کو حقیر نہیں سمجھے گا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اس کے قتل

1۔ الجامع لاحکام القرآن، ج 16، ص 335۔ امام ابو عبداللہ القرطبی، دار عالم الکتب، الریاض

2۔ ریاض الصالحین، ج 1، ص 360، امام النووی، باب تحریم الکبر، رقم الباب 82، رقم الحدیث 1، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی

Marfat.com

کے درپے ہو یا اس کی عزت و آبرو پر حملہ آور ہو اور آپ نے تو اس چیز کو کسی کے برا ہونے کی علامت قرار دیا۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

بحسب امری من الشر ان یحقر اخاہ المسلم۔ (1)

''کہ کسی انسان کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔''

کبھی مال و زر کی ہوس انسان کو قتل و غارتگری تک لے جاتی ہے۔ یہ برائی انفرادی سطح سے لے کر قومی اور ملکی سطح تک فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکا دیتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے واضح فرمایا کہ یہ صرف کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس کا تعلق دنیا کی ہار جیت سے ہو بلکہ جس نے کسی کے مال پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ اس نے مال نہیں سمیٹا دوزخ کے انگارے اکٹھے کیے ہیں اور آپ نے بارہا وضاحت فرمائی کہ مال حرام سے پلنے والا جسم دوزخ کا ایندھن بنے گا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

لا یدخل الجنۃ لحم نبت من سحت۔ (2)

وہ جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا جسے حرام سے غذا دی گئی ہو۔

اور آپ نے لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ بندہ اس وقت تک رب کے حضور کھڑا رہے گا جب تک یہ نہیں بتائے گا کہ اس نے مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا۔

عن مالہ من این اکتسبہ و فیما انفقہ۔ (3)

''کہ بندے سے پوچھا جائے گا کہ اس نے مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا۔''

کبھی کبھی مذہبی اختلاف نفرتوں کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔ آپ نے جنگ و جدل کے اس سبب کا بھی خاتمہ فرمایا اور مذہبی رواداری کی تعلیم دی اور بتوں کو سب و شتم کرنے سے

1۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 335، باب شفقۃ المسلم علی المسلم، رقم الحدیث 1927، داراحیاء التراث العربی، بیروت
2۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج 6، ص 380، رقم الحدیث 6675، دارالحرمین، القاہرہ
3۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 612، باب فی القیامہ، رقم الحدیث 2416، داراحیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

بھی منع فرمایا جب نجران کے عیسائی آپ سے ملاقات کے لیے آئے تو آپ نے انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور انہیں مسجد میں ہی ان کے طریقے سے عبادت کرنے کی اجازت دی۔ یہود کے ساتھ میثاق مدینہ کے نام سے معروف ایک معاہدہ کیا جس کی ایک شق یہ تھی۔

للیهود دینهم و للمسلمین دینهم۔(1)

''یہود کے لیے ان کا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین ہوگا۔''

مذہبی رواداری کی یہ تعلیم فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

کبھی کبھی جنسی خواہشات نفرتوں کے الاؤ بھڑکا دیتی ہیں اور قتل و غارتگری کے بازار گرم ہو جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ وجدل کے اس سبب کو بھی مکمل طور پر ختم کرنے کا پورا اہتمام فرمایا اور اس برائی کو جڑ سے ختم کرنے کی تلقین فرمائی۔ خواتین کو غیر محرموں سے پردہ کا حکم دیا۔ بلاضرورت بات چیت کی ممانعت فرمائی تا کہ اس برائی کی ابتدا ہی نہ ہو سکے۔ اس جرم کے ارتکاب پر عبرتناک سزائیں مقرر فرمائیں اور اس کی قباحت کو بیان فرماتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا۔

اذا ظهر الزنا و الربا فی قریة فقد احلوا بانفسهم عذاب الله۔(2)

جب کسی بستی میں زنا اور سود رواج پا جائے تو وہ لوگ اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا مستحق ثابت کر دیتے ہیں۔

الغرض جو چیز فتنہ وفساد کا سبب بن سکتی ہے۔ پیغمبر امن وآشتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خاتمہ فرمایا تا کہ انسانیت کو امن وسلامتی کی نعمت گرانمایہ مل سکے۔

(iv) صلح وآشتی کی ترغیب

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ وجدل کو مٹانے اور امن وسلامتی کو عام کرنے کے لیے جو فکر انسانی کی اصلاح کی اس کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو یہ شعور دیا کہ

1۔ سیرت ابن ہشام، ج 2، ص 217، دار الریان للتراث

2۔ کنز العمال، ج 5، ص 315، علاؤ الدین الہندی، رقم الحدیث 13000، موسسۃ الرسالہ

Marfat.com

لوگوں میں فساد پیدا کرنا یہ محض ایک معاشرتی برائی نہیں ہے بلکہ یہ انسان کے دین وایمان کو برباد کرنے والا کام ہے اور لڑے ہوؤں میں صلح کروا دینا، نفرتیں مٹا کے الفتیں پیدا کرنے کی کوشش کرنا یہ صرف ایک معاشرتی خوبی نہیں ہے بلکہ یہ عمل انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرتا ہے۔

اس تناظر میں اگر انسان کی سوچ اس نہج پر نہ ڈھلے تو وہ محض مذاق کرنے یا لوگوں کے ہنسانے کے لیے ہی لوگوں میں فساد پیدا کر دیتا ہے اور نفرتوں کو فروغ دے دیتا ہے۔ فتنہ و فساد کو ختم کرنے میں وہ ایک موثر کردار ادا کر سکنے کے باوجود وہ اپنا ذرا سا وقت اور تھوڑی سی محنت اس پر صرف نہیں کرتا کیونکہ اس کے نزدیک لڑے ہوؤں میں صلح کروانا اور فتنہ وفساد کو ختم کرنا محض ایک معاشرتی سا عمل ہے۔ دین میں جس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سوچ کو اور فکر کو تبدیل کر دیا۔ آپ نے بڑے موثر انداز میں لوگوں کو یہ حقیقت سمجھائی کہ جنگ کو ختم کرنے کے لیے کردار ادا کرنا، دشمنوں کو دوست بنانے کی کوشش کرنا اور لڑے ہوؤں میں صلح کروانا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے اور لوگوں میں فساد پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا مبغوض عمل ہے کہ اس کا ارتکاب انسان کو نعمت ایمان سے محروم بھی کر دیتا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل نہ بتاؤں جو نماز، روزہ اور صدقہ سے افضل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیوں نہیں۔ یا رسول اللہ! ضرور بتایئے تو آپ نے فرمایا:

اصلاح ذات البین فان فساد ذات البین ھی الحالقۃ۔ (1)

"(وہ عمل) لڑے ہوؤں میں صلح کروا دینا ہے اور لوگوں میں اختلاف پیدا کرنا یہ تو ایمان کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا

1۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 432، باب فی اصلاح ذات البین، رقم الحدیث 4921، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

افضل الصدقة اصلاح ذات البین۔(1)

''لڑے ہوؤں میں صلح کروانا بہترین صدقہ ہے''

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ اے ابوایوب! کیا میں تمہیں ایک ایسے صدقہ کے متعلق نہ بتاؤں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بہت ہی محبوب ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ

تصلح بین الناس اذا تباغضوا و تفاسدوا۔(2)

جب لوگوں میں بغض اور فساد پیدا ہو جائے تو تو لوگوں کے درمیان صلح کروا دیا کر۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ فساد کو ختم کرنا اور لوگوں میں پھیلے ہوئے بغض و عناد کو مٹانا ایسا صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے۔

اس چیز کی فضیلت کو بیان کرتے رسول کریم ﷺ نے فرمایا

من اصلح بین الناس اصلح اللہ امرہ و اعطاہ بکل کلمة تکلم بھا عتق رقبة و رجع مغفورا لہ ما تقدم من ذنبہ۔(3)

''جو لوگوں کے درمیان صلح کروائے گا اللہ تعالیٰ اس کے معاملات درست فرما دے گا اور اسے صلح کروانے کے لیے کی گئی ہر بات کے بدلے میں ایک غلام آزاد کرنے کا اجر عطا فرمائے گا اور وہ اس حال میں واپس لوٹے گا کہ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔''

لوگوں میں صلح کروانے کی آپ ﷺ کے نزدیک اتنی فضیلت ہے کہ آپ اپنی بے شمار مصروفیات کے باوجود لوگوں میں صلح کروانے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی فرماتے ہیں۔

ان رسول اللہ ﷺ ذھب الی بنی عمرو بن عوف لیصلح بینھم الخ۔(4)

1۔ مسند الشہاب، ج2،ص244، محمد بن سلامہ، رقم الحدیث 1280، موسسۃ الرسالہ، بیروت

2۔ مکارم الاخلاق، ج1،ص133، ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی، دار الآفاق العربیہ، القاہرہ

3۔ الترغیب والترہیب، ص529، باب الترغیب فی اصلاح بین الناس، رقم الحدیث 4144، دار ابن حزم

4۔ صحیح البخاری، ج1،ص138۔ باب من دخل لیوم الناس الخ، رقم الحدیث 684، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

کہ رسول اللہ ﷺ عمرو بن عوف کے درمیان صلح کروانے کے لیے تشریف لے گئے۔

اگر سیرت طیبہ کے اس پیغام کو زندہ جذبوں کے ساتھ سن لیا جائے تو انسانی فکر اس قدر نکھر جاتی ہے کہ وہ کسی کے درمیان فساد پیدا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا اور اپنی استعداد کے مطابق جب تک وہ لڑے ہوؤں میں صلح نہیں کروائے گا وہ چین سے بیٹھے گا ہی نہیں۔

انسان کی یہی سوچ نفرتوں کو ختم کر کے معاشرہ میں امن و سلامتی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

(V) قتل انسانی کی ممانعت

جب ایک انسان کی سوچ یہ ہو کہ کسی انسان کو قتل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے بس انسان کے پاس اتنے وسائل ہونے چاہئیں کہ وہ دنیا کے قانون کا سامنا کر سکے تو ظاہر ہے ایسے شخص کو قتل و غارت گری سے کون روک سکتا ہے۔ عربوں میں قتل و خونریزی کرنا بڑے اعزاز کی چیز سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے وہاں چھوٹی چھوٹی بات پر چھڑی ہوئی جنگ سے خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں۔ جذبہ انتقام کے ساتھ ساتھ کچھ توہماتی نظریات نے اس آگ کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے اس کی روح مضطرب رہتی ہے۔ بدلہ لیے بغیر اسے اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔

رسول کریم ﷺ نے دنیا میں امن و سلامتی قائم کرنے کے لیے جو انسانی سوچ کو تبدیل کیا اور انسان کی جو فکری اصلاح کی اس کا ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ آپ نے انسانی قتل کو گناہ کبیرہ شمار کیا اور لوگوں کو یہ شعور دیا کہ انسانی جان کا قتل کوئی دنیوی معاملہ نہیں ہے کہ دنیا کے قانون سے بچ گئے تو سب ٹھیک ہے بلکہ آپ نے اس تعلیم کو عام کیا کہ ایک بے گناہ کا قتل اللہ تعالیٰ کو اتنا ناپسند ہے کہ گویا قاتل نے ایک انسان کو قتل نہیں کیا بلکہ وہ پوری انسانیت کا قاتل ہے اور مومن کو قتل کرنے والا ایک طویل عرصہ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا۔ آپ نے قتل انسانی کو ان گناہوں میں شمار کیا جو انسان کو تباہ و برباد کر دیتے اور اس کی دنیا اور آخرت اجاڑ دیتے ہیں۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

Marfat.com

قتل المومن اعظم عند الله من زوال الدنیا۔(1)

''اللہ کے نزدیک ایک مومن کا قتل پوری دنیا کو ہلاک کر دینے سے بڑا جرم ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔عہد نبوت میں مدینہ منورہ میں ایک شخص قتل ہو گیا جس کے قاتل کا پتا نہیں تھا۔رسول کریم ﷺ منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور آپ نے فرمایا:

اے لوگو! ایک شخص قتل ہو گیا اور میں تم میں موجود ہوں اور اس کے قاتل کا علم نہیں ہے اور پھر آپ نے فرمایا

لو اجتمع اهل السماء والارض علی قتل امری لعذبهم الله الا ان یفعل ما یشاء۔(2)

اگر تمام زمین اور آسمان والے اکٹھے ہو کر کسی انسان کو قتل کر دیں تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب دے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ کرتا ہے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں

لو ان اهل السماء والارض اشترکوا فی دم مؤمن لاکبهم الله فی النار۔(3)

''اگر تمام زمین والے اور آسمان والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو اوندھے منہ آگ میں پھینک دے گا۔''

آپ نے قتل کو ایسا شدید ترین گناہ قرار دیا جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا

کل ذنب عسی الله ان یغفره الا الرجل یموت مشرکا او یقتل مومنا متعمدا(4)

''ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کر دے گا مگر اللہ تعالیٰ اس شخص کو معاف نہیں

1۔السنن الکبریٰ للبیہقی، ج8،ص22۔باب تحریم القتل، رقم الحدیث 16290،مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد

2۔شعب الایمان للبیہقی، ج4،ص347۔رقم الحدیث 4966،دارالکتب العلمیہ، بیروت

3۔سنن الترمذی، ج4،ص17، باب الحکم فی الدماء، رقم الحدیث 1398، داراحیاء التراث العربی، بیروت

4۔المعجم الاوسط للطبرانی، ج5،ص219، رقم الحدیث 5135، دارالحرمین، القاہرہ

Marfat.com

کرے گا جو حالت شرک میں مرتا ہے یا کسی مومن کو جان بوجھ کے قتل کر دیتا ہے''۔

کسی کو قتل کرنا ایک ایسا فعل ہے جو شیطان کو بہت ہی پسند ہے اور قاتل اللہ تعالیٰ کی بندگی سے نکل کر شیطان کے ہاتھ میں کھلونا بن چکا ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب شیطان صبح کرتا ہے اور وہ اپنے چیلوں کو زمین میں پھیلاتا ہے اور وہ کہتا ہے جو آج کسی مسلمان کو ذلیل کرے گا میں اسے تاج پہناؤں گا۔ ایک چیلہ اسے آکے کہتا ہے میں نے ایک آدمی سے اس کی بیوی کو طلاق دلوا دی شیطان کہتا ہے کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے ممکن ہے وہ دوبارہ شادی کرلیں۔ ایک آکے کہتا ہے میں نے ایک انسان سے اس کے والدین کی نافرمانی کروائی۔ شیطان کہتا ہے تو نے کوئی بڑا کام نہیں کیا ممکن ہے وہ بعد میں پھر ان سے حسن سلوک کرلے۔ پھر ایک آکے کہتا ہے میں نے ایک بندے سے شرک کروایا۔ وہ کہتا ہے تو تو ہی ہے یعنی تو نے واقعی بڑا کام کیا ہے۔ پھر ایک آکے کہتا ہے میں ایک بندے کو بھٹکاتا رہا یہاں تک کہ اس نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔ شیطان کہتا ہے

انت انت ویلبسه التاج۔(1)

تو نے بے مثال کام کیا اور پھر اسے تاج پہنا دیتا ہے۔

اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قاتل اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے اور شیطان کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے جس طرح مومن کے قتل کی مذمت فرمائی اسی طرح غیر مسلم ذمی کے قتل کی بھی مذمت فرمائی۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا

من قتل معاهدا لم یرح رائحه الجنة و ان ریحها یوجد من مسیرة اربعین عاما۔(2)

1۔ الترغیب والترہیب، ص468، حافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی المندری، باب الترہیب من قتل النفس، رقم الحدیث 3602، دار ابن حزم

2۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج9، ص205، باب لا یاخذ المسلمون الخ، رقم الحدیث 19202 مجلس دائرۃ النظامیہ، حیدر آباد

Marfat.com

جس نے کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا اور جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے سونگھی جا سکے گی۔

ایک موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

من قتل معاهدا فی غیر کنهه حرم الله علیه الجنة۔(1)

''جس نے کسی ذمی کو بلا وجہ قتل کر دیا اللہ تعالیٰ اس پہ جنت کو حرام فرما دے گا''۔

اندازہ فرمایئے! جو انسان نبی کریم ﷺ کی ان تعلیمات کو حقیقت میں مان لے گا کیا وہ قتل و غارت گری کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ کیا وہ سوچ بھی سکتا ہے کہ وہ کسی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرے گا؟

پیغمبر امن و سلامتی ﷺ نے معاشرہ میں امن و آشتی قائم کرنے کے لیے اپنی ان تعلیمات سے انسانی سوچ کو تبدیل کیا کیونکہ انسان کا ہر عمل اس کی سوچ کے تابع ہوتا ہے۔ اگر ایک انسان احترام انسانیت سے واقف ہو جائے وہ جان لے اللہ تعالیٰ کے نزدیک امن قائم کرنا کتنا محبوب ہے اور انسانی جان کا قتل کتنا مبغوض ہے تو وہ انسان قتل و غارت گری کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا وجود معاشرہ کے لیے امن و سلامتی کا علمبردار بن جائے گا۔

موانع امن و آشتی کا تدارک

نبی کریم ﷺ نے صرف امن و سلامتی کے محرکات کو ہی واضح نہیں فرمایا بلکہ آپ نے عملی طور پر بھی امن و آشتی کو قائم کرنے کا بے مثال نمونہ قائم فرمایا۔ کسی انسان کی کوئی بات کتنی ہی مدلل کیوں نہ ہو۔ اگر اس کے پیچھے کردار اور عملیت کی طاقت نہ ہو تو وہ بات بے وزن ہو جاتی ہے۔ وہ لوگوں کے دلوں پر ایک وقتی تاثر تو ڈال سکتی ہے لیکن قلب و نظر میں تبدیلی پیدا کرنے کی طاقت سے محروم ہو جاتی ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے نہ صرف امن کے اسباب و محرکات کو بیان فرمایا بلکہ آپ نے اس راہ میں رکاوٹ بننے والی تمام چیزوں کا قلع قمع کر کے امن و سلامتی کو قائم کرنے کا ایک بہترین نمونہ دنیا کے سامنے رکھا۔ آپ نے جس

1۔ نفس مصدر، ج9، ص231، رقم الحدیث 19322، باب الوفاء بالعهد

Marfat.com

طرح موانع امن کا تدارک فرمایا اس کے چند بنیادی نکات ملاحظہ ہوں۔

(i) جنگی جنون کا تدارک

فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکانے کا ایک بڑا سبب کسی فرد یا قوم پر جنگی جنون کا بھوت سوار ہوجانا ہے۔ جس قوم کا مزاج ہی جنگ وجدل ہوجائے انہیں امن کی راہ سے مسائل کا حل اچھا ہی نہیں لگتا۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ امن وسلامتی کی سوچ کو فروغ دیا۔ جہاں بھی امن سے مسائل کا حل ممکن ہوا، آپ نے کبھی بھی وہاں جنگ کو پسند نہیں فرمایا۔ اس تناظر میں نبی رحمت ﷺ کا یہ فرمان گرامی سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

ان اللہ عزو جل لیعطی علی الرفق ما لا یعطی علی الخرق و اذا احب اللہ عبدا اعطاہ الرفق ما من اهل بیت یحرمون الرفق الا حرموا۔ (1)

''بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ نرمی پر عطا فرما دیتا ہے وہ سختی پر عطا نہیں فرماتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے نرمی عطا فرما دیتا ہے جو بھی لوگ نرمی سے محروم کردیئے گئے وہ (ہر خیر سے ہی) محروم کردیئے گئے۔''

آپ نے اس چیز کی بھی وضاحت فرمائی کہ جسے معاملات میں نرمی عطا کی گئی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر اور بھلائی عطا کی گئی۔ آپ نے فرمایا:

من اعطی حظه من الرفق فقد اعطی حظه من الخیر و من حرم حظه من الرفق فقد حرم حظه من الخیر (2)

''جسے نرمی میں سے حصہ دے دیا گیا اسے خیر میں سے حصہ دے دیا گیا۔ جو نرمی سے محروم کردیا گیا وہ خیر سے محروم کردیا گیا۔''

آپ نے اس حقیقت کو بھی بیان فرمایا کہ جو معاملات میں نرمی اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا حامی و ناصر ہوتا ہے اور جو نرمی چھوڑ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج 2، ص 306، رقم الحدیث 2274، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

2۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 367، باب ماجاء فی الرفق، رقم الحدیث 2013، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ عزوجل یحب الرفق و یرضاہ و یعین علیہ ما لا یعین علی العنف۔(1)

''بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی کرنے والے کی جو مدد فرماتا ہے وہ سختی کرنے والے کی نہیں فرماتا''

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ جب آپ کے سامنے نرمی اور سختی کے دونوں راستے ہوتے تو آپ نرمی کے راستے کو اختیار فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین امرین قط الا اخذ ایسرھما مالم یکن اثما الخ۔(2)

''جب بھی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دو باتوں میں اختیار دیا گیا تو آپ ہمیشہ آسانی والے راستے کو اختیار فرماتے تھے۔ جب تک وہ چیز گناہ نہ ہوتی''۔

اس سے اس حقیقت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ امن پسندی کے مزاج کو فروغ دیا۔ جنگ کا راستہ اس وقت اختیار کیا جب مقابل نے نرمی کا راستہ اختیار کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کے فرمایا:

یا ایھا الناس لا تتمنوا لقاء العدو و اسئلوا اللہ العافیۃ فاذا القیتم فاصبروا واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف۔(3)

''اے لوگو! کبھی بھی دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو۔ پھر جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ڈٹ جاؤ اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے''۔

یعنی انسان کو جنگ کا شوقین نہیں ہونا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ وہ عافیت کا طالب رہے

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج8، ص95، رقم الحدیث 7477، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

2۔ نفس مصدر، ج4، ص303۔ رقم الحدیث 4226

3۔ سنن ابی داؤد، ج2، ص346، باب فی کراہیۃ تمنی لقاء العدو، رقم الحدیث 2633، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

لیکن اگر اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو تو پھر حق کے لیے ڈٹ جائے اور دشمن سے پوری قوت سے مقابلہ کرے۔ اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوگی۔ سیرت طیبہ کے اس پہلو سے واضح ہو رہا ہے کہ انسان کی سوچ امن وسلامتی پر مبنی ہونی چاہیے۔ جنگ تو حق کے لیے بھی آخری حربہ کے طور پر کی جانی چاہیے چہ جائیکہ محض اپنی طاقت کے اظہار یا جلب زر کی ہوس میں خون کی ندیاں بہادی جائیں اور قتل وغارتگری کا بازار گرم کر دیا جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری حیات مبارکہ سے واضح ہے کہ آپ نے ہمیشہ امن وسکون کو فروغ دیا اور جنگ سے حتی الامکان احتراز کیا۔ باوجود اس کے کہ آپ اشجع الناس۔ لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں جب جنگ اپنے جوبن پہ ہوتی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ لیا کرتے تھے اور ہم میں سے زیادہ بہادر وہ تصور ہوتا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب ہوتا۔ غزوۂ حنین میں جب ایک سخت قسم کی بھگدڑ مچ گئی تھی آپ ایک پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پہ ڈٹے ہوئے تھے۔ اتنی شجاعت و بہادری کے باوجود آپ نے آخری حد تک قتل وخونریزی سے گریز فرمایا اور آپ کی یہ پالیسی آپ کی پوری حیات مبارکہ میں بالکل واضح نظر آتی ہے۔

جب آپ کی حیات مبارکہ پندرہ سال تھی تو حرب فجار ہوئی جس میں بنوکنانہ اور قریش ایک فریق تھے اور قیس عیلان دوسرا فریق تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں ابھرتی جوانی ہوتی ہے جس میں انسان بہت زیادہ جذباتی ہوتا ہے اور جنگ وجدل میں کسی بھی حد تک جانے کا جنون لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اس جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دیگر قریش کے ساتھ شرکت فرمائی لیکن کس طرح؟ علامہ ابن ہشام فرماتے ہیں

اخرجه اعمامهم معه و قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنت انبل علی اعمامی ای اردعنهم نبل عدوهم اذا رموابها۔(1)

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے چچاؤں نے اس کیلئے نکالا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میں

1۔ السیرۃ النبویہ لا ابن ہشام، ج 1 ص 210، دار الریان للتراث

Marfat.com

اپنے چچاؤں کو تیر پکڑا تا تھا یعنی دشمن جو تیر پھینکتے تھے وہ میں انہیں پکڑا تا تھا۔''

عمر کے اس حصہ میں خونریزی سے یہ احتراز آپ کی امن پسند طبیعت کو سمجھنے کے لیے ایک واضح اشارہ ہے کہ آپ نے ایک تیر بھی نہیں پھینکا۔ حجر اسود کی تنصیب کے موقع پر آپ نے جس حکمت و دانش بھرے طریقے سے جنگ و جدل کے بھڑکتے شعلوں کو روکا وہ بھی آپ کی امن پسند طبیعت کا واضح ثبوت ہے۔ ایک جنگی مزاج کا آدمی تو جنگ و جدل میں خوشی محسوس کرتا ہے لیکن پیغمبر امن و آشتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ امن و سلامتی کو فروغ دیا۔ عین جنگ کے موقع پر بھی آپ حتی الامکان جنگ سے بچتے تھے اور آخری حربہ کے طور پر جنگ کا آپشن اختیار فرماتے تھے جب غزوہ خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میدان میں بھیجا تو انہیں فرمایا:

''اے علی رضی اللہ عنہ! پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا اگر ایک شخص بھی اسلام لے آئے تو یہ سرخ اونٹوں کے ملنے سے بہتر ہے۔''

یعنی ہمارا مطلوب قتل وخونریزی نہیں بلکہ انسان کی سوچ کو بدلنا ہے کہ وہ حق کو قبول کر لے۔ عہد نبوت میں جس قدر بھی جنگیں ہوئیں ان میں آپ کی پالیسی یہ رہی کہ دشمن کو خون بہائے بغیر اس قدر کمزور کر دیا جائے کہ وہ دشمن مخالفت سے باز آ جائے اور اتنی طاقت کا مظاہرہ کیا جائے کہ دشمن اپنی سازشوں سے رک جائے یعنی آپ کی پالیسی قوت قاتلہ نہیں قوت مرہبہ تھی۔

ڈاکٹر حمید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تجزیہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ وہ فتح مکہ کے تناظر میں لکھتے ہیں۔

''اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کو نابود کرنے کی جگہ مجبور کرنا پسند فرمایا اس کے لیے دو تدبیریں تھیں۔ ایک تو قریش کو معاشی دباؤ سے بے بس کر دینا اور دوسرے اپنی فوجی قوت اتنی بڑھا لینا کہ دشمن مقابلے کی جرات ہی نہ کر سکے اور بغیر خون بہائے مقصد حاصل ہو جائے''۔(1)

1۔ عہد نبوی کے میدان جنگ، ص 80، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ادارۃ الاشاعت، کراچی

Marfat.com

جس بندے کے مزاج میں جنگ وجدل ہو وہ خونریزی سے بچنے کی تدبیریں نہیں کرتا بلکہ اسے ہر حال میں جلد سے جلد اپنا مقصد چاہیے ہوتا ہے۔ بے شک اس کے لیے کشتوں کے پشتے کیوں نہ لگانے پڑیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قتل وخونریزی سے آخری حد تک بچنے کی پالیسی کا نتیجہ کہ آپ نے بہت ہی کم خون بہانے کے باوجود دنیا کا سب سے بڑا انقلاب برپا کیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''عہد نبوی کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور سے ممتاز ہیں۔ اگر دگنی تگنی اور بعض اوقات دس گنی طاقت سے مقابلہ ہوا اور قریب قریب ہمیشہ ہی فتح حاصل ہوئی۔ دوسرے چند محلوں پر مشتمل ایک شہری مملکت (City State) سے جو آغاز ہوا وہ روزانہ دوسو چوہتر مربع میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی ہے اور دس سال بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو دس لاکھ سے بھی زیادہ مربع میل کا رقبہ آپ کے زیر اقتدار آچکا تھا۔ اور تقریباً برعظیم ہندوستان و پاکستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں جس میں یقیناً ملینوں کی آبادی تھی دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو آدمی قتل ہوئے۔ مسلمان فوج کا مشکل سے ان دس سالوں میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا۔ انسانی خون کی یہ عزت تاریخ عالم میں بلاخوف تردید بےنظیر ہے''۔(1)

پیغمبر امن وآشتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پالیسی سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ امن وسلامتی کی نعمت اس وقت تک نصیب نہیں ہوسکتی جب تک انسان اپنی سوچ کو ایسا نہ بنائے کہ وہ خونریزی سے بچنے والا اور بغیر قتل وغارت کے اپنا مقصد حاصل کرنے کو ہر حال میں ترجیح نہ دے۔ سیرت طیبہ کا پیغام جنگی جنون سے بچنا اور دیگر ذرائع سے اپنے مقصد کا حصول ہے۔

(ii) جذبہ انتقام کی مکمل نفی

امن وسلامتی کے موانع میں سے ایک اہم مانع جذبہ انتقام ہے۔ جب کسی بھی معاشرہ

1۔ نفس مصدر، ص 7

Marfat.com

میں خود انتقام لینے کا جذبہ فروغ پا جائے تو وہاں خون کی ندیاں بہنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ جب پیغمبر امن و آشتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن و سلامتی کو فروغ دیا۔ اس وقت اس کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ جذبہ انتقام بھی تھا۔ اگر ایک شخص قتل ہو گیا تو جب اس کا بدلہ نے لے لیا جاتا وہ لوگ آرام سے بیٹھنا اپنی بزدلی سمجھتے تھے۔ پھر انتقاماً قتل کا عمل جاری رہتا تو ایک قتل کے انتقام در انتقام سے نہ جانے کتنی زندگیوں کے چراغ گل ہو جاتے۔ اسی لیے بچے جذبہ انتقام سے سرشار جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے تھے۔ عکاظ کے میلہ میں قبیلہ سلیم اور غطفان کے سرداروں میں کچھ تکرار ہو گئی۔ چند دن کے بعد موقع پا کر ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔ پھر اس کے انتقام میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ بسوس نامی عورت کی اونٹنی کلیب کی چراگاہ میں جا کر چرنے لگی۔ اس نے تیر مار کے اس کا تھن زخمی کر دیا۔ اس بات سے بسوس کا قبیلہ بھڑک اٹھا۔ انہوں نے کلیب کو قتل کر دیا دونوں قبیلوں میں خونریز جنگ ہوئی اور سینکڑوں افراد لقمہ اجل بنے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن کی راہ میں حائل ہونے والی اس رکاوٹ کا کئی طریقوں سے تدارک کیا۔ ایک چیز یہ کہ خود بدلہ لینے کی نفی فرمائی اور قصاص لینے کا اختیار صرف ریاست کو دیا۔ عدالتی فیصلے کے نتیجہ میں اگر کسی کو قتل کی سزا ملے تو اس سے بہر حال وہ نفرتیں نہیں پھیلتیں جو انتقاماً خود قتل کرنے سے پھیلتی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے عفو و درگزر کی تلقین فرمائی جو لوگ معاف کرنے کو بزدلی سمجھتے تھے انہیں یہ حقیقت سمجھائی کہ یہ بزدلی نہیں بلکہ انتہائی اعلیٰ ظرفی ہے اور معاف کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہے۔ قرآن کریم میں قصاص کا حکم بیان فرمانے کے بعد فرمایا گیا

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۗ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ (البقرہ:178)

''پس جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے تو بھلائی سے اس کی پیروی کرے اور شائستگی سے اسے ادا کرے یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور رحمت ہے۔''

Marfat.com

یعنی اے لوگو! معاف کرنا بزدلی نہیں اللہ کی طرف سے رحمت کا اظہار ہے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب رب کی رحمت کے امیدوار ہو اور اپنے جرائم کی معافی کے طلب گار ہو تو تمہیں بھی اللہ کے بندوں سے ایسی ہی رحمت کا معاملہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی ایک خوبی یہ بیان فرمائی کہ

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران: 134)

''وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔''

نبی مکرم ﷺ نے لوگوں کی ذہن سازی اس طرح فرمائی کہ وہ انتقام کے جذبہ سے مغلوب ہو کر فتنہ و فساد پیدا کرنے کا سبب نہ بنیں بلکہ یا اسے معاف کر دیں یا ریاست کے حوالے کر دیں۔

انتقام کا جذبہ اس وقت تو انتہا کو پہنچ جاتا ہے جب کوئی بندہ اپنے دشمن پہ غلبہ پالیتا ہے۔ اسی لیے فاتحین نے مفتوحین کی اس طرح خونریزی کی کہ جس کا تصور کر کے بھی انسانیت کانپ جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انسان کی ذہن سازی اس طرح فرمائی کہ وہ اپنے غصے کے ہاتھوں مجبور ہو کر انسانیت کا خون نہ بہائیں بلکہ فتح کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے انہیں معاف کر دیں۔ اس طرح نہ نفرتیں پروان چڑھتی ہیں اور نہ ہی فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے۔

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

من كظم غيظا و هو قادر على ان ينفذه دعاه الله سبحانه و تعالىٰ على رؤوس الخلائق يوم القيامة حتى يخيره من الحور العين ماشاء۔ (1)

جو اپنا غصہ پورا کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اسے پی جائے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا تا کہ موٹی آنکھوں والی حوروں میں سے جسے چاہے اختیار کر لے۔

آپ ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے نو چیزوں کا حکم دیا ہے۔ ان میں سے

1۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 394، باب من کظم غیظا، رقم الحدیث 4779، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

ایک چیز یہ بیان فرمائی

واعفو عمن ظلمنی۔(1)

''جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کردوں۔''

انسان کی اس ذہن سازی کے علاوہ آپ نے عملی طور پر اس کا بہترین نمونہ پیش فرمایا تا کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ صرف ایک نظریہ ہے جو نا قابل عمل ہے۔ آپ کی پوری حیات مبارکہ جذبہ انتقام کی نفی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ کے اوصاف جمیلہ کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ

ما انتقم لنفسه قط۔(2)

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کیلئے کبھی انتقام نہیں لیا تھا''

آپ نے ان کافروں کے لیے بھی ہدایت کی دعا فرمائی جنہوں نے میدان احد میں آپ کے روئے زیبا کو زخمی کردیا تھا جب آپ کا مقدس خون آپ کے چہرہ مبارک پر بہہ رہا تھا اس وقت بھی آپ فرمار ہے تھے اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے دے۔ یہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔ طائف والوں کو معاف کردیا جب انہوں نے پتھر برسا برسا کے آپ کو لہولہان کردیا تھا۔ آپ صرف اسی وقت تک معاف نہیں فرماتے تھے۔ جب تک آپ کو ان پر ظاہری غلبہ بھی نہیں مل جاتا تھا بلکہ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ آپ کو ان پر ظاہری غلبہ عطا فرماتا تھا آپ کی شان عفو و کرم میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ آپ نے فتح مکہ کے دوران ان دشمنوں کو معاف فرمادیا جنہوں نے آپ پر اور آپ کے وفادار ساتھیوں پر ظلم و ستم کی انتہا کی تھی۔ آپ نے اس شخص سے بھی انتقام نہیں لیا جس نے آپ پر جادو کردیا تھا جس کا نام لبید بن اعصم تھا وہ ایک یہودی تھا۔ آپ نے اس وحشی نامی شخص سے بھی انتقال نہیں لیا جس نے آپ کے محبوب چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کیا تھا۔ آپ نے ہبار بن اسود سے بھی انتقام نہیں لیا تھا جس نے آپ کی صاحبزادی حضرت زینب کو اونٹ سے گرادیا تھا جس

1۔ جامع الاصول فی احادیث الرسول، ج 11، ص 687، ابو السعادات المبارک بن محمد الجزری، مکتبہ دار البیان

2۔ صحیح البخاری، ج 8، ص 160۔ باب اقامۃ الحدود، رقم الحدیث 6786، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

کی وجہ سے ان کے پیٹ والا بچہ ضائع ہوگیا تھا۔

جب پورا عرب آپ کے زیر نگیں ہوگیا تھا اس وقت بھی آپ نے کسی ذاتی دشمن سے انتقام نہیں لیا۔ حجۃ الوداع میں جان، مال اور خون کی حرمت کو بیان کرنے کے بعد فرمایا:

ودماء الجاهلية موضوعة و ان اول دم اضع من دماء نا دم ابن ربيعة بن الحارث و كان مسترضعا في بني سعد فقتله هذيل۔(1)

''جاہلیت کے تمام خون ختم کر دیئے گئے، اور میں اپنے خونوں میں سے پہلا خون جو معاف کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے جو بنو سعد میں پرورش پا رہے تھے اور اسے قوم ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔''

چونکہ جذبہ انتقام فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکاتا ہے اور قتل و خونریزی کا سبب بنتا ہے اس لیے پیغمبر امن و آشتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہ امن کی اس رکاوٹ کا بھی تدارک فرمایا۔ سب سے پہلے انسان کی ایسی ذہن سازی فرمائی کہ وہ انتقام کی جگہ معاف کرنے کے خوگر ہو جائیں یا کم از کم خود انتقام نہ لیں بلکہ اسے قانون کے حوالے کر دیں اور پھر آپ نے عملی طور پر اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہ لے کر دنیا پر یہ چیز واضح فرمائی کہ انتقام لینا بہادری نہیں یہ انا پرستی کی تسکین ڈھونڈنے کا ذریعہ ہے بلکہ اصل بہادری اور انسانیت کے لیے فائدہ مند چیز تو انتقام نہ لینا ہے اسی سے محبتوں کو فروغ ملتا ہے اور اسی سے معاشرہ میں امن قائم ہوتا ہے ورنہ! انتقام اور پھر جوابا انتقام تو خون کی ندیاں بہا دیتا ہے اور پھر بھی ختم نہیں ہوتا۔

(iii) مفاد پرستی کا خاتمہ

جو چیزیں امن و آشتی کی راہ میں سنگلاخ چٹانیں بن کے کھڑی ہو جاتی ہیں ان میں ایک بنیادی چیز مفاد پرستی کا حد سے بڑھا ہوا رجحان بھی ہوتا ہے۔ اپنا مفاد سوچنا فی نفسہ تو برا نہیں لیکن جب اپنا مفاد دوسروں کے حقوق غصب کرنے تک پہنچ جائے اور اپنی خوشی کے چراغ جلانے کے لیے دوسروں کے دیئے بجھا دیئے جائیں تو پھر یہ رویہ نفرتوں کو جنم دیتا

1۔ صحیح ابن حبان، ج 4، ص 310۔ باب الوعید علی ترک الصلوۃ، موسسۃ الرسالہ

Marfat.com

ہے۔ ہمیشہ سے زمین اور زر کی ہوس قتل وخونریزی کے بنیادی اسباب میں رہی ہے۔

پیغمبر امن وآشتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنہ وفساد کے اس محرک کو دو طریقوں سے ختم فرمایا۔ ایک تو انسان کی ذہن سازی اس نہج پر فرمائی کہ وہ اپنے مفاد کی ہوس میں دوسرے کا مال ہڑپ کرنے کا تصور بھی نہ کرے۔ وہ اس قدر ایک اعلیٰ اور باعظمت انسان بن کے جیئے کہ اگر اسے فاقے کاٹنے پڑیں تو وہ کاٹ لے لیکن دوسرے کے مال وزر پر ناجائز قبضہ کا اسے خیال تک نہ آئے اور دوسرا عملی طور پر اس کا اتنا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا جو قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے مینارہ نور اور منبع رشد وہدایت رہے گا۔ امن وآشتی کے اس مانع کا تدارک کرتے ہوئے آپ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ دوسروں کے مال پر قبضہ کرنا صرف کوئی محض دنیوی معاملہ نہیں ہے کہ انسان بااختیار ہو اور قانون کے شکنجے سے بچ جائے تو جو چاہے کرتا رہے بلکہ آپ نے وضاحت فرمائی کہ دوسروں کے مال وزر پہ ناجائز قبضہ کر لینا انسان کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں مبغوض بنا دیتا ہے اور انسان کے ایمان کے لیے ایک زہر ہلاہل ہے اور ایسے کی تو اللہ تعالیٰ کوئی عبادت ہی قبول نہیں فرماتا جس نے دوسروں کے مال وزر کو غصب کر لیا ہو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ہم بارگاہ نبوت میں حاضر تھے۔ جب دیہات سے ایک آدمی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے بتایئے کہ دین میں سب سے سخت چیز کون سی ہے اور سب سے نرم چیز کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا: دین میں سب سے نرم چیز یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور دین میں سب سے سخت چیز امانت ہے۔ خبردار! جس میں امانت داری نہیں اس کا نہ دین نہ نماز نہ زکوٰۃ۔ جس بندے نے مال حرام پر قبضہ کر لیا اور اس نے حرام کے مال میں سے قمیص پہن لی جب تک وہ قمیص اس کے بدن پہ رہے گی اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے برتر ہے۔

Marfat.com

ان یقبل عمل رجل او صلاته و علیه جلباب من حرام۔(1)

''کہ وہ اس شخص کا کوئی عمل یا اس کی نماز قبول کرے جس پر حرام کی قمیص ہو۔''

آپ نے حضرت کعب بن عجرہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

انه لا یدخل الجنة لحم نبت من سحت۔(2)

''بے شک وہ گوشت جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کی پرورش حرام سے کی گئی ہو۔''

جب انسان کی ذہن سازی اس نہج پر ہو کہ وہ زندہ شعور کے ساتھ سمجھ لے کہ دوسروں کے مال پر قبضہ دوزخ کے انگارے اکٹھے کرنا ہے اور حرام سے پلنے والا جسم دوزخ کا ایندھن ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ کسی کے مال کی طرف نظر اٹھا کے دیکھ بھی سکے۔

کبھی زمین فتنہ کا سبب بن جاتی ہے۔ کسی کی زمین پر قبضہ جنگ و جدل کے شعلے بھڑکا دیتا ہے اور پھر نہ جانے کتنی زندگیوں کے چراغ گل ہو جاتے ہیں۔ کتنے سہاگ اجڑ جاتے ہیں اور کتنے بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے انسان کی ذہن سازی اس طرح فرمائی کہ جس کے سبب امن کا یہ مانع بھی کبھی سر نہیں اٹھا سکتا اور تعلیمات نبوی سے فیض یاب ہونے والا کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من غصب رجلا ظلما لقی الله وهو علیه غضبان۔(3)

''جس نے ظلماً کسی کی زمین پر قبضہ کر لیا وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا''

کیا اللہ تعالیٰ پہ ایمان رکھنے والا کوئی بندہ یہ سوچ بھی سکتا ہے کہ میرے مفادات کی ہوس اس حد تک پہنچ جائے کہ میرا رب مجھ سے ناراض ہو کے ملاقات کرے۔ مغصوبہ زمین تو قیامت کے دن غاصب کے لیے عذاب بن جائے گی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

1۔ کنز العمال، ج3، ص678، علاؤ الدین علی بن حسام، رقم الحدیث 8438، موسسۃ الرسالہ

2۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج6، ص380، رقم الحدیث 6675

3۔ صحیح ابن حبان، ج11، ص566، کتاب الغضب، رقم

Marfat.com

من اخذ من الارض شبرا بغیر حقه طوقه من سبع ارضین۔(1)

''جس نے بغیر حق کے کسی کی ایک بالشت زمین پر بھی قبضہ کیا تو قیامت کے دن وہ زمین سات تہوں تک اس کے گلے کا طوق بنادی جائے گی۔''

کیا آخرت کو ماننے والا کوئی انسان اتنے خسارے کا سودا کرسکتا ہے؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ کسی کے مال کی طرف اس نیت سے دیکھنا تو الگ بات آپ نے فرمایا تھا

فمن توفی من المسلمین فترک دینا علی قضاءہ و من ترک مالا فهو لورثته۔(2)

''مسلمانوں میں سے جو آدمی فوت ہوجائے اور وہ قرض چھوڑ جائے تو اس کا قرض میں ادا کروں گا جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے ورثا کے لیے ہوگا''۔

قریش مکہ اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھواتے تھے لیکن جب ان کے ظلم وستم کے سبب آپ ہجرت فرما گئے تو تب بھی آپ نے ان کی امانتوں پر قبضہ نہیں کیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا تاکہ وہ لوگوں کی امانتیں ادا کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔ اس سے واضح ہورہا ہے کہ سیرت کا پیغام یہ ہے کہ دشمنوں کے مال پر بھی ناجائز قبضہ نہ کیا جائے۔

جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور آپ کی اونٹنی بنی نجار کے ایک کھلے میدان میں بیٹھ گئی جو دو یتیم بچوں کی ملکیت تھا جن کے نام سہل اور سہیل تھے۔ آپ نے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا۔ اگر آپ ان بچوں سے کوئی بات کیے بغیر بھی اس جگہ کو کسی استعمال میں لے آتے تو وہ بچے آپ کی راہ میں مزاحم نہیں ہوسکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ نے ان بچوں کے ورثا کو بلایا اور فرمایا: میرے ساتھ اس زمین کا سودا کرو تو ان بچوں نے عرض کیا

1۔ صحیح ابن حبان، ج 11، ص 566، کتاب الغضب، رقم الحدیث 5162، موسسۃ الرسالہ، بیروت

2۔ سنن الترمذی، ج 3، ص 382، باب الصلوۃ علی المدیون، رقم الحدیث 1070، داراحیاالتراث العربی، بیروت

Marfat.com

بل نھبہ لک یا رسول اللہ۔(1)

"یارسول اللہ! ہم یہ زمین بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں"

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا معاوضہ اسے قبول نہیں فرمایا اور دس مثقال قیمت طے پائی اور یہ قیمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مال سے ادا فرمائی جو آپ ہجرت کے وقت ساتھ لائے تھے۔

جن لوگوں نے مال وزر کی ہوس میں معاشرہ کو فتنہ وفساد کی آگ میں جھونک دیا ہے۔ بھتہ خوری کی ہوس میں انسانیت کو خون میں نہلا دیا ہے۔ کاش انہوں نے سیرت کے اس پیغام کو سمجھا ہوتا تو کبھی نفرتوں کے یہ آلاؤ روشن نہ ہوتے اور فتنہ وفساد کے یہ شعلے نہ بھڑکتے۔

(iv) مذہبی نفرتوں کا تدارک

امن وآشتی کی راہ میں ہمیشہ سے ایک بہت بڑی رکاوٹ وہ نفرتیں رہی ہیں جو مذہب کے نام پر پھیلائی جاتی ہیں۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مذہب نفرت کا پیغام نہیں دیتا بلکہ امن کا سفیر ہوتا ہے لیکن جب مفاد پرست لوگ مذہب کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں تو پھر وہ مذہب کے نام پہ جنگ وجدل کے میدان برپا کر دیتے ہیں اور فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکا دیتے ہیں۔

پیغمبر امن وآشتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن کی راہ میں حائل ہونے والی اس رکاوٹ کا بھی مکمل سدباب کیا اور آپ نے کئی طریقوں سے امن کے اس مانع کا تدارک فرمایا جن میں سے چند بنیادی نکات یہ ہیں۔

بھٹکے ہوئے لوگ قابل نفرت نہیں قابل ترس ہیں

ایک انسان مذہبی بنیاد پر جس انسان سے جتنا بھی اختلاف رکھتا ہے وہ جس قدر بھی اسے گمراہ اور بھٹکا ہو سمجھتا ہے اس کے متعلق اس کی سوچ کے دو پیمانے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سوچے کہ یہ انسان انتہائی برا ہے۔ اسے صفحہ ہستی سے مٹ جانا چاہیے وہ اسے ہر

1۔ صحیح البخاری، ج5، ص60۔ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث 3905، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

طرح سے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کرے۔ یہ سوچ نفرتوں کو پروان چڑھائے گی اور قتل وخونریزی پر منتج ہوگی اور دوسری سوچ یہ ہے کہ وہ یہ سوچے کہ ہر انسان ہے تو بھٹکا ہوا اور راہ حق سے منحرف لیکن اپنے خیال میں تو اس نے بھی ایک صحیح راستہ ہی اختیار کیا ہوا ہے۔ اپنے خیال میں یہ بھی نجات کا طالب ہے لیکن جا رہا ہے دوزخ کی طرف۔ کاش! ایسا ہوتا کہ میں اسے راہ جنت پر گامزن کر سکتا۔ سوچ کا یہی دائرہ اختلاف کے باوجود نفرتوں کو جنم نہیں دے گا بلکہ وہ ایک بھٹکے ہوئے انسان کو قابل نفرت نہیں قابل ترس سمجھے جیسے گمراہی بڑھے گی ویسے ہی اس کے ترس کے جذبات میں اضافہ ہوگا۔

بہرا ہوں میں تو چاہیے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

(غالب)

تعلیمات نبوی سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ آپ نے بھٹکے ہوئے اور گمراہ لوگوں کو قابل نفرت نہیں قابل ترس جانا ہے۔ قریش مکہ جنہوں نے ہر طریقہ سے آپ کو اذیت دی۔ آپ کا تمسخر اڑایا، آپ کو ساحر و کاہن اور مجنون کہا آپ کے وفادار ساتھیوں پر ظلم وستم کی انتہا کر دی اور تشدد کے وہ انداز اختیار کیے جن کا تصور کر کے بھی بدن انسانی کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کے وجود آپ انہیں قابل ترس انسان سمجھتے رہے۔ ان کی نجات کے خواہاں رہے اور ان کی ہدایت کے لیے اس قدر بیقرار رہے کہ جیسے آپ ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی وصف جمیل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝

(الکہف:6)

”شاید آپ اس غم میں اپنی جان پر کھیل جائیں گے کہ یہ لوگ اس بات پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟“

Marfat.com

ایک اور مقام پر آپ کے احساس کی انہیں شدتوں کو یوں بیان فرمایا گیا

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء:3)

''تو کیا آپ اپنی جان پر کھیل جائیں گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حد تک بھٹکے ہوئے لوگوں کو معذور جانا ہے۔ انہیں قابل ترس سمجھا ہے قابل نفرت نہیں۔ ایک سرکش گھوڑے کو مار دینا مشکل نہیں ہوتا سدھارنا مشکل ہوتا ہے۔ آپ نے آخری حد تک انہیں سدھارنے کی راہ اپنائی ہے۔

جب غزوہ احد کے موقع پر آپ کا چہرہ اقدس زخمی ہو گیا۔ آپ کا مقدس خون آپ کے رخسار مبارک پہ بہہ پڑا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ دعا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو تہس نہس کر دے تو آپ نے دعا فرمائی۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔(1)

''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت نصیب فرما یہ مجھے جانتے نہیں ہیں''

یعنی انہیں قابل ترس جانا قابل نفرت نہیں۔ یہاں پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جن انبیاء کرام نے اپنی قوم کی ہلاکت و بربادی کے لیے دعا کی ان کی تطبیق کیسے ہوگی؟ تو اس تناظر میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے پہلے انہیں بڑے خلوص اور محبتوں کے ساتھ ایک لمبا عرصہ حق کی طرف بلایا جب وہ نہ مانے تو ان کے لیے دعائے ہلاکت فرمائی اور یہاں تو راہ حق دکھانا اور ان کی ہدایت کے لیے تڑپنا کہیں نظر نہیں آتا۔ پہلے دن ہی کلاشنکوف اٹھائی جاتی ہے یا لوگوں کی تربیت ہی خودکش بمبار بننے کے لیے کی جاتی ہے اور دوسری بات یہ کہ نبوت کا معاملہ اس تناظر میں ایک استثنائی معاملہ ہے۔ انبیاء کرام علیہ السلام نور نبوت سے دیکھ لیتے تھے کہ یہ لوگ کبھی بھی ہدایت نہیں پائیں گے بلکہ یہ اور فاسقوں اور فاجروں کو جنم دے دیں گے۔ اس اذعان اور یقین کی وجہ سے وہ ان کی ہلاکت کی دعا فرماتے تھے اور اب کسی اور کے لیے یہ یقین پانا ممکن نہیں ہے۔ قطع نظر اس کے کہ قانون

1۔ شعب الایمان للبیہقی، ج3، ص45، باب فی بیان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الخ۔ رقم الحدیث 1375، مکتبۃ الرشد

Marfat.com

بھی کسی انسان کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی کو مار دے اور نبوت کا وہ یقین تو ختم نبوت کے ساتھ ویسے ہی اختتام پزیر ہو گیا۔ اس لیے سنت نبوی کا یہ پیغام قیامت تک امن و آشتی قائم کرنے کے لیے مینارہ نور ثابت ہو گا کہ تمہارا مذہبی مخالف قابل نفرت نہیں قابل ترس ہے اسے مارنے کے درپے نہ ہو جاؤ اس کی ہدایت کے لیے تڑپو اور اسے سدھارنے کے لیے پوری کوشش کرو

حق نے کر ڈالی ہیں دوہری خدمتیں تیرے سپرد
خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے

اپنے مذہب کے احترام کے حوالے سے

تعلیمات نبوی میں مذہبی منافرت کو ختم کرنے کا ایک ایسا زریں اصول دیا گیا ہے جس کے دوررس اثرات پر جتنا بھی غور کیا جائے کم ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا مذہب اور عقیدہ ہر شخص کو محبوب ہوتا ہے کوئی نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے مذہب اور عقیدہ کی توہین کرے۔ رسول کریم ﷺ نے لوگوں کو یہ اصول دیا کہ دوسرے کے مذہب کی توہین کرنا دراصل اپنے مذہب کی توہین کرنا ہے۔ دوسروں کے مذہبی معتقدات پر حملہ بالواسطہ اپنے معتقدات پر حملہ ہے۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ کوئی تمہارے مذہب کی توہین نہ کرے تو تم بھی کسی کے مذہب کی توہین نہ کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کوئی تمہارے اکابرین پہ کیچڑ نہ اچھالے تو تم بھی کسی کے اکابرین پہ کیچڑ نہ اچھالو۔ آپ نے اس زریں اصول کو بیان فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بھلا کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے۔؟ تو آپ نے فرمایا:

نعم یسب ابا الرجل فیسب اباہ ویسب امہ فیسب امہ۔(1)

''ہاں! وہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے وہ جواب میں اس کے باپ کو گالی دیتا ہے وہ کسی

1۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 312، ماجاء فی عقوق الوالدین، رقم الحدیث 1902، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

کی ماں کو گالی دیتا ہے وہ جواب میں اس کی ماں کو گالی دیتا ہے"۔

یعنی کسی کے والدین کو گالی دینا دراصل اپنے والدین کو گالی دینا ہے جو اپنے والدین کا احترام چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے والدین کا احترام کرے۔ یہی اصول مذہبی منافرت کو ختم کرنے کے لیے اپنایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ الخ۔

(انعام:108)

''اور جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں گالی نہ دو ورنہ یہ لوگ حد سے گزر کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے۔''

یعنی دوسروں کے مذہب کی توہین اپنے مذہب کی توہین کا راستہ کھولتی ہے۔ مثبت انداز میں حقیقت کو واضح کرنا اور چیز ہے اور توہین آمیز رویہ اختیار کرنا اور چیز ہے۔ اس سے سیرت طیبہ کا یہ پیغام بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ مثبت انداز میں حق کو واضح ضرور کرو جیسا قرآن وسنت میں کیا گیا لیکن توہین پر مبنی رویے اپنے ہی مذہب کی توہین کا دروازہ کھولتے ہیں اور پرامن شہر میدان جنگ کا منظر پیش کرنے لگتے ہیں۔

مذہبی رواداری کا فروغ

مذہب کی بنیاد پر پیدا ہونے والی نفرتوں کو ختم کرنے کے لیے رسول کریم ﷺ نے مذہبی رواداری کو فروغ دیا۔ یعنی اختلافات اپنی جگہ لیکن اخلاقی اقدار کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے
دستار کے ہوتے ہوئے سر کاٹ رہا ہے

اس پر تفصیلی گفتگو تو پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے یہاں صرف چند ارشادات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

جب رسول کریم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے تو جو یہود کے ساتھ معاہدہ کیا

Marfat.com

اس کی ایک شق یہ تھی کہ یہود اپنے دین کے مطابق رہیں گے اور مسلمان اپنے دین کے مطابق۔ یعنی یہود کو ان کے اپنے دین کے مطابق جینے کا حق دیا گیا۔ اسلام تو اللہ تعالیٰ کا پہلا تعارف ہی رب العالمین کہہ کے کرواتا ہے کہ وہ تمام جہانوں کا پروردگا ہے جو اسے مانیں وہ انہیں بھی روزی دیتا ہے اور جو نہ مانیں وہ انہیں بھی روزی دیتا رہتا ہے۔ مومن کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ سب کو جینے کا حق دے۔

یہ مذہبی رواداری کا ہی ایک مظہر تھا کہ آپ نے نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور جب ان کی عبادت کا وقت ہوا تو آپ نے انہیں مسجد میں ہی اپنی عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی باوجود اس کے کہ ان کی عبادت میں ایک طرح کی موسیقی بھی شامل ہوتی تھی۔

دوسروں کے مذہب اور مسلک کو ایک حقیقت ماننا اور انہیں بھی جینے کا حق دینا سیرت نبوی کا ایک ایسا روشن ضابطہ ہے جو مذہب کی بنیاد پر پھیلنے والی نفرتوں کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے۔

اندازہ فرمایئے کہ اگر ہم سیرت طیبہ کے ان زریں اصولوں کو اپنا لیں کہ ہم اپنے مخالف مذہب اور مسلک کو نفرت سے نہیں ترس کی نگاہ سے دیکھیں۔ ہم انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش نہ کریں بلکہ سمجھیں کہ یہ بیچارے بھٹک گئے ہیں انہیں راہ راست پر لانا چاہیے تو ہمارے دلوں میں نفرتیں پروان نہیں چڑھیں گی بلکہ ہم انہیں رحم اور ترس کی نظروں سے دیکھیں۔

اگر یہ حقیقت سمجھ لی جائے کہ دوسروں کے مذہب کی توہین دراصل اپنے مذہب کی توہین ہے اور دوسروں کے اکابرین کو سب وشتم کرنا بالواسطہ اپنے اکابرین کو سب وشتم کرنا ہے تو کوئی اپنے اکابرین سے سچی محبت کرنے والا کسی کے اکابرین کی توہین کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مذہب کے نام پر جو فتنہ وفساد برپا کیا جاتا ہے اور مسلک کا نام لیکر جو جنگ وجدل کے معرکے برپا کیے جاتے ہیں اس سے مذہب ومسلک کی عزت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ پیر حرم کی کم نگاہی حرم کی رسوائی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ اگر مذہبی منافرت ختم کرنے کے لیے

Marfat.com

سیرت کے اس پیغام کو فروغ دیا جائے تو نفرتیں ختم ہو جائیں گی اور ہر طرف امن و آشتی کا دور دورہ ہوگا۔

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

مجرموں پر سزا کا نفاذ

تمام انسانوں کا مزاج یکساں نہیں ہوتا کچھ لوگ پیار کی زبان سمجھتے ہیں، محبت اور دلیل کے شیدا ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف سختی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پیغمبر امن و آشتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی زمینی حقیقت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے امن قائم کرنے کے لیے جو نظام عطا فرمایا اس میں آپ نے صرف امن کے محرکات ہی واضح نہیں فرمائے۔ اس کے موانع کا تدارک ہی نہیں کیا بلکہ اس تمام تربیتی نظام کے باوجود جو انسان پھر بھی جرم کا ارتکاب کریں انہیں کڑی سے کڑی سزائیں دیں۔ انسان کے مزاج کے مختلف مظاہر سمجھے بغیر یہ بات سمجھ آ ہی نہیں سکتی کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجرموں پر سزا کا نفاذ کیوں فرمایا ہے۔

بادی النظر میں تو مجرموں کو سزا دینا ایک ایسا عمل نظر آتا ہے جس میں رحم کا جذبہ مفقود ہو لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ایک مجرم کو سزا دینے سے پورا معاشرہ چین کی نیند سوتا ہے۔ سزا کے نفاذ میں اگرچہ ایک شخص پر سختی ہوتی محسوس ہوتی ہے لیکن اس کے عمومی اثرات یہ ہیں کہ پورا معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ تعلیمات نبوی سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اگر مقتول کے ورثا معاف کرنا چاہیں یا خون بہا لینا چاہیں تو انہیں اجازت ہوگی۔ اب بظاہر تو یہ چیز عجیب سی محسوس ہوتی ہے کہ ایک شخص تو قتل ہو گیا۔ اس کے تو بچے یتیم ہو ہی گئے اب اس کے قاتل کو قتل کرنے سے وہ زندہ تو نہیں ہو جائے گا؟ تو آخر قاتل کو قتل کر کے ایک جان اور کیوں لے لی جاتی ہے۔ تو یہاں تعلیمات نبوی سے حاصل ہونے والی اس حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ جب قاتل کو سزا میں قتل کر دیا جائے تو پھر کوئی دوسرا انسان قتل نہیں ہوگا۔ سزا کا نفاذ جرم کو کالمعدوم کر دیتا ہے اس لیے قاتل کا قتل دراصل پورے معاشرہ کی زندگی ہے۔ یہ نکتہ قرآن

Marfat.com

مجید کے اس فرمان سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾ (البقرہ:179)

''اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص میں ایک زندگی ہے تا کہ تم بچ کر رہو۔''

یعنی قاتل کا قتل پورے معاشرہ کی زندگی ہے۔ ظالم کے ساتھ نرمی مظلوم پر ظلم ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جو دین دیا اس میں اس حقیقت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا گیا کہ سزا دوسروں کے لیے نشان عبرت بنی چاہیے تا کہ مجرم کا یہ حال دیکھ کر دوسرے جرم سے باز رہیں۔ یہ نکتہ قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ میں سمجھایا گیا ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ (النور:2)

''بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد ان دونوں کو سو سو کوڑے مارو اور اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملہ میں تمہیں ان پر کوئی ترس نہیں آنا چاہیے اور چاہیے کہ انہیں سزا دیتے وقت مومنوں کی ایک جماعت وہاں موجود ہو۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے انسان کی ذہن سازی کی کہ وہ جرم کا ارتکاب نہ کرے اگر اس کے باوجود بھی کوئی ارتکاب جرم کرتا ہے تو اس پر سزا کا نفاذ فرمایا اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جہاں مجرم کو سزا ملے وہاں جرم تقریباً ختم ہو جاتا ہے اور جہاں سزا کا نفاذ مفقود ہو جائے وہاں جرم اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ پورا معاشرہ اس کے ہاتھوں گروی ہو جاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے تو کبھی کسی کو سزا نہیں دی۔ یہ آپ کو ہی اختیار حاصل تھا کہ آپ اپنی ذات کے دشمنوں کو سزا دیں یا معاف کریں لیکن جس نے جرم کر کے افراد یا معاشرہ کو نقصان پہنچایا یا معاشرتی امن تباہ کیا آپ نے انہیں وہ سزائیں ضرور دیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون میں ان کے لیے مقرر کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اگر کسی گناہ کی سزا سو کوڑے مقرر فرمائی ہے تو نہ کسی کو ایک کوڑا کم مارنے کا اختیار ہے نہ زیادہ مارنے کا۔

Marfat.com

ورنہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں تبدیلی ہوگی اور ایسا کرنے والا عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سزاؤں کو نافذ کرنے کا حکم دیا اور معاشرہ کے لیے اس کے ثمرات کو واضح فرمایا اور وضاحت فرمائی کہ کوئی بھی مانع اور ملامت حدود کے نفاذ سے اہل ایمان کو روک نہ دے۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اقیموا حدود اللہ من القریب والبعید ولا تاخذکم فی اللہ لومۃ لائم۔(1)

''نزدیک اور دور اللہ کی حدود کو قائم کرو اور احکام الٰہی کے نفاذ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہاری راہ میں رکاوٹ نہ بنے''۔

آپ نے حدود کے ثمرات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اقامۃ حد من حدود اللہ خیر من مطر اربعین لیلۃ فی بلاد اللہ۔(2)

''اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد کو قائم کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے۔''

ایک موقع پر جب کچھ لوگوں نے ایک معزز خاندان کی عورت کی سفارش کروانا چاہی تا کہ وہ سزا سے بچ جائے اور اس کے خاندان کی عزت پر حرف نہ آئے تو آپ نے فرمایا:

انما ھلک الذین من قبلکم انھم اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد الخ۔(3)

''تم سے پہلے لوگ اسی لیے برباد ہوگئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ جب سزا صرف غریبوں کے لیے رہ جائے۔ امیر قانون کی گرفت سے بالاتر ہو جائیں تو وہ وقت قوموں کی تباہی کا وقت ہوتا ہے۔ اگر مجرموں کو سزا دیئے بغیر انسانی معاشرہ امن و آشتی سے ہمکنار ہو سکتا ہے تو مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی مجرموں کو

1۔ سنن ابن ماجہ، ج2، ص849، باب اقامۃ الحدود، رقم الحدیث 2540، دار الفکر، بیروت

2۔ نفس مصدر، ج2، ص848، باب اقامۃ الحدود، رقم الحدیث 3537

3۔ سنن ابی داؤد، ج4، ص230، باب فی الحدود رقم الحدیث 4375، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

سزا نہ دیتے لیکن انسانی جبلت کے اس پہلو سے انحراف ناممکن ہے کہ معاشرتی امن کے لیے سزا کا نفاذ بھی ایک ضروری عنصر ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ سے واضح ہے کہ آپ نے بہت سے مواقع پر مجرموں کو سزائیں دیں۔ جیسے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اور حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا پر حد جاری فرمائی۔ (1)

جب اہل مدینہ نے بڑے متشددانہ طریقے سے قتل کا ارتکاب کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قصاص میں قتل کیا اور ان کے جرم کے مطابق انہیں سزا دی۔ (2)

ایک مرتبہ ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ ہمارا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق کیجیے۔ اب دوسرا فریق جو پہلے سے بھی کچھ زیادہ ہی سمجھدار تھا کہنے لگا: ہاں! یا رسول اللہ! ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق فرمائیے اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیان کر! اس نے عرض کیا: میرا بیٹا اس شخص (دوسرے فریق) کے پاس نوکر تھا اس نے اس شخص کی بیوی سے بدکاری کی۔ میں نے سو بکریاں اور ایک غلام دے کر اپنے بیٹے کو چھڑوا لیا۔ اس کے بعد میں نے کئی اہل علم سے پوچھا انہوں نے کہا کہ تیرے بیٹے کیلئے سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس شخص کی بیوی کیلئے رجم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: اس پروردگار کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور جس کا ذکر بلند ہے۔ میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ سو بکریاں اور غلام۔ (جو تو نے دیئے) تجھے واپس کر دیئے جائیں گے اور تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور سال کی جلاوطنی ہے۔

واغد یا انیس علی امراۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا فغدا علیھا فرجمھا۔ (3)

''اے انیس کل صبح اس عورت کے پاس جاؤ۔ اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اسے رجم

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، صحیح المسلم، ج3، ص1322، باب من اعترف علی نفسہ الخ۔ رقم الحدیث 1635، دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج7، ص6، رقم الحدیث 6232، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

3۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج5، ص234، رقم الحدیث 5189، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

کردو۔ پھر حضرت انیس رضی اللہ عنہ صبح اس عورت کے پاس گئے تو اس نے اعتراف کرلیا تو حضرت انیس رضی اللہ عنہ نے اسے سنگسار کر دیا''۔

سیرت طیبہ سے مجرم کو سزا دینے کے چند شواہد صرف اس لیے پیش کیے گئے تاکہ یہ حقیقت بخوبی سمجھی جاسکے کہ امن وآشتی قائم کرنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف امن کے محرکات کو ہی بیان نہیں فرمایا اور صرف اس کے موانع کا تدارک ہی نہیں کیا بلکہ پہلے آپ نے انسان کی ذہن سازی اس نہج پر کی کہ وہ جرم سے باز رہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص ارتکاب جرم سے نہیں رکا تو آپ نے اسے اس کے جرم کے مطابق سزا دی۔ اس میں نہ کسی دباؤ کو قبول کیا نہ کسی کی سفارش مانی اور نہ ہی کوئی اور چیز سزا کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بن سکی۔

اس وقت ہمیں جس قتل وخونریزی اور فتنہ وفساد سے واسطہ ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے سیرت طیبہ کے اس پیغام کو فراموش کر دیا جو امن وآشتی کا ضامن ہے۔ ہم نے انسانی احترام کا سبق فراموش کر دیا۔ دوسرے کے مذہب ومسلک کا احترام بھلا دیا۔ جب انسان پر اپنے مفادات کا بھوت اس طرح سوار ہوجائے کہ وہ اپنے گھر کو روشن کرنے کے لیے دوسروں کے گھروں کے دیئے بجھا دے، جب انسانی جان کی حرمت پامال ہوجائے اور بے گناہ کے قتل کو نیکی سمجھا جانے لگے، جب انتقام کا جذبہ کئی گنا خونریزی کے بغیر بجھنے کا نام نہ لے۔ جب مذہبی نفرتیں اپنے جوبن پر پہنچ جائیں، جب مذہبی مخالفین کو صفحہ ہستی سے مٹائے بغیر اپنی طاقت کو مسلم نہ سمجھا جائے تو اس وقت قتل وخونریزی نہیں ہوگی تو کیا ہوگا؟ نفرتیں پروان نہیں چڑھیں گی تو آخر یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟

فتنہ وفساد کے یہ شعلے بجھ سکتے ہیں، مفادات کے حصول کے لیے بھڑکائی ہوئی آگ ٹھنڈی ہوسکتی ہے۔ مذہب کے نام پہ بپا کیے ہوئے معرکے اختتام پزیر ہوسکتے ہیں۔ نفرتوں کے الاؤ بجھا کے محبتوں اور الفتوں کے دیپ روشن ہوسکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہم امن وآشتی کے قیام کے لیے اس طریق کار کو اپنالیں جو ہمیں پیغمبر امن وآشتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

نے دیا ہے۔ ہم قیام امن کے لیے سیرت طیبہ کے اس پیغام کو سمجھیں بھی اور اسے اپنے دلوں میں اتار بھی لیں۔

شب سیاہ سے لرزاں ہے کائنات خیال
اسے چراغ سرِشام کی ضرورت ہے
جہاں جہاں پہ بھی انسانیت ہے خطرے میں
وہاں وہاں تیرے پیغام کی ضرورت ہے
(قتیل شفائی)

Marfat.com

ترجیحات کا تعین۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾ (الرحمٰن)

''اور آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان بنایا۔ تاکہ تم میزان میں حد سے آگے نہ بڑھو اور وزن بالکل پورا رکھنا اور تولنے میں کمی نہ کرنا''

Marfat.com

حج وی کیتی جاندے او
لہو وی پیتی جاندے او
کھا کے مال یتیماں دے
بھج مسیتی جاندے او
پھٹ دلاں دے سیندے نئیں
ٹوپیاں سیتی جاندے او
چھری نہ پھیری نفساں تے
دنبے کیتی جاندے او
فرض بھلائی بیٹھے او
نفلاں نیتی جاندے او
دسو ناں کجھ بلھے شاہ
ایہہ کی کیتی جاندے او
ایہہ کی کیتی جاندے او

(حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

زندگی میں ترجیحات کا تعین ایک اتنی بڑی اور مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا اور ہر شخص وہ امیر ہو یا غریب، ناخواندہ ہو یا بہت بڑا فلسفی اور بادشاہ ہو یا گدا اگر وہ اپنی زندگی میں ترجیحات کا خیال ضرور رکھتا ہے۔ ہر انسان کو پیسہ بہت محبوب ہے لیکن جب اسے بھوک لگے تو وہ اسی پیسہ کو خرچ کر کے کھانا کھاتا ہے اور بیمار ہو تو اسی پیسہ کو اپنی صحت یابی کے لیے پانی کی طرح بہا دیتا ہے اس سے یہ نتیجہ بڑی آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کہ انسان کے نزدیک اس کی جان کو اس کے پیسے پر ترجیح حاصل ہے لیکن وہ اپنی عزت بچانے کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے یعنی وہ اپنی جان پر اپنی عزت کو ترجیح دیتا ہے اسے اپنا آرام بہت محبوب ہے لیکن وہ اپنا مستقبل سنوارنے کے لیے اپنا آرام قربان کر دیتا ہے۔ الغرض ہر شخص اپنی سوچ اور سمجھ کے مطابق اپنی زندگی میں ترجیح کا اصول ضرور اپناتا ہے۔

مادی زندگی میں تو ترجیحات کا تعین ایک ناقابل انکار حقیقت ہے اور انسان بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہے لیکن ایمانیات، فلاح دارین اور امور آخرت کے حوالے سے اسے ترجیحات کا تعین کیسے کرنا چاہیے؟ اس سوال کا صحیح جواب ہمیں اسی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کی تعلیمات میں ملے گا جن کی مقدس ذات کو انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں ترجیحات کے تعین کے لیے چند بنیادی نکات ملاحظہ ہوں۔

(i) اصل کو فرع پر ترجیح دی جائے گی

دین میں کچھ چیزیں اصل کی حیثیت رکھتی ہیں اور کچھ فرع کی۔ سیرت طیبہ کا ایک اہم پیغام یہ ہے کہ اصل کو فرع پر ترجیح دی جائے گی اور توجہات کا مرکز اصل کو بنایا جائے گا۔ بادی النظر میں تو یہ ایک عام اور واضح سی بات لگتی ہے لیکن عملی زندگی میں عموماً اس حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ لوگ اس اصل کو بھلا دیتے ہیں جن پر عمل کرنا دین کا سب سے بڑا

Marfat.com

مطالبہ ہوتا ہے اور اس فرع پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دیتے ہیں کہ اگر وہ اس کام کو نہ بھی کرتے تو وہ دین کے مجرم نہیں تھے۔ جیسے قریش حاجیوں کو پانی تو اہتمام سے پلاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو لاشریک نہیں مانتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے مختلف پہلوؤں سے اس چیز کی تلقین فرمائی کہ اصل کو فرع پر ترجیح دی جائے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل نجد میں سے ایک آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس کے بال پراگندہ تھے۔ ہم اس کی آواز کی گونج سن رہے تھے مگر اس کی بات سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوا اور اسلام کے متعلق سوال کرنے لگا تو آپ نے فرمایا:

خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ

''دن اور رات میں پانچ نمازیں ادا کرنا''

اس نے کہا کوئی اور نماز بھی مجھ پر لازم ہے؟

آپ نے فرمایا:

لا الا ان تطوع

''نہیں مگر یہ کہ تم نفل پڑھو''۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

وصیام شھر رمضان

''اور رمضان کے مہینے میں روزے رکھنا''۔ اس نے پھر پوچھا کیا مزید بھی کچھ روزے مجھ پر لازم ہیں؟

آپ نے فرمایا:

لا الا ان تطوع

''نہیں سوائے اس کے کہ تم نفل روزے رکھو''۔ پھر اس کے سامنے رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ کا ذکر کیا۔ آپ نے اسے اسی طریقہ سے جواب دیا۔ اس کے بعد اس نے منہ موڑا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا کہ میں اس پر نہ اضافہ کروں گا نہ اس میں کمی کروں گا۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

افلح ان صدق۔(1)

''اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ کامیاب ہو گیا۔''

اس حدیث پاک سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ نے دین کی اصل باتوں کا ذکر کس اہتمام سے فرمایا اور فروع کا ذکر کس درجہ میں فرمایا۔ اب اگر کوئی آدمی رات کو دیر تک نوافل تو پڑھتا رہے لیکن نماز کے وقت سو جائے اور کسی مستحب عمل پر تو لاکھوں خرچ کر دے لیکن رزق حلال کا اہتمام نہ کرے تو دراصل اس آدمی نے سیرت کے پیغام کو نہیں سمجھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اصول کو فروع پر مقدم کیا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں لے جائے تو آپ نے فرمایا:

تعبد و اللہ لا تشرك به شياء و تقيم الصلوة و توتى الذكوة و تصل الرحم۔(2)

''اللہ کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بدو آیا وہ آپ سے عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جسے میں ادا کروں تو جنت میں چلا جاؤں۔ آپ نے فرمایا:

تعبد و اللہ لاتشرك به شياء و تقيم الصلوة المكتوبة و تؤدى الزكوة المفروضة و تصوم رمضان۔(3)

''اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، فرض نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔''

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، سنن النسائی، ج 1، ص 226۔ باب کم فرضت فی الیوم، رقم الحدیث 458، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب

2۔ شعب الایمان للبیہقی، ج 6، ص 218، رقم الحدیث 7942، دار الکتب العلمیہ، بیروت

3۔ نفس مصدر، ج 7، ص 502، رقم الحدیث 11132

Marfat.com

اس نے کہا اس رب کی عزت کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میں نہ اس میں اضافہ کروں گا نہ کمی اور جب وہ جانے لگا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من سرہ ان ینظرالی رجل من اھل الجنة فلینظرالی ھذا۔(1)

''جو چاہتا ہے اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے وہ اس شخص کو دیکھ لے''

اس سے سیرت طیبہ کا یہ پیغام بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ دین میں اصل اہمیت اصول کی ہے۔فروع کی ادائیگی میں فروع کا ترک خلاف سنت ہے۔کسی انسان کا خون بہانا کسی بھی آدمی کے لیے حرام ہے کسی مستحب کو اس طرح اہمیت دینا کہ اس سے قتل وخونریزی ہو تعلیمات نبوی کے خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ فرض کفایہ پر فرض عین کو ترجیح دیتے تھے مثلاً اقدام جہاد فرض کفایہ ہے اور والدین کی خدمت فرض عین ہے۔ جب بھی کسی ایسے آدمی نے جہاد کی اجازت مانگی کہ جس کے والدین کو اس کی خدمت کی ضرورت تھی تو آپ نے اسے جہاد کی اجازت نہیں دی اور اسے والدین کی خدمت کا حکم دیا۔ایک شخص نے آپ سے جہاد کی اجازت مانگی۔آپ نے اس سے پوچھا:

الك والدان۔

کیا تیرے والدین زندہ ہیں۔اس نے کہا: ہاں! تو فرمایا:

الزمھا فان الجنة تحت رجلھما۔(2)

''ان کے پاس رہو جنت ان کے قدموں کے نیچے ہے''

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فرماتے ہیں ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا میں اپنے ماں باپ کو روتے چھوڑ کر آیا ہوں کہ آپ سے ہجرت پر بیعت

1۔جامع العلوم والحکم،ج1،ص207،ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد،دارالمعرفہ،بیروت

2۔مصنف عبدالرزاق،ج5،ص176،باب الرجل یغزو وابوہ الخ،رقم الحدیث 9290،المکتب الاسلامی بیروت

Marfat.com

کروں۔آپ نے فرمایا:

ارجع الیھما فاضحکھما کما ابکیتھما۔(1)

''واپس چلا جا اور انہیں اسی طرح ہنسا جیسے تو نے انہیں رلایا ہے''

اس سے واضح ہورہا ہے کہ فرع کو اصل پر اہمیت دینے والا سنت نبوی کی مخالفت کررہا ہوتا ہے۔کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ رزق حلال کا اہتمام تو نہ کرے لیکن کسی مقدس شخصیت کو بہت بڑا نذرانہ ضرور دے،اپنے بچوں کے حقوق تو پامال کرے لیکن کسی دعوتی دورے پر ضرور جائے اور کسی غریب کا حق مار کے اپنے سخی ہونے کا یقین دلانے کی کوشش کرتا رہے کیونکہ فرائض اصل ہیں اور مستحبات فرع ہیں اور سیرت طیبہ کا درس یہ ہے کہ اصل ہر حال میں فرع پر مقدم ہوگا۔

(ii) ذاتی نفع پر دوسروں کے نفع کو ترجیح دی جائے گی

بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کا فائدہ صرف انسان کی اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کا فائدہ دوسرے انسانوں تک پہنچتا ہے جیسے ایک شخص پوری رات نوافل پڑھتا ہے تو اس کا بلاواسطہ فائدہ اس کی ذات کو پہنچے گا لیکن اگر کوئی شخص علم کی روشنی پھیلاتا ہے تو اس کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچے گا۔سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپ نے دوسروں کو فائدہ پہنچانے والے کاموں کو ان چیزوں پر ترجیح دی ہے جن کا فائدہ کسی انسان کی اپنی ذات تک محدود ہو۔اور آپ نے متعدد پہلوؤں سے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔مثلاً نماز اور روزہ یہ ایسے اعمال صالحہ ہیں جن کا فائدہ انسان کی اپنی ذات کو پہنچتا ہے لیکن اگر وہ دو لڑے ہوؤں میں صلح کروادے تو اس کا فائدہ دوسروں کو پہنچے گا اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح کروانے کے عمل کو نماز اور روزہ سے افضل قرار دیا ہے۔آپ نے فرمایا:

الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصلوٰۃ والصیام والصدقۃ قالوا، بلی قال اصلاح

1۔سنن ابی داؤد،ج 2،ص 324۔باب الرجل یغزو وابواہ کارھان،دارالکتاب العربی،بیروت

Marfat.com

ذات البین، فان فساد ذات البین الحالقة۔(1)

کیا میں تمہیں ایک ایسے عمل کے متعلق نہ بتاؤ جو نماز، روزہ اور صدقہ سے افضل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا لڑے ہوؤں میں صلح کروا دینا اور فساد پھیلانا تو ایمان کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ یہاں صلح کو ان فرائض سے افضل اسی لیے بتایا گیا ہے کہ ان اعمال کا فائدہ انسان کی اپنی ذات تک محدود ہے اور صلح کا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہاں تو صلح کروانے کو صدقہ سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے اور صدقہ کا فائدہ تو دوسروں کو پہنچتا ہے تو گزارش ہے کہ صدقہ کا فائدہ دوسروں کو ضرور پہنچتا ہے لیکن ایک مخصوص حد تک جسے صدقہ دیا جائے اس کی ذات کو یا اس کے اہل خانہ کو لیکن صلح تو نفرتوں کو ختم کرتی ہے اور نفرتوں کی آگ بھڑک اٹھے تو قوموں اور شہروں کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔

اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

احب الناس الی الله انفعهم و احب الاعمال الی الله عزو جل سرور تدخله علی مسلم او تكشف عنه كربة او تقضي عنه دينا او تطرد عنه جوعا ولان امشي مع اخي المسلم في حاجة احب الي من ان اعتكف في المسجد شهرا۔(2)

''لوگوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو زیادہ نفع پہچانے والے ہیں اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب یہ عمل ہے کہ تم کسی مسلمان کو خوش کرو، یا اس سے کوئی مصیبت دور کرو، یا اس کا قرض ادا کرو یا اس کی بھوک ختم کرو۔ اگر میں اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ساتھ چند قدم چلوں تو یہ عمل مجھے ایک مہینا تک مسجد میں اعتکاف بیٹھنے سے زیادہ محبوب ہے۔''

نوافل کا فائدہ انسان کی اپنی ذات تک محدود ہے جبکہ جہاد فی سبیل اللہ لوگوں کو ظلم و جبر سے بچاتا ہے اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مواقع پر جہاد کو انفرادی عبادت سے

1۔ سنن ابی داؤد، ج4، ص432، باب فی اصلاح ذات البین، رقم الحدیث 4921، دار الکتاب العربی، بیروت
2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج12، ص453، رقم الحدیث 13646، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

افضل عمل قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی کسی وادی سے گزرا جس میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک خوبصورت چشمہ تھا۔ اسے وہ جگہ بہت پسند آئی وہ کہنے لگا کاش یہ لوگ یہاں سے چلے جائیں تو میں یہاں اکیلا ہی عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاؤں لیکن یہ کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر نہیں کروں گا۔ اس نے اس چیز کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا:

لا تفعل فان مقام احدكم في سبيل الله افضل من صلاته في بيته سبعين عاما۔ الا تحبون ان يغفر الله لكم و يدخلكم الجنة اغزوا في سبيل الله من قاتل في سبيل الله فواق ناقة وجبت له الجنة۔ (1)

''ایسے نہ کر۔ کیونکہ تم میں سے ایک شخص جہاد کرتے ہوئے ایک لمحہ کھڑا رہے یہ اس کے لیے اس سے افضل ہے کہ وہ اپنے گھر میں ستر سال تک نمازیں پڑھتا رہے کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ بخش دے اور تمہیں جنت میں داخل کرے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو اونٹنی دوہنے کے درمیانی وقفہ کے برابر جہاد کرتے ہوئے کھڑا رہا۔ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔''

عبادت کا فائدہ انسان کی اپنی ذات کو ملتا ہے لیکن علم کا فائدہ دوسرے لوگوں تک پہنچتا ہے اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ عالم کی عابد پر فضیلت کو بیان فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب۔ (2)

عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو باقی تاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

ایک اور موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا۔

فضل العالم على العابد كفضلي على ادناكم۔ (3)

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 9، ص 160، باب فی فضل الجهاد، رقم الحدیث 18972۔ مجلس دائرۃ المعارف، حیدر آباد

2۔ سنن ابی داؤد، ج 3، ص 354، باب الحث علی طلب العلم، رقم الحدیث 3643، دار الکتاب العربی، بیروت

3۔ سنن الترمذی، ج 5، ص 50، باب فضل الفقه علی العبادة، رقم الحدیث 2685، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

''عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے تم میں سے ایک ادنی مسلمان پر فضیلت حاصل ہے''۔

اسی طرح عادل بادشاہ کا عدل دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا عمل ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے عابد پر ایک عادل بادشاہ کو فضیلت دی ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

یوم من امام عادل افضل من عبادۃ ستین سنۃ۔(1)

''عادل بادشاہ کی زندگی کا ایک دن (عام انسان کی) ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جن سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا ان میں ایک عادل بادشاہ بھی ہوگا۔(2)

ان چند چیزوں پر غور کرنے سے سیرت النبی ﷺ کے اس پیغام کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ ہمیشہ ذاتی نفع پر دوسروں کو نفع دینے والے اعمال کو ترجیح دیتے تھے۔

(iii) تھوڑا دائمی عمل زیادہ عارضی عمل پر راجح ہوگا

بعض انسانوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی کام کرنے کا موڈ بنا تو اسے کرنے میں انتہا کو پہنچ جائے اور جب اس کام کو چھوڑا تو اس طرح چھوڑا کہ جیسے کبھی اس سے واسطہ ہی نہیں تھا۔ مثلاً جب عبادت کی طرف طبیعت مائل ہوئی تو پوری پوری رات نوافل ہی پڑھتے رہے اور جب طبیعت سیر ہوئی تو نوافل تو کجا فرائض بھی چھوڑ دیئے۔ انسان کا یہ عمل تعلیمات نبویہ کے خلاف ہے۔ رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ ہمیشہ عمل پر دوام کی تلقین فرماتے تھے۔ اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو اور تھوڑے دائمی عمل کو زیادہ عارضی عمل پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ نے متعدد مواقع پر اس حقیقت کو مختلف اسالیب سے بیان فرمایا۔ ایک تو آپ نے ہمیشہ دائمی عمل کی تلقین فرمائی۔ اگرچہ وہ تھوڑا ہی

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج 8، ص 162، باب فضل الامام العادل، رقم الحدیث 1809 مجلس دائرۃ النظامیہ، دکن
2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، نفس مصدر، ج 3، ص 65، باب فضل المساجد، رقم الحدیث 5176

Marfat.com

ہو کیونکہ اگر بہت زیادہ عمل کیا جائے یا تو کچھ عرصہ بعد انسانی طبیعت اس سے سیر ہو جائے گی اور انسان عمل چھوڑ دے گا اور یا انسانی ہمت جواب دے جائے گی اور انسان تھک کر اس عمل کو کر ہی نہیں سکے گا اس لیے آپ نے اس عمل کی تحسین فرمائی جس پر دوام ہو۔ اگر چہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ

ای العمل احب الی اللہ تعالی قال ادومہ وان قل۔(1)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کون سا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جس پر دوام اختیار کیا جائے اگر چہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک چٹائی تھی۔ آپ رات کو صحابہ کرام کے ساتھ اس پر نماز پڑھتے تھے اور دن کو اسے بچھا لیتے تھے۔ ایک رات بہت زیادہ صحابہ کرام آ گئے تو آپ نے فرمایا:

یا ایھا الناس علیکم من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا وان احب الاعمال الی اللہ ما دوام علیہ وان قل و کان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا عملوا عملا اثبتوہ۔(2)

''اے لوگو! اپنی طاقت کے مطابق عمل کیا کرو کیونکہ اللہ (اجر دینے سے) اس وقت تک نہیں اکتاتا جب تک تم (عبادت سے) اکتا نہ جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑھ کر محبوب عمل وہ ہے جس پر دوام اختیار کیا جائے۔ اگر چہ وہ تھوڑا ہی ہو اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی طریقہ تھا کہ وہ جب کوئی کام کرتے تو اس پر دوام اختیار کرتے تھے''

حضرت علقمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

یاام المومنین کیف کان عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھل کان یخص شیئا من

1۔ سنن ابی داؤد، ج 1، ص 519، باب مایومر بہ من القصد فی الصلوٰۃ، رقم الحدیث 1370، دار الکتاب العربی، بیروت
2۔ مسند ابی عوانہ، ج 2، ص 256، باب خروج النبی الخ، رقم الحدیث، ج 3062۔ دار المعرفہ، بیروت

Marfat.com

الایام قالت لا کان عمله دیمة الخ۔(1)

''اے ام المومنین! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل کس طرح ہوتا تھا۔ کیا آپ کسی عمل کے لیے کچھ دنوں کو مخصوص کر لیتے تھے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! آپ کا عمل دائمی ہوتا تھا۔''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

کان احب العمل الیه ما داوم علیه العبد وان کان شیئا یسیرا۔(2)

آپ کو سب سے محبوب عمل وہ تھا جس پر کوئی انسان دوام اختیار کرے اگرچہ وہ تھوڑا سا ہی ہو۔

آپ کا صدقہ جاریہ کی خصوصی تلقین فرمانا بھی اسی حقیقت کا ایک مظہر ہے کیونکہ جس طرح اعمال دائمی ہوتے ہیں اسی طرح بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کا اجر دائمی ہو جاتا ہے جیسے ایک انسان نے کسی فقیر پر صدقہ کیا تو یہ بھی نیکی ہے لیکن اس کا اجر اسے ایک مرتبہ ہی ملے گا لیکن اگر کسی نے مخلوق خدا کی خدمت کے لیے کوئی کنواں بنا دیا تو جب تک لوگ اس سے پانی پیتے رہیں گے اسے مرنے کے بعد بھی اس کا اجر ملتا رہے گا اس لیے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے اعمال کی خصوصیت سے تلقین فرمائی جن کا اجر دائمی ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جارية او علم ینتفع به او ولد صالح یدعو له۔(3)

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کرنے کا وقت ختم ہو جاتا ہے مگر تین اعمال (کا اجر اسے پھر بھی ملتا رہتا ہے) صدقہ جاریہ وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے اور وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔''

یہاں اس چیز کی تلقین فرمائی گئی کہ انسان اپنے اعمال میں ان چیزوں کو ترجیح دے جن

1۔ صحیح ابن حبان، ج 2، ص 26، باب ماجاء فی الطاعات، رقم الحدیث 322، موسسۃ الرسالہ، بیروت

2۔ نفس مصدر، ج 6، ص 252، باب النوافل، رقم الحدیث 2507

3۔ سنن ابی داؤد، ج 3، ص 77، باب ماجاء فی الصدقۃ عن المیت، رقم الحدیث 2882، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

کا اجر دائمی ہو۔

یہ بھی دائمی عمل کو ترجیح دینے کا ہی ایک مظہر تھا کہ آپ نے عبادات میں بھی انتہا پسندی اور تقشف کی ممانعت فرمائی کیونکہ یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ جب ایک انسان عبادات میں حد سے گزر جائے گا تو ایک مرحلہ پر جا کر یا تو اس کی طبیعت سیر ہو جائے گی اور وہ اکتا جائے گا یا وہ تھک جائے گا اور عبادت ترک کر دے گا۔ اس لیے آپ نے عبادات میں بھی اعتدال کا حکم دیا تا کہ دیگر حقوق کی ادائیگی بھی ہوتی رہے اور عبادت میں دوام بھی رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے مسجد کے دو ستونوں کے درمیان ایک رسی تانی ہوئی دیکھی۔ آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یہ حضرت زینب کی رسی ہے۔ وہ نماز پڑھتی ہیں اور جب ان پر تھکاوٹ یا سستی طاری ہوتی ہے تو اس رسی کو پکڑ لیتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس رسی کو کھول دو اور پھر ارشاد فرمایا۔

لیصل احدکم نشاطہ فاذا کسل او فتر قعد۔(1)

''چاہیے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک نماز پڑھے جب تک وہ آسانی سے پڑھ سکے۔ جب وہ تھک جائے یا اس پر سستی طاری ہو جائے اسے چاہیے کہ وہ بیٹھ جائے۔''

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ ایک ایسی عورت ہے جو سوتی نہیں اور نماز پڑھتی رہتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

علیکم من العمل ما تطیقون فو اللہ لا یمل اللہ حتی تملوا و کان احب الدین الیہ ما داوم علیہ۔(2)

''اتنا ہی عمل کیا کرو جو آسانی سے کر سکو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نہیں اکتا تا حتیٰ کہ تم اکتا

1۔ مسند ابی عوانہ، ج2، ص36، باب بیان خطر الصلوٰۃ الخ، رقم الحدیث 2223، دار المعرفہ، بیروت

2۔ سنن النسائی، ج3، ص218، باب الاختلاف علی عائشۃ فی احیاء اللیل، رقم الحدیث 1642، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ، حلب

Marfat.com

جاتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین میں وہی چیز سب سے زیادہ پسند تھی جس پر دوام اختیار کیا جائے۔"

آپ نے اسی غلو کو قوموں کی تباہی کا ایک بڑا سبب قرار دیا۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

لا تشددوا علی انفسکم فانما اهلك من كان قبلكم بتشديدهم علی انفسهم و ستجدون بقاياهم في الصوامع والديارات۔(1)

"اپنے آپ پر سختی نہ کرو تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے تھے وہ اپنے اوپر سختی کرنے کے سبب ہی ہلاکت سے دوچار ہوئے تھے تم گرجوں اور خانقاہوں میں ان کے نشانات دیکھ سکتے ہو۔"

ان چند احادیث مبارکہ سے سیرت طیبہ کا یہ پیغام بالکل واضح اور عیاں ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف ہمیشہ دائمی عمل کو عارضی عمل پر ترجیح دیتے تھے بلکہ ہر وہ چیز جو استقامت اور کسی عمل کے دوام کی راہ میں رکاوٹ بننے والی ہوتی۔ آپ اس کی بھی ممانعت فرماتے تھے تاکہ دائمی عمل فروغ پائے۔

(iv) حقوق العباد کو حقوق اللہ پر ترجیح حاصل ہوگی

تعلیمات نبوی سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہے کہ جس طرح فرض عین کا درجہ فرض کفایہ سے بڑھ کر ہے اسی طرح فرائض میں بھی ایک فرض کو دوسرے فرض پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی ساخت ایسے رکھی ہے کہ جن فرائض کا تعلق حقوق اللہ سے ہے ان پر ان فرائض کو ترجیح ہوگی جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز کی ادائیگی میں مصروف ہے۔ عین اسی وقت ایک نابینا کنویں میں گر رہا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ نماز توڑ کر اس نابینا کو کنویں میں گرنے سے بچالے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اسالیب سے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ حقوق العباد کو حقوق اللہ پر ترجیح ہوگی مثلاً ایک شخص پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ ایمان لائے اور اس پر یہ بھی

1۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج 3، ص 258، رقم الحدیث 3078، دارالحرمین، قاہرہ (1415ھ)

Marfat.com

لازم ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کا خیال رکھے لیکن جو شخص ایمان تو لائے لیکن پڑوسی کا خیال نہ رکھے تو اس کے ایمان کو ہی بے معنی قرار دیا گیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

ما امن بی من بات شبعان و جارہ جائع الی جنبہ و ھو یعلم۔ (1)

''وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جس نے خود سیر ہو کر رات بسر کی اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہا اور وہ جانتا بھی تھا۔''

ایسے شخص نے ایمانیات قبول کر کے حقوق اللہ تو ادا کیے جن کی اہمیت اپنی جگہ پر ناقابل انکار ہے لیکن پڑوسی کا حق ادا نہ کر کے حقوق العباد میں کوتاہی کی۔ اس لیے ایمان بھی اپنی حقیقت کھو گیا اور حقوق العباد کی ادائیگی سے محروم شخص کی حقوق اللہ کی ادائیگی بھی بے معنی ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا: اے فلاں! میں آپ کو غمگین اور پریشان دیکھتا ہوں۔ اس نے عرض کیا: ہاں! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے۔ فلاں شخص کا مجھ پر حق ہے اور مجھے اس صاحب مزار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حرمت کی قسم میں اس کا حق ادا کرنیکی طاقت نہیں پاتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اس سلسلہ میں میں اس سے بات کروں؟ اس نے عرض کیا، اگر آپ پسند فرمائیں تو ضرور کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے جوتے پہنے اور مسجد سے نکل پڑے۔ اس آدمی نے کہا: کیا آپ بھول گئے کہ آپ اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے؟ فرمایا: نہیں میں بھولا نہیں ہوں! لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ میں نے اس صاحب مزار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اور یہ کہتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھیں چھلک پڑیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من مشی فی حاجۃ اخیہ و بلغ فیھا کان خیرا لہ من اعتکاف عشر سنین۔ (2)

1۔ کنز العمال، ج 9، ص 53، باب فی حق الجار، رقم الحدیث 24906، موسسۃ الرسالۃ (1401ھ)

2۔ شعب الایمان للبیہقی، ج 3، ص 424، رقم الحدیث 3965، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

''جو بندہ اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے چلا اور اس کی حاجت روائی کی تو یہ عمل اس کے دس سال کے اعتکاف بیٹھنے سے بہتر ہوگا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی مجبور کی مدد کرنے میں حقوق العباد کو کس طرح ہر دوسری چیز پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہے۔

شہید کی مغفرت میں رکاوٹ کسی حقوق اللہ کی عدم ادائیگی کو نہیں بنایا گیا بلکہ حقوق العباد کی عدم ادائیگی کو قرار دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سبحان اللہ ما ذا انزل من التشدید فی الدین؟ والذی نفسی بیدہ لو ان رجلا قتل فی سبیل اللہ ثم احی ثم قتل ثم احی وعلیہ دین ما دخل الجنۃ حتی یقضی دینہ (1)

''سبحان اللہ! قرض کے متعلق کتنی سختی کی گئی ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر ایک آدمی راہ خدا میں شہید ہو جائے۔ پھر زندہ کیا جائے۔ پھر شہید کیا جائے پھر زندہ کیا جائے وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جب تک اپنا قرض ادا نہ کر دے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا

یغفر للشھید کل ذنب الا الدین۔(2)

''شہید کا قرض کے سوا ہر گناہ بخش دیا جائے گا''

یعنی اگر شہید نے نماز اور روزہ میں کوتاہی کی ہوگی تو وہ گناہ تو معاف ہو جائیں گے لیکن قرض معاف نہیں ہوگا کیونکہ قرض کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے۔

نماز میں تعدیل کا خیال نہ کرنے والے کو سب سے بڑا چور کہا گیا لیکن کسی ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنے سے آپ نے کبھی انکار نہیں کیا کیونکہ اس چیز کا تعلق حقوق اللہ سے ہے لیکن مال غنیمت میں سے ذرا سی چوری کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا کیونکہ اس چیز کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔

1۔ مسند الامام احمد ابن حنبل، ج 37، ص 163، رقم الحدیث 22493، موسسہ الرسالہ (1420ھ)

2۔ نفس مصدر، ج 11، ص 637، رقم الحدیث 7051

Marfat.com

ایک آدمی خیبر میں فوت ہوا اس کا ذکر نبی کریم ﷺ کے پاس کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

صلو علی صاحبکم

اپنے ساتھی کی نماز جنازہ خود ہی پڑھ لو۔

یہ سن کر لوگوں کا رنگ اڑ گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

ان صاحبکم غل فی سبیل اللہ۔(1)

''تمہارے ساتھی نے راہ خدا میں ہوتے ہوئے خیانت کی۔''

جب لوگوں نے اس کا سامان دیکھا تو انہیں ایک ڈھال ملی جو اس نے چوری کی تھی جس کی قیمت دو درہم بھی نہیں ہوگی۔(2)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غزوہ خیبر کے دن کچھ صحابہ آئے اور کہنے لگے فلاں شہید ہو گیا، فلاں شہید ہو گیا۔ اس دوران وہ ایک لاش کے پاس سے گزرے تو کہنے لگے فلاں شہید ہو گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

کلا انی رایتہ فی النار فی بردۃ غلھا ثم قال یا ابن خطاب! اذھب فناد فی الناس انہ لا یدخل الجنۃ الا المومنون۔(3)

''ہرگز نہیں میں نے اسے آگ میں دیکھا ہے ایک چادر کے سبب جس میں اس نے خیانت کی ہے۔ پھر فرمایا: اے ابن خطاب! لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں مومنوں کے سوا کوئی نہیں جائے گا۔''

اس سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حقوق العباد کو حقوق اللہ پر کس طرح ترجیح دیتے ہیں۔ حقوق اللہ میں کسی حق کی عدم ادائیگی پر وہ وعید نہیں فرمائی جو حقوق العباد میں اس معمولی سی کوتاہی پر فرمائی اور حقوق العباد میں اتنی سی کوتاہی پر تو اس کے ایمان کی ہی نفی کر دی گئی۔ اگر سیرت طیبہ کا یہ پیغام سمجھ لیتے تو کبھی بھی کسی کے حقوق غصب کر کے ان چیزوں کو

1۔ سنن ابی داؤد، ج3، ص20، باب فی تعظیم الغلول، رقم الحدیث 2812، دار الکتاب العربی، بیروت

2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، نفس مصدر، ج3، ص20، رقم الحدیث 2812

3۔ سنن الدارمی، ج2، ص302، باب ماجاء فی الغلول من الشدۃ، رقم الحدیث 2489، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

ادا نہ کرتے جن کی ادائیگی بھی ہم پر لازم نہیں ہے۔ سیرت نبوی کا پیغام یہ ہے کہ حقوق اللہ کی اہمیت اپنی جگہ پر لیکن اللہ کے نزدیک حقوق العباد کو ان پر بھی ترجیح حاصل ہے۔

نیت کو عمل پر ترجیح ہوگی

ترجیحات کے تعین میں سنت نبوی کی ایک تعلیم یہ ہے کہ نیت عمل پر راجح ہوگی اور انسان کو چاہیے کہ وہ عمل سے زیادہ نیت پر توجہ دے۔ اگر نیت میں ریاکاری شامل ہو جائے تو وہ عمل بظاہر جتنا بھی اچھا اور بڑا ہو رد کر دیا جاتا ہے اور اگر عمل کے پیچھے اخلاص اور حسن نیت کی طاقت کارفرما ہو تو اگرچہ وہ عمل چھوٹا ہو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اسے بڑا کر دیتا ہے اور اگر اخلاص کا حامل ایک شخص ایک نیک کام چاہنے کے باوجود عملی طور پر نہ بھی کر سکے تو اللہ تعالیٰ اسے پھر بھی اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلمان بھی کافر و زندیق
(اقبال)

یہ تمام حقائق ہم پر سیرت طیبہ کے مطالعہ سے بخوبی عیاں ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیت کو عمل پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا:

ان اللہ لا ینظر الی اجسامکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم۔ (1)

''اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے''۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر محبت کا مرکز انسان کا ظاہر نہیں باطن ہوتا ہے اور باطن ہر حال میں ظاہر پر راجح ہوتا ہے۔ جس انسان کے باطن میں اخلاص اور للّٰہیت کا چراغ روشن ہو اس کا تھوڑا عمل بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے زیادہ کر دیتا ہے۔ حضرت معاذ ابن جبل فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تو میں نے عرض کیا:

1۔ شعب الایمان للبیہقی، ج 7، ص 507، رقم الحدیث 11151، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے تو آپ نے فرمایا:

اخلص دینك یکفك العمل القلیل۔(1)

''اپنے دین کو خالص کر لے۔ تیرا تھوڑا عمل ہی تیرے لیے کافی ہو جائے گا۔''

آپ نے اس حقیقت کو بھی متعدد اسالیب سے واضح فرمایا کہ نیت کو عمل پر اس قدر ترجیح حاصل ہے کہ اگر انسان کی نیت یہ ہو کہ وہ کوئی نیک کام کرے گا لیکن کسی مجبوری یا عذر کے سبب اسے کر نہ سکے تو اللہ تعالیٰ اسے محض اس کی حسن نیت کے سبب اس کام کا اجر عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس لوٹ رہے تھے تو آپ نے فرمایا:

ان اقواما خلفنا بالمدینة ما سلکنا شعبا ولا وادیا الا وھم معنا حبسھم العذر۔(2)

''بے شک ہمارے پیچھے مدینہ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ ہم کوئی گھاٹی یا وادی عبور نہیں کرتے مگر وہ ہمارے ساتھ ہوتے ہیں۔ انہیں مجبوری نے روک لیا تھا۔''

یعنی وہ اجر میں ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں کیونکہ وہ چاہنے کے باوجود مجبوری کی بنا پر نہ آسکے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لقد ترکتم بالمدینة اقواما ما سرتم مسیرا ولا انفقتم من نفقة ولا قطعتم من واد الا وھم معکم قالوا یا رسول اللہ! و کیف یکونون معنا وھم بالمدینة؟ قال حبسھم المرض۔(3)

''یقیناً تم مدینہ میں بہت سے ایسے لوگوں کو چھوڑ آئے ہو کہ تم جو بھی سفر طے کرتے ہو جو بھی راہ خدا میں خرچ کرتے ہو اور جو بھی وادی عبور کرتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ!'' وہ کس طرح ہمارے ساتھ ہوتے ہیں جبکہ وہ مدینہ میں ہیں تو آپ نے فرمایا: انہیں مرض نے روک رکھا ہے۔

1۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج4، ص341، کتاب الرقاق، رقم الحدیث 7844، دار الکتب العلمیہ، بیروت
2۔ سنن ابی داؤد، ج2، ص319، باب فی الرخصة الخ۔ رقم الحدیث 2510، دار الکتاب العربی، بیروت
3۔ السنن الصغری للبیہقی، ج7، ص455، باب من لا یجب علیہ الجھاد، رقم الحدیث 3527، مکتبة الرشد

Marfat.com

ایک موقع پر آپ نے اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا:

من اتی فراشه وهو ینوی ان یقوم یصلی من اللیل فغلبته عیناه حتی اصبح کتب له مانوی و کان نومه صدقة من ربه۔(1)

''جو بھی اس نیت کے ساتھ سوئے کہ وہ اٹھ کر نماز تہجد ادا کرے گا پھر نیند اس پر غالب آ گئی یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو اسے اللہ تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق اجر دے گا اور اس کی نینداس کے رب کی طرف سے صدقہ ہوگی۔''

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کی:

متی الساعة یا رسول الله قال ما اعددت لها قال ما اعددت لها من کثیر صلوة و لا صوم و لا صدقة ولکنی احب الله و رسوله قال انت مع من احب۔(2)

یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی۔آپ نے فرمایا: تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا: کچھ نہیں! نہ بہت زیادہ نمازیں، نہ روزے اور نہ صدقات۔لیکن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا: تو اسی کے ساتھ ہوگا جن سے تجھے محبت ہے۔

اس حدیث پاک سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ تعلیمات نبوی میں نیت کو عمل پر کس طرح ترجیح حاصل ہے،ظاہر ہے کہ وہ صحابی نہ نماز کے تارک تھے نہ روزہ وصدقات کےلیکن ان کا اصل بھروسا ان اعمال پرنہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس رسول اللہ ﷺ کی محبت اور عقیدت پر تھا۔تو آپ نے ان کی اسی محبت کی بنا پرانہیں اپنی معیت کی بشارت دی۔ظاہر ہے خوارج یا دوسرے ظاہر پرست کی طرح اگر کوئی آدمی اعمال میں تو بڑی شدت سے کام لیتا ہےلیکن اس کا دل محبت الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کی عقیدتوں سے محروم ہے اوران کے تقاضوں سے کوسوں دور ہے تو دین میں نہ اس کی کوئی اہمیت ہوگی نہ اس کے ان ظاہری

1۔سنن النسائی، ج3،ص258، باب من اتی الخ۔رقم الحدیث 1778، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب

2۔صحیح البخاری، ج8،ص40، باب علامة حب الله، رقم الحدیث 6171، دارطوق النجاة (1422ھ)

Marfat.com

اعمال کی۔

افراط وتفریط سے بچتے ہوئے ہم سیرت طیبہ کے اس پیغام کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ دین میں ہر چیز کی اس کی سطح پر ایک اہمیت ہے لیکن دین کا مغز اخلاص وللہیت کے حصول پر مرتکز کرے۔ اگر سیرت طیبہ کے اس پیغام کو ہم حقیقت میں سمجھ لیتے تو کبھی ایسا نہ ہوتا کہ ہم نماز کے ان اعمال پر تو مناظرے کرتے جو نماز کے فرائض و واجبات میں سے نہیں ہیں اور ہر کوئی اپنے خیال میں سنت پر ہی عمل پیرا ہے اور نماز میں خضوع وخشوع کے حصول پر کبھی تفکر و تدبر نہ کرتے۔ ہم ایک سو پچاس اور ڈیڑھ سو کے فرق پر تو بڑی صلاحیتیں صرف کر دیتے لیکن رجوع الی اللہ والرسول کا مشن ہماری زندگیوں سے خارج ہو چکا ہوتا۔

ترجیحات کے تعین میں سیرت طیبہ کی پیروی حقیقت دین کا ادراک بھی ہے اور دارین کی کامیابیوں کی امین بھی ہے

بڑھ کر جو اٹھائے مینا اسی کی ہے

Marfat.com

Marfat.com

زراعت وشجر کاری۔تعلیمات نبوی کی روشنی میں

وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ (الانعام)

''اور یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے باغوں کو پروان چڑھایا ہے اونچائی پر چڑھ جانے والی بیلیں بھی اور زمین پر پھیلنے والی بھی اور کھجوریں اور فصلیں جن کی پیداوار قسم قسم کی ہوتی ہے اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور الگ الگ بھی۔ جب ان پر پھل آئے تو اس میں سے خوب کھاؤ اور فصلوں کی کٹائی کے موقع پر اس کا حق ضرور ادا کیا کرو اور بے جا خرچ نہ کیا کرو۔ بے شک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔'' (عرفان القرآن از سید وجیہ السماء عرفانی)

Marfat.com

ان پر درود جن کو حجر تک کریں سلام
ان پر سلام جن کی تحیت شجر کی ہے
سنگ و شجر سلام کو حاضر ہیں السلام
کلمے سے تر زبان درخت و حجر کی ہے
(اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

درخت زمین کا زیور بھی ہیں اور دھرتی کا جمال بھی یہ گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں انسان کو ٹھنڈا سایہ بھی دیتے ہیں اور انسانی زندگی کی بے پناہ ضرورتیں بھی پورا کرتے ہیں۔ درختوں کے پھلوں اور فصلوں کے ثمرات سے انسان اپنی خوردونوش کی ضرورتیں بھی پوری کرتا ہے اور سرو قد درختوں اور لہلہاتی فصلوں کے حسن و جمال سے اپنے ذوق جمالیات کی تسکین بھی کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ درختوں کی خوبصورت اور لمبی قطاریں ہوں یا سرسبز وشاداب فصلوں کے دلآویز نظارے یہ سب قدرت کے حسن ہیں جو اس نے زمین پر بکھیر دیئے ہیں۔

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

(اقبال)

پیغمبر آفاق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اس طرح جامع اور کامل ہیں کہ ڈھونڈنے سے بھی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ملے گا جس میں آپ کی ہمہ گیر تعلیمات انسان کی اس طرح رہنمائی نہ کرتی ہوں جس طرح رہنمائی کرنے کا حق ہے اور اس کے جملہ پہلوؤں کا اس طرح احاطہ نہ کرتی ہوں جس طرح ان کا احاطہ ہونا چاہیے۔

شجرکاری اور زراعت کے متعلق بھی لوگ افراط و تفریط کی دلدلوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ کہیں زراعت کو حقیر سمجھا جاتا تھا جیسے ابوجہل نے غزوہ بدر میں انصار مدینہ کو حقارت سے "یثرب کے کسان" کہہ کر مخاطب کیا تھا اور کہیں درخت تقدس کا اتنا روپ دھار گئے تھے کہ انسان ان کی پرستش کرتا تھا۔ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زراعت و شجرکاری کے حقیقی مقام کو متعین فرمایا۔ یہاں اس کے متعلق فقہی مباحث بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تناظر میں بنیادی تعلیمات بیان کرنا مقصود ہے۔ جن سے سیرت کے اس پیغام کو سمجھا جا سکے اور فکری اصلاح کے بعد اس پس منظر میں ہم وہی رویہ رکھ سکیں جو تعلیمات نبوی کا مقصود ہے۔ زراعت و شجرکاری کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات

Marfat.com

کے چند کلیدی نکات ملاحظہ ہوں۔

ترغیب وتحریص

زراعت وشجر کاری کے متعلق پہلی چیز جو ہمیں بالکل واضح اور نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اس کی ترغیب دی جس طرح آپ نے دیگر اعمال خیر کی طرف لوگوں کو رغبت دلائی اسی طرح آپ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ زراعت وشجر کاری بھی تمہارے لیے ایک صدقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا یغرس مسلم غرسا ولا یزرع زرعا فیاکل منه انسان ولا طائر ولا شیء الا کان له اجر۔(1)

''جو بھی مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی فصل کاشت کرتا ہے تو اس سے کوئی انسان کھاتا ہے یا پرندہ یا کوئی دوسری چیز تو وہ لگانے والے کے لیے اجر وثواب بن جائے گا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو ذرا مختلف الفاظ میں روایت کیا۔ ان سے مروی الفاظ یہ ہیں:

ما من مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاکل منه طیر او انسان الا کان له صدقة۔(2)

''جو بھی مسلمان کوئی درخت لگائے یا کوئی فصل بوئے اس میں سے کوئی پرندہ یا انسان کھائے تو وہ اس کے لیے صدقہ بن جائے گا۔''

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

لا یغرس مسلم غرسا و لا یزرع زرعا فیاکل منه انسان ولا دابة ولا شیء الا کانت له صدقة۔(3)

1۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج9، ص14، رقم الحدیث 8987، دار الحرمین قاہرہ

2۔ صحیح البخاری، ج8، ص10، باب رحمۃ الناس والبھائم، رقم الحدیث 6012، دار طوق النجاۃ

3۔ ریاض الصالحین، ج1، ص111، امام النووی، باب فی بیان کثرۃ طرق الخیر، رقم الحدیث 4، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

''جو بھی مسلمان کوئی درخت لگائے یا کوئی فصل کاشت کرے۔ اس سے کوئی انسان، چوپایہ یا کوئی دوسری چیز کھائے تو وہ لگانے والے کیلئے صدقہ ہوگی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تعلیمات سے واضح ہو رہا ہے کہ درخت لگانا یا فصل بونا رزق حلال یا دیگر فوائد کا ذریعہ تو ہے ہی یہ عمل انسان کے لیے نیکیوں میں اضافے کا سبب بھی ہے اور اس کے لیے صدقہ بھی۔ آپ نے تو اس عمل پر کی جانے والی محنت اور مشقت کو بھی صدقہ قرار دیا ہے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ان دو کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

من نصب شجرة فصبر علی حفظها والقيام عليها حتى تثمر۔ كان له في كل شيء يصاب من ثمرها صدقة عند الله عزو جل۔ (1)

''جس نے کوئی درخت لگایا اور پھر اس کی بقا اور حفاظت کے لیے مشقت برداشت کی یہاں تک کہ وہ پھل دار ہو گیا اس کے پھلوں تک اسے جو بھی برداشت کرنا پڑا وہ اللہ کے نزدیک اس کے لیے صدقہ ہوگا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انہیں تعلیمات کا اثر تھا کہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم دیگر اعمال خیر کی طرح درخت لگانے کو بھی نیکی کا ایک بہت بڑا ذریعہ سمجھتے تھے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ دمشق میں ایک درخت لگا رہے تھے کہ ان کے پاس سے ایک آدمی گزرا۔ اس نے آپ کو درخت لگاتے دیکھ کر کہا:

اتفعل هذا وانت صاحب رسول الله

کیا تم یہ کام کر رہے ہو اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہو؟ آپ نے فرمایا: جلدی نہ کر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

من غرس غرسا لم ياكل منه آدمي ولا خلق من خلق الله الا كان له به صدقة۔ (2)

''جس کسی نے کوئی درخت لگایا اس سے نہیں کھایا کسی آدمی نے یا اللہ تعالیٰ کی مخلوق

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج27، ص129۔ رقم الحدیث 16586، موسسۃ الرسالہ

2۔ نفس مصدر، ج45، ص498، رقم الحدیث 27506

Marfat.com

میں سے کسی اور مخلوق نے مگر اس کے لیے صدقہ ہوگا۔"

اس سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ درخت لگانا انسان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ جو انسان کے دنیا سے جانے کے بعد اس کے نامہ اعمال میں نیکیوں کے بڑھنے کا سبب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو کاشتکاری کی بھی تلقین فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

التمسوا الرزق فی خبایا الارض۔(1)

"زمین کی تہوں میں روزی تلاش کرو"

اس میں زمین میں چھپے دیگر خزانوں کی تلاش کے ساتھ ساتھ کھیتی باڑی کی ترغیب بھی شامل ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من کانت له ارض فلیزرعها او لیمنحها اخاه فان ابی فلیمسك ارضه۔(2)

"جس کے پاس زمین ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے کاشت کرے یا اپنے بھائی کو عاریتاً دے دے اور اگر نہ مانے تو اپنی زمین روک لے۔"

مراد یہ ہے کہ وہ زمین سے فائدہ اٹھائے اور اس نعمت کو ضائع نہ کرے۔ انہیں تعلیمات نبوی کے سبب صحابہ کرام زراعت اور کاشتکاری کرتے تھے اور اسے اپنے مرتبہ سے کم کام نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت قیس بن مسلم حضرت ابوجعفر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

ما بالمدینة اهل بیت هجرة الا یزرعون علی الثلث و الربع و زارع علی و سعد بن مالك و عبدالله ابن مسعود و عمر بن عبدالعزیز و القاسم و عروة و آل ابی بکر و ال علی و ابن سیرین و قال عبدالرحمٰن بن اسود کنت اشارك عبدالرحمٰن بن

1۔المعجم الاوسط للطبرانی، ج1، ص273، رقم الحدیث 895، دارالحرمین، قاہرہ (1415ھ)

2۔ایضاً، ج6، ص192، رقم الحدیث 6160، دارالحرمین قاہرہ

Marfat.com

یزید۔ الخ۔(1)

''مدینہ میں مہاجرین کا کوئی ایسا گھر نہیں تھا جو تہائی یا چوتھائی پر کاشت نہ کرتا ہوں۔ حضرت علی، سعد بن مالک، عبداللہ بن مسعود، عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروہ، حضرت ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم کی اولاد اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کاشتکاری کروائی۔ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بن اسود کہتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن بن یزید سے کاشتکاری میں شرکت کیا کرتا تھا۔''

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام ''جرف'' میں خود زراعت فرمائی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کھیتی باڑی کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''جو ملک قابل کاشت زمین رکھتا ہو اور اس کے باشندے زراعت سے غفلت یا بے پرواہی برتیں تو اس ملک کی تباہی میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ عیش پرستانہ سامان صنعت کے مقابلہ میں ملک کی اصلی ترقی زراعت سے وابستہ ہے۔ اس لیے تجارت اور صنعت ان سب کا دارومدار خام پیداوار پر ہے اگر ملک کی زمین قابل کاشت ہے اور پھر کاشت نہیں کی جاتی تو وہ ملک نہ صرف یہ کہ تجارتی اور صنعتی میدان میں پیچھے ہوگا بلکہ اپنی ضروری گزر بسر کے لیے بھی دوسرے ملک کا دست نگر ہوگا''۔(2)

اس سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام میں زراعت کی اہمیت کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ترغیب وتحریص کیسے فرمائی ہے۔

انفرادی حق ملکیت

عرب کے قدیم رواج کے مطابق زمین کی ملکیت کسی فرد کے پاس نہیں بلکہ قبیلے کے پاس ہوتی تھی۔ اور وہ پورا قبیلہ ہی مجموعی طور پر اس کا مالک تصور کیا جاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ تبدیلی ضرور آئی کہ کھجور کے درخت اور کنوؤں پر انفرادی حق ملکیت کسی نہ کسی حد تک تسلیم کرلیا گیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ

1۔ صحیح البخاری، ج3، ص104، باب المزارعۃ بالشطر، رقم الحدیث 2327، دار طوق النجاۃ

2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، نقوش رسول نمبر، ج9، ص231، محمد طفیل ادارہ فروغ اردو، لاہور

Marfat.com

تشریف لے گئے تو اس وقت بھی وہاں انفرادی حق ملکیت کا تصور تقریباً مفقود تھا۔ آپ نے لوگوں کو زراعت کی طرف مائل کرنے کے لیے لوگوں کی انفرادی ملکیت کا حق واضح کرنے کے لیے متعدد اسالیب اختیار فرمائے۔

ایک تو آپ نے ارشاد فرمایا:

من احیا ارضا میتة فھی له۔(1)

''جس کسی نے بنجر زمین آباد کی وہ اسی کی ملکیت ہے''

ایسی زمین پر حق ملکیت ثابت ہونے کے لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلیفہ کی اجازت شرط ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اسے آباد کرنا ہی کافی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ کسی کی ملکیت نہ ہو اور ریاست کے مجموعی مفاد میں بھی استعمال نہ ہوتی ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔

''میں کہتا ہوں اس میں اصل وہ ہے کہ جو ہم نے اشارہ کیا کہ یہ سب اللہ کا مال ہے اس میں درحقیقت کسی کا حق نہیں مگر جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس سے استفادہ کرنا مباح قرار دیا تو نزاع واقع ہوا ہے۔ اب حکم یہ ہوا کہ جس کسی نے کسی کو نقصان پہنچائے بغیر پہلے پہل کسی چیز پر قبضہ کرلیا ہے اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ بے آباد زمین جو کسی شہر میں نہیں اور نہ ہی شہر کے آس پاس ہے جب اسے ایک آدمی آباد کرے تو کسی کو نقصان پہنچائے بغیر اس نے قبضہ کرنے میں سبقت کرلی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ درحقیقت ساری زمین بمنزلہ ایک مسجد کے ہے یا سرائے کے ہے جو کہ مسافروں پر وقف ہے اور تمام لوگ اس میں شریک ہیں چنانچہ پہلے سبقت کرنے والے کو مقدم اور اس کے بعد والے کو اس کے بعد رکھا جائے''۔(2)

ایسے ہی آپ فرمایا:

1۔ موطا امام مالک، ج 2، ص 743، باب القضائی عمارۃ الموت، رقم الحدیث 1424، دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ حجۃ اللہ البالغہ، ج 2، ص 716، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

Marfat.com

من اعمر ارضا لیست لاحد فھو احق۔ (1)

''جس کسی نے ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملکیت نہیں تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔''

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے افراد اور قبیلوں کو جاگیریں عطا فرمائیں مثلاً قبیلہ بنو جہینہ کے چند افراد نے بمقام صفیہ کھیتی باڑی شروع کر دی۔ آپ نے وہ زمین انہیں لوگوں کو الاٹ کر دی۔ بنو مزینہ کے سردار بلال کو آپ نے کئی قطعات اراضی الاٹ کئے۔ قبیلہ بنو قشیر کو ایک مشترکہ جاگیر عطا فرمائی اور آپ نے متعدد افراد کو جاگیریں عطا فرمائیں۔ (2)

یہ بھی انفرادی حق ملکیت کو ثابت کرنے کا ہی ایک مظہر ہے کہ آپ نے کسی کی زمین پر قبضہ کرنے کی بڑی شدید مذمت فرمائی اور ایسا کرنے والے کو عذاب شدید کی وعید سنائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اخذ من الارض شبرا بغیر حقه طوقه من سبع ارضین۔ (3)

''جس نے کسی کی ایک بالشت زمین پر بھی ناحق قبضہ کیا تو اس کے گلے میں اتنی سات زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا۔''

یعنی جتنی زمین پر اس نے قبضہ کیا اتنی ہی زمین کا حصہ زمین سے نیچے سات زمینوں سمیت اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ اس سے انفرادی ملکیت کا حق بالکل واضح ہو رہا ہے کیونکہ اگر اس زمین کا کوئی مالک ہی نہ ہوتا تو پھر اس پر قبضہ کرنیوالے کو یہ سزا نہ دی جاتی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سب سے بڑا ظلم کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا:

ذراع من الارض ینتقصھا المرء المسلم من حق اخیه فلیس حصاة من الارض یاخذھا الا طوقھا یوم القیامة الی قعر الارض ولا یعلم قعرھا الا الله الذی

1۔ صحیح البخاری، باب من احیا ارضا، رقم الحدیث 2335، دار طوق النجاۃ

2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، طبقات ابن سعد، ج 2، ص 47 تا 70، نفیس اکیڈمی، کراچی

3۔ مسند ابی یعلی، ج 2، ص 251، رقم الحدیث 254، دار المامون للتراث، دمشق

Marfat.com

خلقھا۔(1)

''ایک بالشت زمین جس پر اس کے مسلمان بھائی نے ناجائز قبضہ کرلیا ہو جس کسی نے کسی کی ایک کنکری جتنی زمین پر بھی قبضہ کیا تو اتنی زمین اپنی آخری گہرائی تک اس کے گلے کا طوق بنا دی جائے گی۔ زمین کی گہرائی کو اس اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جس نے اسے پیدا کیا ہے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا:

من غصب رجلا ارضا ظلما لقی اللہ وھو علیہ غضبان۔(2)

''جس کسی نے کسی کی زمین پر ظلماً قبضہ کیا وہ اللہ تعالیٰ سے اس میں حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ تعلیمات نبوی کا زراعت کے متعلق دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ لوگوں کو انفرادی حق ملکیت دیا جائے۔ تحقیق و جستجو کے جدید طریقوں سے استفادہ کرتے ہوئے اس حکم کی تہہ تک پہنچا جائے۔ انفرادی یا اجتماعی ظلم سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ انفرادی حق ملکیت دیا جائے تا کہ لوگ زیادہ محنت کریں۔ خوشحال ہوں اور ملک کی معاشی صورتحال بہتر ہو

زراعت اور راہ اعتدال

اگر دین کے مزاج کو ایک لفظ میں بند کیا جائے تو وہ لفظ ''اعتدال'' ہوگا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جو دین دیا ہے اس میں ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی کی بے پناہ تلقین کی گئی ہے۔ زراعت و کاشتکاری کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہ اعتدال اپنانے کی تلقین فرمائی کہ زراعت کرو زمین کی تہوں میں اپنی روزی تلاش کرو لیکن اس میں اس طرح مگن نہ ہو جاؤ کہ یہ تمہیں عبادات اور جہاد سے روک دیں۔ جب جہاد کا وقت ہو تو

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج6، ص315، رقم الحدیث 3773، موسسۃ الرسالہ
2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج22، ص18، رقم الحدیث 25، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

پھر اہل ایمان کو جہاد ہی کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی زراعت میں ہی مشغول رہیں۔ جب حضرت ابوامامہ الباہلی رحمۃ اللہ علیہ نے ہل اور کاشتکاری کے دیگر آلات دیکھے تو آپ نے فرمایا کہ

سمعت النبی ﷺ یقول لا یدخل ھذا بیت قوم الا ادخلہ اللہ الذل۔(1)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس گھر میں بھی یہ الات داخل ہو جائیں اللہ تعالیٰ اس گھر میں ذلت کو داخل کر دیتا ہے''۔

اس حدیث مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے محدثین کرام نے یہ وضاحت فرمائی کہ یہاں زراعت کی مطلقاً مذمت کرنا مقصود نہیں کیونکہ اس کا تو آپ نے حکم دیا اور اس کی تحسین فرمائی چونکہ اس وقت جہاد کا زمانہ تھا اور امکان تھا کہ لوگ زراعت میں مشغول ہو کے جہاد سے روگردانی نہ کرنے لگیں تو لوگوں کو اس خطرہ سے بچانے کے لیے آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ لوگ اس معاملہ میں راہ اعتدال نہ چھوڑ دیں۔ جہاد کو اس کی اہمیت کے مطابق وقت دیں اور زراعت کو اس کی اہمیت کے مطابق وقت دیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں۔

''اس حدیث میں جہاد اور غزوات میں شامل ہونے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ ان لوگوں پر خراج بھی اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ کاشتکاری اور دنیاوی تعمیر میں مشغول ہو گئے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال سے روگردانی کی۔ البتہ اگر کوئی شخص رزق حلال حاصل کرنے کے لیے کاشتکاری کرتا رہے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا''۔(2)

اس کی شرح میں علامہ ابن بطال فرماتے ہیں:

لما خشی النبی ﷺ علی امتہ من الاشتغال بالحدیث و تضییع رکوب الخیل والجہاد فی سبیل اللہ لانہم ان اشتغلوا بالحرث غلبتہم الامم الراکبۃ

1۔صحیح البخاری، ج3، ص103۔ باب ما یحذر من عواقب الاشتغال الخ، رقم الحدیث 2321، دار طوق النجاۃ (1422ھ)

2۔اشعۃ اللمعات (اردو)، ج4، ص182، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، فرید بک سٹال، لاہور

Marfat.com

للخيل المتعيشة من مكا سبها فحضهم على التعيش من الجهاد لا من الخلود الى عمارة الارض ولزوم المهنة۔(1)

جب نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے متعلق اس طرح کے خطرات لاحق ہوئے کہ وہ زراعت میں مشغول ہو کر شہسواری اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک نہ کردیں کیونکہ اگر وہ زراعت میں اس طرح مشغول ہو جائیں گے تو ان پر وہ قومیں غلبہ پالیں گی جو شہسواری کو اپنائیں گی تو آپ نے انہیں راہ جہاد اپنانے پر برانگیختہ فرمایا۔ نہ یہ کہ وہ زمین آباد نہ کریں اور اسی مشقت میں پڑے رہیں۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قيل ان المسلمين اذا اقبلوا على الزراعة شغلوا عن العدو وفى ترك الجهاد نوع ذل۔(2)

''یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب مسلمان زراعت پر اس طرح متوجہ ہو جائیں کہ وہ دشمن سے غافل ہو جائیں اور جہاد ترک کردیں تو یہ ذلت کی ایک قسم ہے۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زراعت کی ترغیب بھی دی لیکن اس میں اس قدر مشغول ہونے سے منع فرمایا کہ انسان ترک جہاد کا مجرم ہو جائیگا۔ ویسے تو یہ اعتدال ہر شعبہ حیات میں ضروری ہے لیکن زراعت میں کام کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ یہاں اس خطرہ کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

علامہ انور شاہ محدث کاشمیری اس مقام پر رقمطراز ہیں:

ان الاهم فى عهده ﷺ كان الجهاد والاشتغال بالحرث يوجب الاشتغال عنه فذمه۔(3)

کہ عہد نبوت میں سب سے اہم چیز جہاد تھا اور زراعت میں (بہت زیادہ) مشغولیت

1۔شرح صحیح البخاری، ج6، ص457، ابن بطال البکری، کتاب المزارعہ، مکتبۃ الرشد، الریاض

2۔عمدۃ القاری، ج18، ص433، علامہ بدرالدین العینی الحنفی، دار صادر، بیروت

3۔فیض الباری، ج3، ص543، الشیخ محمد انور الکشمیری، المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ

Marfat.com

جہاد سے انحراف کو لازم کرتی ہے لہٰذا زراعت میں (ایسے) مشغول ہونے کی آپ نے مذمت فرمائی''۔

اس سے تعلیمات نبوی کا یہ پہلو واضح ہو رہا ہے کہ زراعت ضرور کرو لیکن وہ جہاد اور دیگر اس جیسے اہم امور پر غالب نہ آئے۔

جاگیردارانہ سوچ کی نفی

اس تناظر میں تعلیمات نبوی کا یہ پہلو بھی بے حد اہمیت کا حامل ہے کہ آپ نے ہر اس سوچ اور روش کو ختم کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے جو جاگیرداری کو جنم دینے کا ذریعہ ہو۔ یاد رہے کہ اگر کوئی شخص اپنی محنت سے بہت سی جائیداد خرید لے جس میں کسی کی حق تلفی نہ کی گئی اور جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو تو تعلیمات نبوی کی روشنی میں یہ چیز باعث مذمت نہیں ہے لیکن کسی پر ظلم کر کے کسی کا حق غصب کر کے اور ملک وقوم کے مفادات قربان کر کے جاگیریں بنالینا اسلام کی نظر میں سخت مبغوض اور باعث نفرت عمل ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد اسالیب سے ان اسباب کا ہی قلع قمع فرمایا جو جاگیرداری کو جنم دیتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کسی کی زمین پر قبضہ کرنے کی شدید مذمت فرمائی۔ اور فرمایا کہ جس نے کسی کی ایک بالشت زمین پر بھی ناجائز قبضہ کیا تو قیامت کے دن اس کے سات طوق اس کے گلے میں ڈال دیئے جائیں گے جیسا کہ سطور بالا میں اس کی کچھ تفصیل گزری ہے اس سے جاگیرداری کے ایک بڑے عنصر کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ملک وقوم سے غداری کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں تحفہ یا ہدیہ کے طور پر اسے بہت سی جاگیر دے دی جاتی ہے جیسے برصغیر میں ملت سے غداری کرنے پر کچھ لوگوں کو انگریز نے بہت سی جاگیریں دیں اگرچہ یہ صورت بعینہٖ عہد نبوی میں نہیں تھی لیکن تعلیمات نبوی سے واضح ہے کہ آپ نے جاگیرداری کو جنم دینے والے اس عنصر کا بھی خاتمہ فرمایا ہے۔ آپ نے حاکموں کو ہدیہ قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی

Marfat.com

وجہ یہ تھی کہ جب قاضی یا عامل کسی سے ہدیہ کے نام پر کوئی چیز لے گا تو لازمی طور پر ملت کے مفاد کے خلاف اسے کچھ دے گا۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے مال حضور اکرم ﷺ کے سامنے رکھا اور عرض کیا یہ صدقہ کا مال ہے اور یہ مجھے تحفہ ملا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

''اس عامل کا کیا حال ہے کہ ہم اسے بھیجتے ہیں تو وہ آ کر کہتا ہے یہ تمہارا مال ہے اور یہ میرا ہے۔ وہ اپنی ماں یا باپ کے گھر میں بیٹھ کر یہ کیوں نہیں دیکھتا کہ اسے وہاں بھی تحفے ملتے ہیں یا نہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ اس میں سے جو لے گا وہ قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر لائے گا۔ وہ اونٹ ہو یا گائے، بکری ہو یا کچھ اور ہو پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر تین بار فرمایا

اللھم بلغت۔(1)

''اے اللہ! میں نے پہنچا دیا۔'' اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ملک و ملت کے مفاد کو قربان کر کے جس کو جو بھی تحفہ یا ہدیہ کے نام پر ملے تعلیمات نبوی کی روشنی میں وہ حرام ہے اور اس کے لیے باعث عذاب ہے۔ آپ نے جاگیرداری کو ختم کرنے کے لیے لوگوں کو میراث اس کے وارثوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ جب میراث تعلیمات نبوی کی اصل روح کے مطابق تقسیم ہو گی تو جاگیرداری کا پنپنا تو کجا اس کے وجود کا بھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دو تین نسلوں کے بعد ہی زمین تقسیم در تقسیم ہو جاتی ہے اور جاگیرداری کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی کسی شخص کو زمین اس طرح الاٹ نہیں کی کہ اس کی کوکھ سے جاگیرداری جنم لے سکے۔ مفتوحہ اراضی پر عموماً فاتح لوگ بڑی بے رحمی سے قبضہ جما لیتے ہیں لیکن رسول کریم ﷺ نے ایسا کبھی نہیں ہونے دیا کہ کچھ لوگوں کے حصہ میں بہت سی

1۔ صحیح البخاری، ج 9، ص 76، باب محاسبۃ العمال، دار طوق النجاۃ

Marfat.com

زمین آ جائے اور باقی لوگ اس سے محروم رہیں۔ جب بنی نضیر اور دیگر یہودی قبائل کو مدینہ منورہ سے نکالا گیا تو آپ نے ان کی املاک اور اراضی پر کسی مخصوص گروہ کو مسلط نہیں ہونے دیا بلکہ آپ نے وہ زمینیں مسلمانوں کے کاشتکاروں میں منصفانہ اور مساویانہ طور پر تقسیم کیں۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ زراعت کے متعلق تعلیمات نبوی کا ایک اہم نکتہ اور سیرت کا ایک اہم پیغام جاگیرداری کا خاتمہ ہے۔

کسان پر زیادتی کی ممانعت

ظلم اور زیادتی ہر حال میں منع ہے۔ جس کی قباحت اور برائی محتاج بیان نہیں لیکن کبھی کوئی ظلم عدل کے نام پر کیا جاتا ہے اور زیادتی رحم کے نام پر کی جاتی ہے۔ زراعت میں بھی کچھ زیادتیاں ایسی تھیں جو انصاف کے نام پر کی جاتی تھیں۔ رسول کریم ﷺ نے کسان پر کسی بھی قیمت پر زیادتی سے منع فرمایا تا کہ وہ مطمئن ہو کر اپنا کام کرے۔ زراعت کو فروغ ملے اور زمین کی تہوں میں مخفی رزق تلاش کیا جا سکے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ ایک شخص دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر ہی اپنی فصل بو دیتا اس سے اس کا پس منظر بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ فصل کاشت کرنے والا کوئی طاقتور آدمی ہوگا اور جس کی زمین میں فصل بوئی گئی وہ کوئی کمزور کسان ہوگا۔ ممکن ہے وہ اپنے اس عمل کی کوئی تاویل کر کے اسے جائز بنا کر ہی پیش کرتا ہو لیکن چونکہ اس میں ایک انسان کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جا رہا تھا اس لیے رسول کریم ﷺ نے کسان پر ظلم کی اس صورت سے منع فرمایا۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

من زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم فلیس له من الزرع شیء وله نفقته۔(1)

''جس نے کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کی تو اس کے لیے فصل کا کوئی حصہ نہیں۔ البتہ اسے اس کی محنت کا خرچہ دیا جائے گا۔''

1۔ سنن الترمذی، ج3، ص648، باب فیمن زرع ارض قوم الخ، رقم الحدیث 1366، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

ایک طریقہ یہ مروج تھا کہ کوئی کسی کسان کو اپنی زمین کرایہ پر دیتا اور زمین کے کسی مخصوص حصہ کی پیداوار اپنے لیے مخصوص کر لیتا۔ ظاہر ہے جس حصہ کی فصل اعلیٰ ہوتی وہ اسے ہی اپنے لیے مخصوص کرتا تھا لیکن اس میں کسان پہ ایک ظلم تھا کہ نہ جانے دوسرے حصے میں فصل ہو یا نہ ہو اور نہ جانے کتنی ہو۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زراعت کی اس صورت سے بھی روک دیا اور برابری کی سطح پر معاملات طے کرنے کی تلقین فرمائی کہ مجموعی فصل پر حصہ مقرر کیا جائے۔ حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں

كنا اكثر اهل المدينة حقلا و كان احدنا يكرى ارضه فيقول هذه القطعة لى و هذه لك فربما اخرجت ذه ولم تخرج ذه فنهاهم النبى صلى الله عليه وآله وسلم۔ (1)

''ہم اہل مدینہ میں سے اکثر لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ہم میں سے ایک شخص اپنی زمین کرایہ پر دیتا اور کہتا کہ یہ ٹکرا تیرے لیے اور یہ میرے لیے ہے۔ اس ٹکرا میں کبھی پیداوار ہوتی ہے اور کبھی نہ ہوتی۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس طرح کھیتی باڑی کرنے سے منع فرما دیا۔''

ایک اور روایت میں حضرت رافع ہی فرماتے ہیں کہ

''مجھے میرے دو چچاؤں نے خبر دی کہ صحابہ کرام عہد نبوت میں زمین اس طرح بھی کرایہ پر دیتے تھے کہ جو چیز پانی کی نالیوں کے پاس اگے یا جسے زمین کا مالک الگ کر لے وہ مالک کی ہوگی۔

حضرت حنظلہ فرماتے ہیں میں نے حضرت رافع سے پوچھا کہ

فكيف هى بالدراهم و الدنانير فقال ليس بها باس و كان الذى نهى عن ذلك مالو نظر فيه ذووا الفهم بالحلال و الحرام لم يجيزوه لما فيه من المخاطر۔ (2)

''درہم و دنانیر کے بدلہ میں زراعت کیسی ہے۔ فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں اور جس

1۔ صحیح البخاری، ج 3، ص 105، باب ما یکرہ من الشروط الخ، رقم الحدیث 2322، دار طوق النجاۃ

2۔ نفس مصدر، ج 3، ص 108، باب کراء الارض الخ، رقم الحدیث 2346

Marfat.com

سے منع کیا گیا ہے اگر حلال وحرام کا فہم رکھنے والا اس میں غور کرے تو وہ اسے جائز قرار نہیں دے گا کیونکہ یہ جوئے کی طرح ہے۔''

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں:

''وہ صحابہ کرام اس شرط پر زمین کرایہ پر دیتے تھے کہ مزارع اپنے پاس سے بیج ڈال کر کاشت کرے اور نالیوں کے کناروں پر اگنے والی فصل زمین کے کرایہ کے طور پر مالک کو دے اور جو باقی بچے وہ مزارع کا ہو یا اس طرح شرط لگاتے کہ زمین کے فلاں حصہ میں جو کچھ پیدا ہوگا وہ مالک کا باقی مزارع کا ہوگا''

کیونکہ اس میں خطرہ اور دھوکا ہے ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز پیدا ہی نہ ہو۔ مزارعت کو جائز قرار دینے والے آئمہ کے نزدیک مزارعت کی یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ یاد رہے کہ مزارعت کے بارے میں مختلف حدیثیں آئی ہیں۔ فریقین کے لیے تاویل کا دروازہ کھلا ہے۔ جمہور آئمہ جواز کے قائل ہیں۔ دفع حاجت کے لیے ہمارے مذہب (حنفی) میں بھی جواز پر فتوی ہے۔(1)

اس سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسان پر کسی بھی قسم کی زیادتی سے آخری حد تک منع فرمایا۔

زراعت وشجر کاری کے متعلق ان تعلیمات نبوی کو اپنانا اس شعبہ میں بے مثال کامیابیوں اور کامرانیوں کا ضامن ہے۔ ضرورت صرف اس چیز کی ہے کہ ہم سیرت کے پیغام کو سمجھیں اور زندگی کے ہر قدم پر اسے مشعل راہ بنائیں۔

1۔ اشعۃ اللمعات، ج 4، ص 180، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، فرید بک سٹال، لاہور

Marfat.com

صحت انسانی کے بنیادی اصول
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ (بنی اسرائیل)

''اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا ہے۔''

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (النحل)

''اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو ان کی طرف اتارا گیا ہے آپ اسے ان کے لیے کھول کر بیان فرمائیں۔ شاید وہ غور وفکر کریں۔''

Marfat.com

تری ہر بات کا قصہ چلے گا
قیامت تک یہی سکہ چلے گا
سبھی معیار ثابت ہوں گے وقتی
ہمیشہ بس ترا اسوہ چلے گا
زیادہ ہی سہی بیمار انسان
مگر اب بھی ترا نسخہ چلے گا
(روحی کنجاہی)

Marfat.com

معلم کتاب شفا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح بیمار روحوں کے درد کا درماں کیا اسی طرح آپ نے صحت انسانی کی بقا اور بنی آدم کے جسموں کی شفایابی کے لیے بھی دائمی اور سرمدی اصول دیئے۔ یہ حقیقت مسلم اور اپنی جگہ پر نا قابل انکار ہے کہ دین کا اصل موضوع انسانی بدن نہیں بلکہ روح انسانی ہے ورنہ شرک سے زیادہ مذمت زہر کی کی جاتی لیکن اس حقیقت کا انکار بھی ناممکن ہے کہ قانون خداوندی کے مطابق جسم اور روح میں بہت گہرا ربط اور تعلق ہے اگر جسم پرسکون نہ ہو یا درد کی ٹیسوں سے کراہ رہا ہو تو روح کی یاد الٰہی میں یکسوئی نہ صرف بہت ہی مشکل بلکہ تقریباً ناممکنات میں سے ہو جاتی ہے اسی لیے معلم کتاب و حکمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں بیمار روحوں کے امراض کا خاتمہ فرمایا وہیں آپ نے صحت انسانی کی بقا اور انسانی وجود کو بیماریوں سے بچانے کے لیے انسانیت کی ایسی جامع رہنمائی فرمائی جسے انسان جتنا اپناتا جائے گا شفایابی کی دولت پاتا جائے گا۔

جس طرح مذہبیات اور عالم غیب کے متعلق مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ بتایا اس کی صداقت میں کوئی شک نہیں ایسے ہی آپ نے جو طبی اصول اور ضابطے دیئے ان کی حقانیت وصداقت بھی ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی عام طبیب کی طرح تجربات کی دنیا سے گزرتے ہوئے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے کیونکہ جو نتیجہ بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد حاصل کیا جائے وہ بہر حال ظنی ہی ہوتا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معاملات کا انحصار تو صرف اور صرف ہدایت ربانی اور وحی الٰہی پر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان گنت طریقوں سے انسان کی طبی رہنمائی بھی فرمائی۔ صحت انسانی کے لیے مضر چیزوں سے روکا، بہت سی اشیا کے طبی خواص بیان فرمائے۔ مرض سے شفایابی کے لیے روحانی طریقہ علاج بھی تجویز فرمایا اور مادی بھی۔ جن کی تفصیلات کتب حدیث میں ابواب الطب، ابواب الاطعمہ اور ابواب الاشربہ وغیرھم میں بالخصوص دیکھی جاسکتی ہیں۔ کتب سیرت میں اس موضوع پر بہت سا مواد موجود ہے۔ متعدد علما وفضلا نے اس موضوع پر مفصل کتب بھی

Marfat.com

تصنیف فرمائی ہیں۔ مثلاً ابن قیم کی طب نبوی، ڈاکٹر خالد غزنوی کی طب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جدید سائنس، حکیم سیف اللہ سیکھو کی طب نبوی اور اکیسویں صدی اور حکیم طارق محمود چغتائی کی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جدید سائنس وغیرھم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبی تعلیمات کا احاطہ تو ہزاروں صفحات پر مشتمل کتابوں میں بھی ممکن نہیں ہے۔ یہاں صرف آپ کی سیرت اور تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے وہ بنیادی اصول بیان کیے جائیں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی صحت کی بقا اور بیماریوں سے شفایابی کے لیے بنی نوع انسان کو دیے ہیں۔ ان میں سے چند بنیادی اصول ملاحظہ ہوں۔

احتیاط اور پرہیز کا التزام

پہلے کپڑا پھاڑنا اور پھر بڑی مہارت سے اسے رفو کرنے کے لیے بیٹھ جانا دانش مندی نہیں ہے اس میں وقت کا بھی ضیاع ہے اور وسائل کا بھی۔ کمال یہ ہے کہ انسان کوشش کر کے کپڑے کو حتی الامکان پھٹنے سے ہی بچائے۔

صحت و تندرستی اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں بگاڑ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان اس کی حفاظت کی تدابیر سے غافل ہو جاتا ہے۔ سیرت طیبہ سے ہمیں صحت کا پہلا اصول یہ ملتا ہے کہ انسان صحت میں بگاڑ اور خرابی پیدا کرنے والی ہر چیز سے پرہیز کرے تاکہ وہ امراض سے محفوظ رہ سکے۔ بیماری کا ایک بہت بڑا سبب وہی چیزیں بن جاتی ہیں جو انسان کھاتا پیتا ہے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے پینے میں ہر لحاظ سے پرہیز کی تلقین فرمائی ہے مثلاً کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی تاکید فرمائی۔ بظاہر یہ ایک معمولی سا عمل نظر آتا ہے لیکن دراصل یہ ہر لحاظ سے ایک بہت ہی بڑا عمل ہے۔ اہل ایمان کے لیے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر سنت دارین کا سرمایہ ہے ہی لیکن طبی نقطہ نظر سے بھی یہ معمولی چیز نہیں ہے کیونکہ نہ جانے انسان کے ہاتھ پر کتنے مضر جراثیم ہوتے ہیں جو ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کھانے کی صورت میں انسانی صحت کے لیے بہت ہی نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک ٹرک ڈرائیور نے ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کھایا اور فوراً ہی مر گیا بعد میں پتا

Marfat.com

چلا کہ اس نے ٹائر پر ہاتھ مار کر ہوا چیک کی تھی اور ٹائر سے کوئی سانپ وغیرہ کچلا گیا تھا جس کے زہریلے اثرات اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوئے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی تاکید فرمائی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

برکۃ الطعام الوضوء قبلہ و الوضوء بعدہ۔(1)

''کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور بعد وضو کرنے میں ہے''۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث مبارکہ کو جس باب میں درج کیا اس باب کا نام ہے باب غسل الید قبل الطعام۔ یعنی کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا باب۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ وضو تو نور علی نور ہے ہی۔ ہاتھ دھونے والا بھی اس شرف کو پانے والا ہو گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

من احب ان یکثر اللہ خیر بیتہ فلیتوضأ اذا حضر غزاوہ و اذا رفع۔(2)

''جو بندہ یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں زیادہ خیر نازل کرے اسے چاہیے کہ وہ اس وقت بھی وضو کرے جب کھانا آئے اور اس وقت بھی جب کھانا اٹھایا جائے۔''

چونکہ کھانا ہاتھوں سے کھایا جاتا ہے اگر ہاتھ ہی صاف نہ ہوں تو ہاتھوں سے زہریلے اثرات کھانے کے ساتھ پیٹ میں داخل ہو کے انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں اس لیے اس خطرہ سے بچنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی تاکید فرمائی۔ انسان کھانا دانتوں سے کھاتا ہے اگر دانت صاف نہ ہوں تو انسانی دانتوں سے مضر جراثیم انسانی معدہ میں داخل ہوتے ہیں جو اس کی صحت کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی خطرہ سے بچنے کے لیے مسواک کی تاکید فرمائی اور اس کی اہمیت پہ اس قدر زور دیا کہ جس پہ جتنا غور کیا جائے کم

1۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 281، باب ماجاء فی الوضوء قبل الطعام وبعدہ، رقم الحدیث 1876، دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ سنن ابن ماجہ، ج 2، ص 1085، باب لوضوء عند الطعام، رقم الحدیث 3660، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''مسواک کرو کیونکہ مسواک منہ کو صاف رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے۔ میرے پاس جب بھی جبریل علیہ السلام آئے تو انہوں نے مجھے مسواک کی تاکید ضرور کی۔ پھر آپ نے فرمایا:

حتی لقد خشیت ان یفرض علی و علی امتی و لولا انی اخاف ان اشق علی امتی لفرضته علیهم الخ۔(1)

''یہاں تک کہ میں ڈر گیا کہ یہ مجھ پر اور میری امت پر فرض نہ ہو جائے۔ اگر مجھے اپنی امت کے لیے مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ان پر مسواک فرض کر دیتا۔''

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك مع كل صلوة (2)

''کہ اگر مجھے اپنی امت کے لیے مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا''

حضرت شریح بن ہانی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ

بای شیء كان يبدا النبی ﷺ اذا دخل بيته قالت بالسواك۔(3)

''جب نبی کریم ﷺ اپنے گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا مسواک۔''

ایک مرتبہ آپ نے مسواک کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

ركعتان بالسواك افضل من سبعين ركعة بغير سواك رواه ابو نعيم ايضا باسناد حسن (4)

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج 8، ص 220، رقم الحدیث 7876، مکتبۃ العلوم والحکم، موصل

2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 38، ص 471، رقم الحدیث 23486، موسسۃ الرسالہ

3۔ سنن ابی داؤد، ج 1، ص 19، باب فی الرجل یستاک الخ، رقم الحدیث 51، دار الکتاب العربی، بیروت

4۔ کنز العمال، ج 9، ص 313، رقم الحدیث 26180، موسسۃ الرسالہ

Marfat.com

مسواک کر کے دو رکعتیں پڑھنا بغیر مسواک کے ستر رکعتیں پڑھنے سے افضل ہے۔

مسواک کی اس تلقین اور ترغیب کا ایک بہت بڑا سبب ان بیماریوں سے بچنا ہے جو دانت صاف نہ ہونے کے سبب پیدا ہوتی ہیں۔ بابا گرو نانک ایک مسواک اپنے پاس رکھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یا یہ لکڑی لے لو اور یا بیماری لے لو۔ جدید سائنس کہتی ہے کہ انسان کے منہ میں جو پلازما ہوتا ہے وہ صرف کلی کرنے سے ختم نہیں ہوتا۔ مسواک سے ختم ہوتا ہے ورنہ وہ بہت سی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔(1)

اسی طرح آپ کھانے کے بعد ہاتھ بھی دھوتے تھے اور کلی بھی فرماتے تھے تاکہ منہ کھانے کے بعد صاف ہو جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماری آنے پر ہی اس کا علاج نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ ایسے حفاظتی اصول استعمال کرتے تھے کہ بیماری آئے ہی نہیں یہی چیز آج کل حکمت کی زبان میں طب وقائی (Preventive Medicine) کہلاتی ہے اسی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آپ آنکھوں میں سرمہ ڈالا کرتے تھے۔ سرمہ اگرچہ زینت بھی ہے لیکن یہ آنکھوں کو بہت سی بیماریوں سے بھی بچاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمہائے مبارک تو قدرتی طور پر سرمگیں تھیں لیکن سرمہ کا استعمال آپ پھر بھی باقاعدگی سے فرماتے تھے۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اس میں غالب پہلو ''طب وقائی'' ہی تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اکتحلوا بالاثمد فانه یجلوا البصر و ینبت الشعر و زعم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت له مکتحلة یکتحل منها کل لیلة ثلاثة فی هذه و ثلاثة فی هذه۔(2)

''اثمد سرمہ کا استعمال کرو کیونکہ یہ نظر کو تیز کرتا ہے۔ بال اگاتا ہے۔ آپ کی ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپ رات کو سوتے وقت دونوں آنکھوں میں تین تین سلائیاں ڈالا

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، سنت نبوی اور جدید سائنس، ج 1، ص 11-23، حکیم طارق محمود چغتائی ادارہ اسلامیات، لاہور

2۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 234۔ باب ماجاء فی الاکتحال، رقم الحدیث 1757، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

کرتے تھے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

علیکم بالاثمد فانه منبتة للشعر مذهبة للقذی مصفاة للبصر۔(1)

"اثمد سرمہ کا التزام کرو کیونکہ یہ بال اگاتا ہے۔ بیماری دور کرتا ہے اور نظر کو صاف کرنے والا ہے"۔

بیماری آنے سے پہلے بیماری سے بچاؤ کرنا یا "طب وقائی" سیرت النبی ﷺ کا اہم پیغام ہے اسی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آپ نے اس علاقے میں جانے سے منع فرمایا جس میں کوئی ایسی بیماری پھیلی ہوئی ہو جس کے جراثیم دوسروں تک پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

الطاعون رجز او عذاب ارسل علی بنی اسرائیل او علی من کان قبلکم فاذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه۔(2)

"طاعون ایک عذاب ہے جسے بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا یا (آپ نے یہ فرمایا کہ) یہ تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا گیا تھا پس جب تم کسی علاقہ کے متعلق سنو کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر تمہارے علاقہ میں طاعون پھیل جائے تو وہاں سے مت بھاگو"۔

مرض فی نفسہ متعدی تو نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے جراثیم کو دوسروں کی بیماری کا سبب بنا دیتا ہے اس لیے یہ کہنا کہ میں وہاں جاؤں گا جو میری تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو جائے گا یہ سوچ خلاف سنت ہے تقدیر حق ہے لیکن تقدیر کا یہ مفہوم تعلیمات نبوی کے خلاف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم بھی اس علاقہ میں نہ جاؤ یعنی اگر تمہارے علاقے میں طاعون پھیل جائے تو تم وہاں سے نکل کر دوسرے علاقے میں نہ جاؤ۔ یعنی تم خود بھی بیماری سے بچوں اور

1۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج2، ص11، رقم الحدیث 1064، دار الحرمین، قاہرہ

2۔ موطا امام مالک، ج2، ص896، باب ماجاء فی الطاعون، رقم الحدیث 1588، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

اپنی وجہ سے دوسروں کو بھی بیمار ہونے سے بچاؤ۔ اس تناظر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی خوبصورت اور حکمت بھری بات فرمائی تھی۔ جب شام جاتے ہوئے آپ سرغ کے مقام پر پہنچے تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی آپ سے ملے اور بتایا کہ شام میں وبا پھیل گئی ہے تو آپ نے مہاجرین اولین سے مشورہ کیا تو کسی رائے پر اتفاق نہ ہوسکا پھر آپ نے متقدمین صحابہ اور انصار سے مشاورت کی کہ وہاں جایا جائے یا نہ جایا جائے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء مختلف ہوگئیں اور کوئی حتمی بات طے نہ ہوسکی۔ پھر آپ نے ان لوگوں سے مشورہ کیا جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے تھے تو سب نے متفق ہوکر کہا کہ ہماری رائے میں آپ کو واپس جانا چاہیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمادیا کہ میں شام نہیں جاؤں گا اور کل ہم واپس جائیں گے۔ لوگوں نے واپسی کی تیاری شروع کی تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا

افرارا من قدر اللہ

''کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: کاش! یہ بات آپ کے سوا کسی اور نے کہی ہوتی پھر آپ نے فرمایا:

نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ

''ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف ہی بھاگ رہے ہیں''۔

اسی گفتگو کے دوران حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آگئے تو وہ فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ واذا وقع بارض و انتم بھا فلا تخرجوا فرارا منہ قال فحمد اللہ عمر ابن الخطاب ثم انصرف۔(1)

''جب تم کسی علاقہ میں کوئی وبا پھیلنے کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تمہارے علاقہ میں وبا پھوٹ پڑے تو اس وبا سے بچنے کے لیے وہاں سے نہ نکلو۔ حضرت ابن عباس فرماتے

1۔ نفس مصدر، ج2، ص66، باب ماجاء فی الطاعون، رقم الحدیث 1868

Marfat.com

ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور واپس لوٹ گئے۔"

اس سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ بیماری سے بچاؤ کی کس طرح تلقین فرماتے ہیں کہ جہاں وبا پھیلی ہوئی ہو تم وہاں نہ جاؤ تاکہ تم بھی اس کی زد میں نہ آ جاؤ اور اگر تمہارے علاقہ میں وبا پھیل جائے تو تم اسے چھوڑ کے دوسرے علاقوں میں نہ جاؤ تاکہ تمہاری وجہ سے لوگ اس بیماری میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

بیماری سے بچنے یا "طب وقائی" کا ایک پہلو یہ بھی ہے کو جو چیز انسان کے مزاج کے خلاف ہو۔ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہو کہ یہ چیز اس انسان کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے تو سیرت طیبہ کا پیغام یہ ہے کہ اس چیز سے بچنا چاہیے۔ یہ کہنا کہ "کھاؤ اللہ کا رزق نقصان نہیں دیتا یا کھاؤ اللہ کرم کرے گا" ایسے جملے جس نیت سے بھی کہے جائیں شعور حقیقت سے بہت دور ہیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزاج کے خلاف چیز کھانے سے منع فرماتے تھے۔

حضرت ام منذر فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ہمارے ہاں پکی کھجور کے چند گچھے لٹک رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان گچھوں سے کھجوریں کھانا شروع کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے ساتھ وہ کھجوریں کھانا شروع کر دیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

مه مه یا علی فانك ناقه

اے علی رضی اللہ عنہ رک جاؤ! رک جاؤ! کیونکہ تم ابھی ابھی مرض سے شفایاب ہوئے ہو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجوریں تناول فرماتے رہے۔ حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معزز مہمانوں کے لیے چقندر اور جو سے ایک کھانا تیار کیا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

یا علی رضی اللہ عنہ من هذا فاصب فانه اوفق لك۔ (1)

"اے علی رضی اللہ عنہ تم یہ کھاؤ یہ تمہاری طبیعت کے زیادہ موافق ہے۔"

1۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 382، باب ماجاء فی الحمیۃ، رقم الحدیث 2037، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

کبھی مریض بیماری کے سبب کوئی ہلکی پھلکی چیز کھانا چاہتا ہے جبکہ گھر والے سمجھتے ہیں کہ یہ کمزور ہو جائے گا تو وہ اسے کوئی زیادہ تقویت دینے والی چیز کھلانا چاہتے ہیں چونکہ جو چیز بھی مزاج کے مطابق نہ ہو وہ صحت کو نقصان پہنچا سکتی ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طرز عمل سے بھی منع فرمایا۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

لا تکرھوا مرضاکم علی الطعام فان اللہ تبارک و تعالیٰ یطعمھم و یسقیھم۔(1)

''اپنے مریضوں کو کھانے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔''

آپ کے نزدیک احتیاط جس قدر لازم ہے اس کا اندازہ اس سے لگایئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں تھے۔ ایک آدمی کو پتھر لگا اور وہ زخمی ہو گیا پھر اسے احتلام ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا میں زخم کی وجہ سے تیمم کر سکتا ہوں یا مجھے غسل ہی کرنا پڑے گا۔ لوگوں نے اسے بتایا تجھے غسل ہی کرنا پڑے گا۔ اس نے غسل کیا وہ فوت ہو گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کا پتا چلا تو آپ نے فرمایا: قتلوہ قتلھم اللہ(2)۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اللہ انہیں ہلاک کرے۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ طب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پہلا اصول یہ ہے کہ انسان بیماری لگنے کے بعد ہی اس کا علاج نہ کرے بلکہ وہ ایسے حفاظتی اصول اپنائے کہ بیماری اسے لگے ہی نہیں۔ یہ ''طب وقائی'' توکل کے خلاف نہیں ہو گی بلکہ اس بصیرت کا مظہر ہو گی جو اللہ تعالیٰ بندہ مومن کو عطا فرماتا ہے۔

خورونوش میں اعتدال کی تلقین

سیرت طیبہ سے ہمیں جو طبی ضابطے واضح اور نمایاں نظر آتے ہیں ان میں سے ایک

1۔ نفس مصدر، ج 4، ص 384، ماجاء: لاتکرھوا مرضاکم الخ، رقم الحدیث 2040

2۔ سنن ابی داؤد، ج 1، ص 132، باب فی المجروح یتیمم، رقم الحدیث 336، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

اہم چیز خور ونوش میں اعتدال کی راہ اپنانا ہے کوئی بھی چیز جب تک اعتدال کے اندر رہے نعمت رہتی ہے اور اعتدال سے گزر جائے تو مصیبت بن جاتی ہے۔ کھانے پینے میں اعتدال صحت کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے چار حکیموں کو جمع کیا ان میں ایک ہندی، دوسرا رومی، تیسرا عراقی اور چوتھا سوادی (سواد کا رہنے والا) تھا اور ان سے پوچھا کوئی ایسی دوائی بتاؤ جس کا کوئی نقصان نہ ہو۔ ہندی نے کہا: ایسی دوائی ہلیلہ سیاہ ہے۔ عراقی نے کہا: ایسی دوائی حب الرشاد ہے، رومی نے کہا: ایسی دوائی گرم پانی ہے، جب سوادی حکیم کی باری آئی تو وہ کہنے لگا یہ سب غلط ہے۔ ہلیلہ معدہ کو روندتا ہے، حب الرشاد معدہ میں پھسلن پیدا کرتا ہے اور گرم پانی معدہ کو ڈھیلا کرتا ہے۔ وہ کہنے لگا میرے خیال میں ایسی دوائی صرف یہ ہے کہ کھانا صرف اس وقت کھایا جائے جب انسان کو خوب بھوک لگ جائے اور ابھی بھوک باقی ہو تو کھانا ختم کر دیا جائے۔ اس پر تمام حکیموں نے اتفاق کیا۔ (1)

حکیمانہ سوچ دراصل تعلیمات نبوی سے مستفاد ہے۔ شیخ سعدی بوستان میں فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ عجم کے ایک بادشاہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک ماہر طبیب بھیجا تا کہ وہ ضرورت کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علاج کرے وہ سال بھر آپ کے پاس رہا لیکن اس دوران کوئی آدمی اس کے پاس نہیں آیا۔ وہ مایوس ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے شکایت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے آپ کی خدمت میں علاج معالجہ کیلئے بھیجا گیا تھا لیکن اس عرصہ میں کوئی بھی میرے پاس علاج کی غرض سے نہیں آیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کرام کا طریقہ یہ ہے کہ جب تک بھوک حاوی نہ ہو جائے وہ کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے اور ابھی تھوڑی بھوک باقی ہوتی ہے تو وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔

اس روایت کی اسنادی حیثیت اگرچہ کمزور بھی ہو تب بھی اس میں بیان کردہ حقیقت کو

1۔ سنت نبوی اور جدید سائنس، ج 2، ص 97، حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ادارہ اسلامیات، لاہور

Marfat.com

جھٹلانا ناممکن ہے اور یہ انسانی صحت کا ایک بنیادی اصول ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خورونوش سے کبھی منع نہیں فرمایا لیکن آپ نے راہ اعتدال کو لازم پکڑنے کی تلقین فرمائی۔ جب بھی کسی صحابی نے کھانا پینا کسی اچھی نیت سے بھی ترک کیا آپ نے اسے سختی سے منع فرمایا۔

قبیلہ باہلہ کے ایک صاحب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے جب وہ واپس اپنے قبیلے میں گئے تو انہوں نے مسلسل روزے رکھنے شروع کر دیئے اور کھانا پینا ترک کر دیا۔ ایک سال کے بعد جب وہ دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی صورت بدل گئی تھی۔ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے پہچانا؟ آپ نے فرمایا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں وہی باہلی ہوں جو پچھلے سال آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: تجھے کیا ہو گیا تو تو بہت خوبرو انسان تھا تو انہوں نے جواب دیا۔ میں جب سے آپ کے پاس سے گیا ہوں مسلسل روزے رکھتا ہوں۔ اس کی یہ بات سن کر آپ نے فرمایا

لم عذبت نفسك۔(1)

''تم نے اپنی جان کو عذاب میں کیوں ڈالا''۔

پھر آپ نے اس کی شدید خواہش کے مطابق اسے مخصوص روزے رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کبھی کھانے پینے کی ممانعت فرمائی اور نہ ہی اسے روحانی ترقی میں رکاوٹ سمجھا لیکن آپ نے بسیار خوری سے منع فرمایا اور اعتدال کو لازم پکڑنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت عمرو بن شعیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كلوا واشربوا وتصدقوا مالم يخالطه اسراف ولا مخيلة۔(2)

''کھاؤ پیو اور صدقہ کرو جب تک وہ فضول خرچی اور تکبر کی حدوں سے نہ جا ملے''۔

آپ نے بہت زیادہ کھانے اور بسیار خوری کو ایمان کے منافی قرار دیا۔ حضرت

1۔ شعب الایمان للبیہقی، ج3، ص350، باب الصوم فی اشہر الحرم، رقم الحدیث 3738، دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ سنن ابن ماجہ، ج2، ص1192، باب البس ماشئت، رقم الحدیث 3605، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت

Marfat.com

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المسلم یاکل فی معی واحد والکافر فی سبعة امعاء۔(1)

''مسلمان ایک آنت سے کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ کے پاس ڈکار لی (اور ڈکار لینا بسیار خوری کی علامت ہے اس لیے) رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا:

کف عنا جشاك فان اکثرهم شبعا فی الدنیا اطولهم جوعا یوم القیامة۔(2)

''ہم سے اپنی ڈکار روک لے کیونکہ دنیا میں بہت زیادہ سیر ہونے والے قیامت کے دن سب سے لمبی بھوک میں مبتلا ہوں گے۔''

کیونکہ بسیار خوری سستی پیدا کرتی ہے اور سستی غفلت کا سبب بنتی ہے جس کے سبب انسان عبادت سے محروم ہو جاتا ہے اور اسے قیامت کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے بسیار خوری کو ایک فتنہ قرار دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اس امت میں جو پہلا فتنہ ہو گا وہ بسیار خوری ہو گا کیونکہ

فان القوم لما شبعت بطونهم سمنت ابدانهم فضعفت قلوبهم و جمحت شهواتهم۔(3)

''جب کسی قوم کے پیٹ (حد سے زیادہ) بھر جائیں تو ان کے جسم موٹے ہو جاتے ہیں ان کے دل کمزور ہو جاتے ہیں اور ان کی شہوتیں سرکش ہو جاتی ہیں۔''

چونکہ بسیار خوری جسمانی اور روحانی طور پر انسان کے لیے نقصان دہ ہے اس لیے رسول کریم ﷺ نے اس سے بڑی سختی سے منع فرمایا۔ آپ نے بسیار خوری کو بیماریوں کی

1۔ موطا امام مالک، ج3، ص466، باب النوادر، رقم الحدیث 95، دار القلم، دمشق

2۔ سنن الترمذی، ج4، ص649، ابواب الطب، رقم الحدیث 2478، دار احیاء التراث العربی، بیروت

3۔ الترغیب والترہیب، ص416، کتاب الطعام، رقم الحدیث 3162، دار ابن حزم

Marfat.com

جڑ قرار دیا۔(1)

بیماریوں سے بچاؤ کے لیے کھانے پینے میں جس اعتدال کی تلقین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی اس کا محور و مرکز وہ حدیث پاک ہے جسے حضرت معدی بن کرب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ماملاء آدمی وعاء شرا من بطن بحسب ابن آدم اکیلات یقمن صلبه، فان کان لا محالة فثلث بطعامه و ثلث لشرابه و ثلث لنفسه۔(2)

"آدمی اپنے پیٹ سے برے کسی برتن کو نہیں بھرتا۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر سیدھی کر دیں۔ اگر اس نے زیادہ کھانا ہی ہے تو وہ اپنے پیٹ کا تہائی حصہ کھانے کیلئے، تہائی پانی کیلئے اور تہائی سانس لینے کے لیے رکھے۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انہیں تعلیمات کا اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف ضرورت پوری کرنے کے لیے کھاتے تھے اور بسیار خوری سے مکمل اجتناب کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ما ملات بطنی طعا ما منذ اسلمت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکل حسبی و اشرب حسبی یعنی قوتی۔(3)

"جب سے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمان لایا ہوں میں نے اپنے پیٹ کو کبھی کھانے سے نہیں بھرا۔ میں ضرورت کے لیے کھاتا ہوں اور ضرورت کے لیے پیتا ہوں۔"

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ صحت انسانی کے لیے تعلیمات نبوی کا دوسرا اصول کھانے پینے میں اعتدال اور بسیار خوری سے مکمل اجتناب کرنا ہے۔

علاج کی ترغیب اور اہمیت و افادیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ تلقین فرمائی کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، احیاء العلوم، ج3، ص221، امام غزالی، دار الخیر، بیروت

2۔ سنن الترمذی، ج4، ص590، باب کراھیة کثرة الاکل، رقم الحدیث 2380، دار احیاء التراث العربی، بیروت

3۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج19، ص318، رقم الحدیث 487، مکتبة العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

[illegible] علاج کرتے۔ آپ نے کبھی بھی علاج کو توکل کے منافی نہیں سمجھا جیسے ایک شخص جو کہ بیمار تھا: کہتا ہے: [illegible] تو [illegible] ہو جائے تو سے [illegible] دوائی سے۔ شفا اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں تو ہے لیکن اس نے علاج کروانے کو شفا یابی کا سبب بنایا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: بیماری کہاں سے آتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری طرف سے۔ انہوں نے عرض کیا: دوائی کہاں سے آتی ہے؟ تو فرمایا: میری طرف سے۔ انہوں نے عرض کیا: پھر طبیب کی کیا حیثیت ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طبیب وہ انسان ہے جس کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ دوائی بھیجتا ہے۔(1)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ علاج کروانے کی ترغیب دی اور کبھی بھی علاج کو توکل کے منافی نہیں سمجھا۔ آپ نے وضاحت فرمائی کہ انسان بیماری سے کبھی بھی مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے اور موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا پیدا فرمائی ہے۔ بشرطیکہ انسان اسے تجویز کر لے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفاء۔(2)

اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں فرمائی جس کا علاج پیدا نہ فرمایا ہو۔

یعنی اللہ کے نظام میں ہر بیماری کا علاج موجود ہے۔ اس میں مریض کے لیے جس قدر خوشی اور امید کا پیغام ہے اس کا اندازہ لگانا عام بندے کیلئے ممکن نہیں۔ ضرورت اس چیز کی ہے کہ دوائی کے خواص کو سمجھا جائے اور اسے مرض کے مطابق تجویز کیا جائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل داء دواء فاذا اصیب الدواء الداء بری باذن اللہ تعالیٰ۔(3)

''ہر بیماری کے لیے دوا ہے جب دوا بیماری کے مطابق ہو مریض اللہ کے اذن سے

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، المواہب اللدنیہ، ج3، ص12، الشیخ احمد بن محمد قسطلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت
2۔ صحیح البخاری، ج7، ص122، باب ما انزل اللہ داء الخ۔ رقم الحدیث 5678، دار طوق النجاۃ
3۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج22، ص450، رقم الحدیث 14598، موسسۃ الرسالہ

Marfat.com

شفایاب ہو جاتا ہے"۔

صحیح دوا کا تجویز نہ ہونا یہ انسانی علم کی کمزوری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کا علاج پیدا فرمایا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ لم ینزل داء الا انزل له شفاء علمه من علمه وجهلا من جهله۔ (1)

"اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری جس کا علاج پیدا نہ کیا ہو۔ اس کا جاننا بھی (دوائی کے خواص) جاننے میں سے ہے اور نہ جاننا بھی (اس کے خواص) نہ جاننے میں سے ہے۔"

یعنی دوائی کی حقیقت تک پہنچنا اور نہ پہنچنا یہ دوائی کی ساخت اور فطرت میں سے ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج پیدا کیا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ علاج کروائیں۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

تداووا یا عباد اللہ فان اللہ لم یضع داء الا وضع له شفاء الا داء واحد وهوالهرم۔ (2)

"اے اللہ کے بندو! دوائی لیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفا پیدا فرمائی ہے مگر ایک بیماری کی دوائی پیدا نہیں فرمائی اور وہ بڑھاپا ہے۔"

ایک روایت میں الہرم (بڑھاپا) کی جگہ (السام) موت کا لفظ بھی آیا ہے۔ یعنی بڑھاپے اور موت کو روکنا تو کسی طبیب کے بس میں نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ انسان نے آہستہ آہستہ منزل گور کی طرف بڑھنا ہے۔ باقی ہر بیماری کا علاج اللہ کے نظام میں موجود ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا:

ان اللہ حیث خلق الداء خلق الدواء فتداووا۔ (3)

"اللہ تعالیٰ نے جس طرح بیماری پیدا فرمائی اسی طرح اس کی دوا بھی پیدا فرمائی ہے۔

1۔ نفس مصدر، ج6، ص50، رقم الحدیث 3578

2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج1، ص187، رقم الحدیث 483، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

3۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج20، ص50، رقم الحدیث 12596، موسسۃ الرسالہ

Marfat.com

چیز تم دونوں کا استعمال کیا کرو۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے علاج کی تلقین فرمائی اور اس تکلیف میں خود علاج فرمایا بھی۔ جب آپ مرض وصال میں تھے اور آپ کے درد میں شدید اضافہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر ایسی سات مشکوں کا پانی انڈیلو جن کا منہ نہ کھولا گیا ہو تاکہ میں لوگوں کو کچھ وصیت کروں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ٹب میں بٹھایا اور آپ پر ان مشکوں کا پانی انڈیلنے لگیں حتی کہ آپ نے ہمیں اشارے سے بتایا کہ تم نے اپنا کام کر دیا ہے۔ پھر آپ لوگوں کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں خطبہ ارشاد فرمایا۔(1)

اس سے واضح ہے کہ آپ نے اس طریقے سے اپنا علاج کیا کیونکہ یہ بھی اس مرض کے علاج کی ہی ایک صورت تھی اور اس سے آپ کو افاقہ بھی ہوا۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن سعد الساعدی فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں جب نبی کریم ﷺ کے سر اقدس پر خود ٹوٹ گیا۔ آپ کا چہرہ اقدس خون آلود ہو گیا اور آپ کا سامنے والا دانت (اس کا کنارہ) ٹوٹ گیا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی ڈال کر لاتے رہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور آپ کے چہرہ اقدس سے خون دھونے لگیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ پانی کے استعمال سے خون میں اضافہ ہو رہا ہے تو انہوں نے ایک چٹائی لے کے اسے جلایا۔ اور اس کی راکھ حضور اکرم ﷺ کے زخم پر لگائی اس طرح خون بہنا بند ہو گیا۔(2)

حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گردن کے اطراف کی پوشیدہ رگوں میں اور پیٹھ کے بالائی حصہ پر پچھنے لگوایا کرتے تھے(3)۔ رسول کریم ﷺ علاج کو توکل کے منافی سمجھتے تو آپ کبھی بھی اس طرح نہ فرماتے۔

1۔ صحیح البخاری، ج1، ص51، باب الوضوء والغسل فی المخضب الخ۔ رقم الحدیث 198، دار طوق النجاۃ

2۔ صحیح البخاری، ج7، ص129۔ باب حرق الحصیر لیسد بہ الدم، رقم الحدیث 5722، دار طوق النجاۃ

3۔ سنن ابی داؤد، ج4، ص2، باب ماجاء فی موضع الحجامۃ، رقم الحدیث 3861، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

حرام چیزوں سے علاج سے کی ممانعت

علاج کے متعلق سیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہے کہ آپ نے ہمیشہ حلال چیزوں سے علاج کی ترغیب دی اور حرام چیزوں سے علاج کرنے سے منع فرمایا۔ حالت اضطرار میں تو حرام اشیاء کے استعمال کی بھی اجازت مل جاتی ہے جیسے پیاس سے مرنے والے انسان کے لیے شراب پی کے جان بچانا حلال ہوجاتا ہے۔

اگر بالفرض طبیب پوری امانت داری سے سمجھے کہ اس مریض کا علاج کسی حرام چیز کے استعمال میں ہے تو اس کے لیے حرام چیز سے علاج کی اجازت ہوگی اسی میں انسان کے لیے سہولت ہے۔ اسی لیے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عرینہ کے لوگوں کی بیماری میں انہیں اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا(1)۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خارش کی وجہ سے ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دی۔(2)

حضرت عرفجہ بن اسعد کی ناک جنگ کلاب میں کٹ گئی۔ انہوں نے چاندی کی ناک لگوالی لیکن اس میں بدبو پیدا ہوگئی تو آپ نے انہیں سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا۔(3)

یہ تمام صورتیں استثنائی اور بیان جواز کے لیے ہیں تاکہ لوگ مشقت میں نہ پڑیں لیکن اصولی طور پر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حلال چیزوں سے ہی علاج کا حکم دیا اور اسی کی ترغیب دی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ لم یجعل شفاء امتی فیما حرم۔(4)

''اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفا ان چیزوں میں نہیں رکھی جو اس نے ان پر حرام کی ہیں۔''

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، سنن ابن ماجہ، ج2، ص861، باب من حارب، رقم الحدیث 2578، دارالفکر، بیروت

2۔ ایضاً صحیح البخاری، ج4، ص42، باب الجبۃ فی السفر، رقم الحدیث 2918، دارطوق النجاۃ

3۔ سنن ابی داؤد، ج4، ص148، باب ماجاء فی ربط الاسنان، رقم الحدیث 4234، دارالکتاب العربی، بیروت

4۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج10، ص9، باب النہی عن التداوی الخ، رقم الحدیث 20171، مجلس دائرۃ النظامیہ، حیدرآباد

Marfat.com

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ انزل الداء و الدواء وجعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام۔(1)

''اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی نازل فرمائی اور دواء بھی اور اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا بھی بنائی پس تم دوا کا استعمال کرو لیکن حرام کو دوا نہ بناؤ''

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عثمان فرماتے ہیں کہ ایک طبیب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مینڈک کو کسی دوائی میں استعمال کرنے کی اجازت مانگی۔

فنہاہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن قتلھا۔(2)

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مینڈک کو مارنے کی (اور اسے دوائی میں استعمال کرنے کی) اجازت نہیں دی۔

حضرت سوید رضی اللہ عنہ بن طارق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراب کے متعلق پوچھا تو آپ نے منع فرما دیا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ دوا (کیلئے) ہے آپ نے فرمایا:

لا ولکنہا داء۔(3)

''نہیں'' یہ تو بیماری ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن الدواء الخبیث۔(4)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبیث دوا سے منع فرمایا۔''

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاج کی ترغیب تو بہت فرمائی لیکن آپ نے حرام اشیا سے علاج کروانے سے منع فرمایا۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ انتہائی اضطراری حالت کے بغیر حرام اشیا کو دوائی کے طور پر استعمال نہ کریں۔

1۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 6، باب الادویہ المکروھۃ، رقم الحدیث 3876، دار الکتاب العربی، بیروت

2۔ ایضاً، رقم الحدیث، 3876، دار الکتاب العربی، بیروت

3۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج 22، ص 13، رقم الحدیث 15، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

4۔ سنن ابن ماجہ، ج 2، ص 1145، باب النہی عن الدواء الخبیث، رقم الحدیث 3459، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

چند بیماریاں اور طب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چونکہ صحت بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کی قدر انسان کے فرائض میں سے ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تزکیہ قلوب کے ساتھ بہت سی جسمانی بیماریوں کا علاج بھی تجویز فرمایا کیونکہ ایک بیمار انسان تو عبادت میں یکسوئی سے بھی عموماً محروم ہو جاتا ہے اور درد کی ٹیسیں اسے کسی اور طرف توجہ ہی نہیں کرنے دیتیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیماریوں کے علاج کے لیے روحانی طریقے بھی بتائے اور مادی بھی۔ چند تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

روحانی علاج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیماریوں کے روحانی علاج کا منبع و مصدر قرآن مجید کو قرار دیا کیونکہ یہی وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے مطلق شفا قرار دیا اور جسمانی یا روحانی کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل:82)

''اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کیلئے شفا اور رحمت ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ قرآن کریم سے روحانی بیماریوں کے علاج کے ساتھ ساتھ اپنے جسمانی دکھوں کا مداوا بھی کریں اور قرآن کریم سے اعراض کرنے والے پر سخت وعید فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

ولم یستشف بالقرآن فلا شفاہ اللہ۔(1)

''جو قرآن سے شفا طلب نہ کرے اللہ اسے شفا نہ دے۔''

آپ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔

وان تجعل القرآن ربیع قلبی و جلاء حزنی و شفاء صدری۔(2)

1۔ کنز العمال، ج10، ص9، رقم الحدیث 28106، موسسۃ الرسالہ

2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج10، ص169، رقم الحدیث 10352، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

''اے میرے مالک! تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے غموں کا مداوا اور میرے سینے کی شفا بنا دے۔''

آپ نے قرآن مجید کو بہترین دوا قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

خیر الدواء القرآن۔ (1)

''بہترین دوا قرآن ہے۔''

حضرت شیخ ابو القاسم القشیری فرماتے ہیں کہ میرا بیٹا شدید بیمار ہو گیا یہاں تک کہ وہ قریب المرگ ہو گیا۔ میں بڑے کرب میں مبتلا تھا کہ مجھے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے اپنے بیٹے کی بیماری کے متعلق عرض کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو آیات شفا کہاں ہیں؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں بیدار ہوا میں نے قرآن مجید میں غور کیا تو مجھے قرآن مجید میں وہ چھ آیات ملیں اور وہ یہ ہیں۔

يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (توبہ:14)

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (یونس:57)

يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (النحل:69)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (الاسراء:82)

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ (الشعراء:80)

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ (فصلت:44)

''وہ فرماتے ہیں میں نے ان آیات کو لکھا انہیں پانی میں گھولا اور اپنے بیٹے کو پلا دیا۔ میرا بیٹا اس طرح صحت یاب ہو گیا جیسے ان کے پاؤں کی رسی کھول دی گئی (2)۔ اور وہ بندھن سے آزاد ہو گیا ہو۔''

آپ کی انہیں تعلیمات کا اثر تھا کہ صحابہ کرام بھی قرآن مجید کو روحانی بیماریوں کے ساتھ ساتھ جسمانی بیماریوں کا علاج بھی سمجھتے تھے اور جب کسی قبیلہ کے ایک سردار کو سانپ

1۔ سنن ابن ماجہ، ج 2، ص 1158، باب الاستشفاء بالقرآن، رقم الحدیث 3501، دار الفکر، بیروت

2۔ المواہب اللدنیہ، ج 3، ص 14، شیخ احمد بن محمد القسطلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

نے ڈس لیا تو ان کے کہنے پر صحابہ کرام نے انہیں سورۂ فاتحہ پڑھ کے دم کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دی۔(1)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان ینفث علی نفسه فی المرض الذی مات فیه بالمعوذات فلما ثقل کنت انفث علیه بهن امسح بید نفسه لبرکتها۔(2)

''جس مرض میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا اس میں آپ اپنے اوپر معوذات پڑھ کر دم فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ کو زیادہ تکلیف ہوتی تو میں پڑھ کر آپ پر دم کرتی اور آپ کے دست مبارک کو برکت کے لیے آپ کے جسم پاک پر پھیر دیتی۔''

قرآن مجید کے علاوہ آپ بہت سی دعاؤں اور مبارک کلمات سے بھی کسی مرض کا علاج فرماتے تھے۔ حضرت عثمان بن ابو العاص فرماتے ہیں کہ مجھے اتنی سخت تکلیف تھی کہ جو مجھے ہلاک کیے جا رہی تھی میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: درد کی جگہ پر ہاتھ پھیرو اور یہ کلمات سات مرتبہ پڑھو۔

اعوذ بعزة الله و قدرته من شر ما اجد و احاذر۔(3)

''میں اللہ تعالیٰ کی عزت و قدرت سے اس تکلیف سے پناہ مانگتا ہوں جو میں محسوس کر رہا ہوں۔''

وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے میری تکلیف کو بالکل ختم کر دیا۔ جس میں میں مبتلا تھا۔ میں (اس کے بعد) اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو اس دعا کی تلقین کرتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر کوئی انسان تکلیف میں مبتلا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، صحیح البخاری، ج 7، ص 131، باب الرقی بفاتحة الكتاب، رقم الحدیث 57356، دار طوق النجاۃ

2۔ نفس مصدر، ج 7، ص 131، باب الرقی بالقرآن، رقم الحدیث 5735

3۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج 9، ص 46، رقم الحدیث 8343، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

اپنا لعاب دہن لے کر اس کی طرف اشارہ کرتے۔ پھر مٹی کی طرف اشارہ کرتے اور زبان سے یہ کلمات ادا فرماتے:

تربة ارضنا بريقة بعضنا يشفى بها سقيمنا باذن ربنا۔(1)

ہماری زمین کی مٹی، ہم میں سے کسی کے لعاب دہن کے ساتھ ملتی ہے تو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمارے مریض شفا پاتے ہیں۔

ایک صحابی کو حضور اکرم ﷺ نے خوف کے عالم میں یہ کلمات پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

اعوذ بكلمات الله التامة من غضبه و من شر عباده و من همزات الشيطن و ان يحضرون۔(2)

"میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب سے، اس کے بندوں کے شر سے، شیاطین کے وسوسوں اور اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔"

اسی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کے جو بچے سن شعور کو پہنچے ہوتے انہیں یہ کلمات کہنے کی تلقین کرتے اور جو نہ پہنچے ہوتے یہ کلمات ان کے گلے میں لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کو بخار اور ہر قسم کی تکلیف میں یہ کلمات پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

بسم الله الكبير اعوذ بالله العظيم من شر كل عرق نعار و من شر حر النار(3)

"بزرگ و برتر اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ عظمت والے اللہ کے نام سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہر ایسی رگ کے شر سے جس سے خون پھوٹ کر نکلتا ہے اور آگ کی گرمی کے شر سے۔"

حضرت انس بن مالک حضرت ثابت کے پاس گئے تو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوحمزہ! میں بیمار ہو گیا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ دم نہ کروں جو

1۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 19، باب کیف الرقی، رقم الحدیث 3897، دار الکتاب العربی، بیروت

2۔ نفس مصدر، ج 4، ص 18، باب کیف الرقی، رقم الحدیث 3895

3۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 405، باب 26، رقم الحدیث 2075، دار احیاء التراث العربی، بیروت

Marfat.com

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے تھے؟ انہوں نے عرض کیا: ضرور کیجئے۔ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں دم کیا۔

اللهم رب الناس مذهب البأس اشف انت الشافی لا شافی الا انت اشفعه شفاء لایغادر سقما۔(1)

''اے اللہ! لوگوں کے رب، سختی کو دور کرنے والے۔ شفا عطا فرما تو ہی شفا دینے والا ہے۔ ایسی شفا عطا فرما جو بیماری کا نام و نشان مٹا دے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرمانے کے لیے اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں پر قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ اور معوذتین (سورہ فلق، سورہ الناس) پڑھ کر دم فرماتے تھے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ مبارک پر پھیرتے اور جسم کے جس حصہ تک دست مبارک پہنچتے اس پر پھیرتے اور جب آپ بیمار ہوتے تو

کان یامرنی ان افعل ذلك۔(2)

''مجھے یہ عمل کرنے کا حکم فرماتے''

اگر کسی کا پیشاب رک جائے تو آپ ان الفاظ سے اسے دم فرماتے تھے۔

ربنا الله الذی فی السماء تقدس اسمك، امرك فی السماء والارض کما رحمتك فی السماء فاجعل رحمتك، فی الارض، واغفرلنا ذنوبنا و خطایانا، انت رب الطیبین فانزل شفاء من شفاءك و رحمة من رحمتك علی هذا الوجع فیبرأ۔(3)

''ہمارا رب اللہ ہے جو (جس کا عرش) آسمان میں ہے تیرا نام بڑا مقدس ہے۔ تیرا حکم آسمانوں اور زمین میں جاری ہے جیسے تیری رحمت آسمانوں میں ہے تو زمین پر بھی ویسے ہی اپنی رحمت نازل فرما۔ ہمارے گناہوں اور ہماری خطاؤں کو بخش دے تو تمام طبیبوں کا رب ہے۔ پس اپنی شفا سے شفا نازل فرما اور اس درد پر اپنی رحمت سے رحمت نازل فرما تا کہ یہ

1۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 17، باب کیف الرقی، رقم الحدیث 3892، دار الکتاب العربی، بیروت
2۔ صحیح البخاری، ج 9، ص 479، باب النفث فی الرقیۃ، رقم الحدیث 4171، دار طوق النجاۃ
3۔ المواهب اللدنیہ، ج 3، ص 40، الشیخ احمد بن محمد القسطلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

Marfat.com

ٹھیک ہو جائے۔ پس وہ مریض شفایاب ہو جاتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا جسے سانپ نے ڈس لیا تھا۔ آپ نے فرمایا اگر تو یہ کلمات پڑھتا تو تجھے سانپ نہ ڈستا اور تجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شر ما خلق۔ (1)

''میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ سے ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا فرمائی ہے۔''

یہ رسول کریم ﷺ کے روحانی طریقہ علاج کی چند مثالیں تھیں جن کی تفاصیل کتب سیرت اور کتب حدیث میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر بیماری میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین فرماتے تھے کیونکہ حقیقی شفا اسی کے دست قدرت میں ہے اور شفا اس کو ملتی ہے جسے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمادے۔

مادی علاج

چونکہ یہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں سب کچھ اسباب کے تحت ہوتا ہے۔ اس دنیا میں سب کچھ کرتا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ اسباب کے پردے میں کرتا ہے اس لیے مومن اسباب سے لاتعلق نہیں ہوتا۔ اس کا اصل سہارا تو مسبب الاسباب کی ذات ہی ہوتی ہے لیکن وہ اسباب کے حصول میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا اس لیے مادی علاج نہ توکل کے خلاف ہے نہ سنت نبوی کے۔ نبی کریم ﷺ نے جہاں بہت سی بیماریوں کا روحانی علاج تجویز فرمایا وہاں آپ نے بے شمار بیماریوں کے مادی علاج بھی تجویز فرمائے جو قیامت تک کے لیے اطبا و حکما کے لیے خضر راہ ہیں اور ہر معالج کے لیے سنگ میل ہیں۔ ان میں چند چیزیں ملاحظہ ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے بیماریوں کے علاج کے لیے جو چیزیں تجویز فرمائیں ان میں ایک اہم چیز شہد ہے۔ طب نبوی میں اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید

1۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 20، باب کیف الرقی، رقم الحدیث 3901، دار الکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

سے شفا طلب کرنے کے ساتھ شہد سے شفا طلب کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بالشفائین العسل و القرآن۔(1)

''دو شفا دینے والی چیزوں کو لازم پکڑو۔ ایک شہد اور ایک قرآن مجید۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

من لعق العسل ثلاث غدوات کل شھر لم یصبه عظیم من البلاء۔(2)

''جس نے ہر مہینے میں صبح کے وقت تین دن شہد چاٹ لیا اسے کوئی بیماری نہیں لگے گی۔''

آپ نے شہد کی اہمیت وافادیت کو اس قدر اجاگر فرمایا کہ جب ایک شخص کے لیے آپ نے شہد تجویز فرمایا جس کے پیٹ میں بیماری تھی اس نے شہد استعمال کیا لیکن شفایاب نہ ہوا۔ اس کے بھائی نے آپ سے پھر بیماری کے متعلق عرض کیا۔ آپ نے پھر شہد ہی تجویز فرمایا۔ جب تیسری مرتبہ پھر ایسا ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صدق اللہ و کذب بطن اخیك اسقه عسلا فسقاہ فبرأ۔(3)

''اللہ نے سچ فرمایا۔ تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹ کہتا ہے۔ جاؤ اسے شہد پلاؤ۔ اس نے جا کر شہد پلایا تو وہ شفایاب ہو گیا۔'' آپ کے اس فرمان گرامی سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے شہد اور شفا کا کتنا گہرا تعلق ہے کہ شہد سے شفایابی کو آپ نے اللہ کا فرمان قرار دیا کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ اس شخص کا یہی علاج ہے۔

آپ نے پچھنے لگانے کو شفایابی کا ایک بہت بڑا ذریعہ قرار دیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الشفاء فی ثلاثة شربة عسل و شرطة محجم و کیة نار و انھی امتی عن الکی۔(4)

1۔ سنن ابن ماجہ، ج2، ص1142، باب العسل، رقم الحدیث 3452، دار الفکر، بیروت

2۔ نفس مصدر، ج2، ص1142، باب العسل، رقم الحدیث 3450

3۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج7، ص445، باب ما قالوا فی العسل، رقم الحدیث 24158، دار القبلة

4۔ سنن ابن ماجہ، ج2، ص1155، باب الکی، رقم الحدیث 3491، دار الفکر، بیروت

Marfat.com

''شفا تین چیزوں میں ہے۔شہد پینا۔ پچھنے لگوانا اور آگ سے داغ لگوانا لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں۔''

آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حجام (پچھنے لگانے والا) بہت اچھا بندہ ہے۔ وہ خون نکال دیتا ہے، پشت کو خشک کر دیتا ہے اور بینائی تیز کر دیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو

مامرعلی ملاء من الملائكة الا قالوا عليك بالحجامة الخ۔(1)

''آپ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے تھے وہ آپ سے یہ ضرور کہتے تھے کہ پچھنے لگوانے کو اپنے اوپر لازم رکھنا۔''

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سر کی چوٹی پر اور کندھوں کے درمیان پچھنے لگوایا کرتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ

من اهراق منه هذه الدماء فلا يضره ان لايتداوى بشىء لشىء۔(2)

''جو شخص اس خون کو نکلوا دے تو اگر وہ کسی اور مرض کا کسی اور شی سے علاج نہ بھی کرے تو اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

بیماریوں سے شفایابی کے لیے حضور اکرم ﷺ کلونجی کے استعمال کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان هذه الحبة السوداء شفاء من كل داء الا من السام قلت و ما السام قال الموت۔(3)

''بے شک یہ کالا دانہ (کلونجی) سوائے سام کے ہر مرض کا علاج ہے۔ میں نے عرض کیا: سام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا موت''۔

1۔ سنن الترمذی، ج4، ص391، باب الحجامة، رقم الحدیث 2053، دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ سنن ابن ماجہ، ج2، ص1152، باب موضع الحجامة، رقم الحدیث 3484، دار الفکر، بیروت

3۔ نفس مصدر، ج2، ص1142، باب الحبة السوداء، رقم الحدیث 3449، دار الفکر بیروت

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

فی الحبة السوداء شفا من کل داء الا السام۔(1)

''کلونجی میں موت کے سوا ہر مرض کا علاج ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھمبی کو آنکھوں کے علاج کے لیے بہت مفید قرار دیا۔ حضرت عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ان الکماۃ من المن الذی انزل اللہ علی بنی اسرائیل و ماء ھا شفاء للعین(2)

''بے شک کھمبی من وسلویٰ میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے۔''

اسی طرح آپ نے عجوہ کھجور کے طبی فوائد کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

الکماۃ من المن والعجوۃ من الجنة و ھی شفاء من السم(3)

''کھمبی من (وسلویٰ) میں سے ہے اور عجوہ کھجور جنت میں سے ہے اور یہ زہر سے شفا ہے۔''

آپ نے روزانہ سات کھجوروں سے ناشتہ کرنے والے کو بشارت دی کہ اس روز نہ اس پر زہر کا اثر ہوگا اور نہ جادو کا۔ آپ نے فرمایا:

من تصبح بسبع تمرات عجوۃ لم یضرہ ذلک الیوم سم ولا سحر۔(4)

''جس نے روزانہ عجوہ کی سات کھجوروں سے ناشتہ کیا اس دن اسے نہ زہر نقصان دے گا اور نہ جادو۔''

حضرت سعد فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں ایک بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری تیمارداری کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا

1۔ سنن الترمذی، ج 4، ص 375، باب الحبة السوداء، رقم الحدیث 2041، داراحیاء التراث العربی، بیروت

2۔ نفس مصدر، ج 2، ص 1143، باب الکماۃ والمن، رقم الحدیث 3454

3۔ مسند احمد، ج 14، ص 304، رقم الحدیث 8668، موسسہ الرسالہ

4۔ سنن ابی داؤد، ج 4، ص 8، باب فی تمرۃ العجوۃ، رقم الحدیث 3878، دارالکتاب العربی، بیروت

Marfat.com

جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی۔آپ نے فرمایا تم ایسے شخص ہو جنہیں دل کا مرض لاحق ہے۔تم قبیلہ بنوثقیف کے حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ شخص طبابت کا کام کرتا ہے۔پھر آپ نے فرمایا:

فلیاخذ سبع تمرات من عجوة المدینة فلیجاهن بنواهن ثم لیلدك بهن۔(1)

''اسے چاہیے کہ وہ عجوہ کھجور کے سات دانے لے کر انہیں گٹھلیوں سمیت کوٹ لے اور پھر (پانی میں ملا کر) تمہیں پلا دے۔''

آپ نے مریض کے لیے تلبینہ کو پسند فرمایا ہے یہ ایک ایسا کھانا ہے جو دودھ، شہد اور چوکر سے تیار کیا جاتا ہے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

ان التلبینة تجم فؤاد المریض و تذهب ببعض الحزن۔(2)

''بے شک تلبینہ مریض کے دل کو راحت پہنچاتا ہے اور کسی حد تک اس کے غم کو دور کرتا ہے۔''

بخار کی شدت کو کم کرنے کے لیے آپ نے پانی کے استعمال کا حکم دیا۔فرمایا:

الحمی من فیح جهنم فاطفئوها بالماء۔(3)

''بے شک بخار جہنم کا شعلہ ہے اسے پانی سے بجھاؤ''۔

آپ نے سنا مکی کو بہت پسند فرمایا۔حضرت اسماء بنت عمیر فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا تم کون سی دست آور دوائی استعمال کرتی ہو۔میں نے عرض کیا بشرم۔آپ نے فرمایا یہ تو بہت گرم ہے۔آپ فرماتی ہیں پھر میں نے سنا کو دست آور دوائی کے طور پر استعمال کیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

1۔نفس مصدر، ج4، ص8، باب فی تمرة العجوہ، رقم الحدیث 3877

2۔المعجم الاوسط الطبرانی، ج9، ص19 رقم الحدیث 9001، دارالحرمین، القاہرہ

3۔المعجم الکبیر للطبرانی، ج12، ص360، رقم الحدیث 13342، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

Marfat.com

لو ان شیا کان فیه شفا من الموت لکان فی السنا۔(1)

''اگر کسی چیز میں موت کی شفا ہوتی تو وہ سنا ہوتی۔''

آپ نے مہندی کو علاج کے طور پر استعمال فرمایا۔ حضرت عبید اللہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ

ما یکون برسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرحة و ولا نکبة الا امرنی رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اضع علیها الحناء۔(2)

''کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی کوئی زخم پہنچتا یا کوئی کانٹا چبھتا تو آپ مجھے اس پر مہندی لگانے کا حکم فرماتے۔''

اسی طرح آپ نے عود ہندی کے طبی فوائد کو بھی بیان فرمایا۔ حضرت ام قیس فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

علیکم بهذا العود الهندی فان فیه سبعة اشفیة یستعط به من العذرة ویلد به من ذات الجنب الخ۔(3)

''تم اس عود ہندی کو لازم پکڑو کیونکہ اس میں سات شفائیں ہیں۔ حلق میں درد کی شکل میں اسے ناک میں چڑھایا جائے اور پسلی کے درد (نمونیا) کی صورت میں حلق کے گوشے سے یہ دوا پلائی جائے۔''

حضرت ام قیس ہی فرماتی ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی میں نے حلق کے ورم (خناق) کی وجہ سے اس کا تالو دبایا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے بچے کا تالو دبا کے انہیں تکلیف کیوں پہنچائی ہے۔

علیکم بهذا العود الهندی فان فیه سبعة اشفیة منها ذات الجنب یسعط من العذره ویلد من ذات الجنب۔(4)

1۔ سنن الترمذی، ج4، ص408، باب السناء، رقم الحدیث 2081، داراحیاء التراث العربی، بیروت

2۔ نفس مصدر، ج4، ص392، باب التداوی بالحناء، رقم الحدیث 2054

3۔ صحیح البخاری، ج7، ص123، باب السعوط بالقسط الہندی، رقم الحدیث 5692، دارطوق النجاۃ

4۔ نفس مصدر، ج7، ص124، باب السعود بالقسط الہندی، رقم الحدیث 5692

Marfat.com

''تم عود ہندی کو لازم پکڑو کیونکہ اس میں سات بیماریوں کی شفا ہے جن میں ایک نمونیا ہے۔ گلے کی بیماری میں اسے ناک میں چڑھایا جائے نمونیا کی شکل میں اسے حلق کے کونے میں ٹپکایا جائے۔''

طب نبوی کی ان چند مثالوں سے بخوبی واضح ہو رہا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چیزوں کے خواص کس حد تک بتائے تھے اور آپ کس طرح عام اور معمولی چیزوں سے بڑی بڑی بیماریوں کا علاج فرماتے تھے۔ طب نبوی ﷺ کے اس پہلو میں انسانیت کے لیے ایک بہت بڑا پیغام شفا بھی ہے۔ ان کے دکھوں کا مداوا بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے حضور اکرم ﷺ کی رسالت کی صداقت پر ایک واضح اور بین دلیل بھی ہے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ امی ہیں۔ آپ نے کسی طبیب کے پاس بیٹھ کر ان چیزوں کے خواص نہیں جانے۔ آپ کی پوری زندگی تو دعوت و ارشاد، جہاد فی سبیل اللہ اور اسلام کی نشر و اشاعت میں بسر ہوئی۔

آپ کی حیات مبارکہ میں کوئی ایسا وقت نہیں ملتا جس میں آپ نے خصوصی طور پر ان اشیا کے طبی خواص کو سیکھا ہو یا ان پر تجربات کیے ہوں لیکن آپ نے جو فرما دیا وہ حرف آخر ہے اور بفضلہ تعالیٰ قیامت تک حرف آخر ہی رہے گا۔ یہ اس چیز کی دلیل ہے کہ یہ سب کچھ آپ نے نہ کسی طبیب سے سیکھا اور نہ ہی محض تجربات سے حاصل کیا بلکہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے آپ کو سکھائیں۔

ایسا امی کس لیے منت کش استاد ہو
کیا کفایت اس کو اقرأ ربک الاکرم نہیں

صحت انسانی کی بقا اور بہتری کے لیے تعلیمات نبوی ﷺ کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو انسان ایسے حفاظتی ذرائع استعمال کرے اور حفظان صحت کے ان اصولوں کو اپنائے جس کی وجہ سے اس کی صحت خراب نہ ہو۔ مثلاً کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے، کلی کرے، دانت صاف رکھے تاکہ کھانے کے ساتھ مضر اشیا اس کے معدہ میں جا کر بیماری کا باعث نہ بنیں جو

Marfat.com

چیز اس کے مزاج کے مطابق نہ ہو وہ اس سے احتیاط کرے اور اس کا تجربہ اور مشاہدہ اسے جس چیز کے متعلق بتائے کہ یہ اس کے لیے نقصان دہ ہے وہ پوری استقامت سے اس سے احتراز کرے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ کھانے پینے میں اعتدال کو لازم پکڑے کیونکہ کسی بھی چیز کی کثرت اور انتہا ہر پہلو سے نقصان دہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ خورونوش میں بھی افراط وتفریط سے بچے اور راہ اعتدال کو لازم پکڑے۔

اگر کوئی انسان بیمار ہو ہی جائے تو وہ علاج کروانے میں نہ سستی کرے نہ ہی اسے توکل کے خلاف سمجھے۔ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واضح ہے کہ انسان مادی علاج کی طرح روحانی علاج سے بھی غافل نہ ہو کیونکہ شفا اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے جو جس طرح مادی دواؤں کو شفا کا ذریعہ بنا دیتا ہے اسی طرح روحانی علاج اور کلمات طیبات کو شفا کا سبب بھی بنا دیتا ہے۔ انسان صرف جسم کا نام نہیں بلکہ جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور ان میں سے بھی اصل چیز روح ہے اور جسم لباس کی طرح ہے تو انسان کو علاج کیلئے بھی کتاب شفا قرآن مجید اور دیگر کلمات طیبات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

مادی طریقہ علاج میں انسان کو چاہیے کہ وہ فطرت کے قریب تر رہے۔ اشیاء کے خواص اور بیماری کی نوعیت میں مطابقت ضروری ہے۔ اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بنیادی رہنما اصول دیئے ہیں وہ قیامت تک اطبا اور معالجین کے لیے خضر راہ ہیں۔ جدید سائنسی ترقی کے مطابق ان کو کوئی بھی شکل دے دی جائے اور ان کا جو بھی نام رکھ دیا جائے اس سے نفس مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر صحت کے ان نبوی اصولوں کی بنیاد پر زمانے کی سہولتوں اور تقاضوں کے مطابق جہد مسلسل سے آگے بڑھا جائے تو یقیناً اس میں انسانیت کے لیے ایک بہت بڑی خیر اور امراض سے شفایابی کا پیغام مضمر ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے انسان کو شفا مطلق ملتی ہے۔ اس کی بیماری جسم کی ہو یا روح کی۔

مرادیں پا گئے جو آ گئے ان کے سفینے میں
انہیں گرداب کا کھٹکا نہ پروا ان کو طوفاں کی

Marfat.com

عجب تاثیر ذکر مصطفیٰ ہے اس سے ہوتی ہے
تشفی قلب سوزاں کی، تسلی چشم گریاں کی
(حکیم شریف احسن)

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم۔ ربنا اتنا فى الدنيا حسنة و فى الاخرة حسنة وقنا عذاب النار و احشرنا فى زمرة المسلمين يوم القيامة وارزقنا شفاعة حبيبك المكرم يوم القيامة۔ وصلى الله تعالى على حبيبه محمد صلى الله تعالى عليه وعلى اله و اصحابه وازواجه و ذريته اجمعين آمين۔ ثم آمين بحرمة طه و يسين

محمد حبیب اللہ چشتی

7 ربیع الاول 1436ھ

Marfat.com

مصادر ومراجع

مصادر ومراجع کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہے۔''ال'' کا اعتبار نہیں کیا گیا

1	قرآن مجید	کلام باری تعالیٰ
2	الابانۃ الکبری	ابوعبید اللہ عبید اللہ بن محمد۔ دار الرایۃ للنشر، الریاض
3	الاحاد والمثانی	احمد بن عمرو الضحاک دار الرایۃ للنشر، الریاض
4	اسرار خودی	علامہ محمد اقبال شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
5	اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو	ڈاکٹر مصطفی سباعی اسلامک پبلی کیشنز، لاہور
6	اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور
7	بانگ درا	علامہ محمد اقبال شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
8	البدیۃ والنہایۃ	علامہ ابن کثیر الدمشقی دار المعرفۃ بیروت
9	تاریخ الاسلام	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی دار الکتاب العربی

Marfat.com

10 تاج العروس محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی
دار الفکر للطباعۃ والنشر

11 الترغیب والترہیب امام عبدالعظیم المنذری
دار ابن حزم، بیروت

12 التفسیر والمفسرون الدکتور محمد حسین الذہبی
دار الحدیث، القاہرہ

13 التفسیر الکبیر امام فخر الدین رازی
مکتب الاعلام الاسلامیہ

14 التفسیر المظہری قاضی محمد ثناء اللہ المظہری
دار احیا التراث العربی، بیروت

15 تفسیر القرآن العظیم امام ابو الفدا اسماعیل ابن کثیر الدمشقی
دار الحدیث، القاہرہ

16 تفسیر الخازن علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی
مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

17 الجامع لاحکام القرآن امام ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی
دار عالم الکتاب، الریاض

18 جامع الاصول فی احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو السعادات مبارک بن محمد الجزری، مکتبہ
دار البیان

19 جامع البیان فی تاویل القران ابو جعفر محمد بن جریر طبری
مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

20 جاوید نامہ علامہ محمد اقبال
شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

Marfat.com

21	الحاوی للفتاوی	امام جلال الدین سیوطی دارالکتاب العربی، بیروت
22	حجۃ اللہ البالغہ	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
23	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی دارالکتاب العربی، بیروت
24	حیات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	محمد حسین ہیکل ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
25	خاتون اسلام	مولانا وحیدالدین خان دارالتزکیہ، اردو بازار، لاہور
26	خزائن العرفان	مولانا نعیم الدین مرادآبادی تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
27	درالسحابۃ	محمد بن علی الشوکانی مکتبہ سید احمد اردو بازار لاہور
28	روح المعانی	محمود آلوسی ابوالفضل داراحیاء التراث العربی
29	ریاض الصالحین	امام شرف الدین النووی قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی
30	سبل الہدیٰ والرشاد	محمد بن یوسف الصالحی دارالکتب العلمیۃ، بیروت
31	سنت نبوی اور جدید سائنس	حکیم محمد طارق محمود چغتائی ادارہ اسلامیات انارکلی، لاہور

Marfat.com

32	سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ دارالفکر، بیروت
33	سنن الترمذی	امام ابوعبداللہ محمد بن عیسی الترمذی دار احیاالتراث العربی، بیروت
34	السنن الکبری	امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی۔ مجلس دائرۃ النظامیہ، حیدرآباد، ہند
35	سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، دارالکتاب العربی، بیروت
36	سنن النسائی	امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی، مکتبہ مطبوعات الاسلامیہ
37	سنن الدارمی	امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابومحمد الدارمی، دارالکتاب العربی
38	السیرۃ النبویۃ	ابن ہشام دارالریان للتراث القاہرہ
39	السیرۃ الحلبیہ	علی بن برہان الدین الحلبی دارالمعرفہ، بیروت
40	سیرت عمر بن عبدالعزیز	ابومحمد عبداللہ بن عبدالحکیم عالم الکتاب، بیروت
41	سیرت النبی ﷺ	علامہ شبلی نعمانی مکتبہ مدنیہ، لاہور
42	شرح فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی، دارالفکر، بیروت

Marfat.com

43	شرح صحیح البخاری	ابن بطال البکری مکتبۃ الرشد، الریاض
44	شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی دار الکتاب العربی
45	الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	القاضی ابوالفضل عیاض، دار الفکر، بیروت
46	الشمائل المحمدیۃ	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی دار ابن جزم، بیروت
47	صحیح ابن حبان	امام محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التیمی، موسسۃ الرسالۃ، بیروت
48	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، دار طوق النجاۃ
49	صحیح المسلم	امام مسلم بن حجاج القشیری دار الکتب العلمیۃ، بیروت
50	ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
51	ضیاء النبی	پیر محمد کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
52	طبقات ابن سعد	ابن سعد نفیس اکیڈمی، لاہور
53	ظہور اسلام	مولانا وحید الدین خان دار التذکیر، لاہور

Marfat.com

54 عمدۃ القاری
امام بدر الدین العینی الحنفی
دار الکتب العلمیۃ، بیروت

55 عون المعبود
العظیم آبادی
دار الکتب العلمیۃ، بیروت

56 عیون الاثر
محمد بن عبد اللہ ابن سید الناس
موسسۃ عز الدین

57 عہد نبوی کے میدان جنگ
ڈاکٹر محمد حمید اللہ
دار الاشاعت، کراچی

58 فیض الباری
الشیخ محمد انور الکشمیری
المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ

59 کتاب المغازی
الواقدی
عالم الکتاب، بیروت

60 کنز العمال
علاؤ الدین علی بن حسام الدین الہندی،
موسسۃ الرسالۃ بیروت

61 ما ثبت بالسنۃ
شیخ عبد الحق محدث دہلوی
دار الاشاعت، کراچی

62 مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر
عبد الرحمٰن بن محمد المدعو بشیخی زادہ
دار الکتب العلمیۃ، بیروت

63 المستدرک
امام حاکم
دار الکتب العلمیۃ بیروت

64 محمد رسول اللہ
شیخ محمد رضا مصری
تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

Marfat.com

65 مسند ابی عوانہ — امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، دار المعرفہ، بیروت

66 مسند ابی جعد — علی بن جعد البغدادی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

67 مسند الامام احمد بن حنبل — احمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

68 مسند ابی یعلی — امام احمد بن علی ابویعلی، دار المامون للتراث

69 مسند البزار — امام البزار، مکتبۃ العلوم والحکم

70 مسند الشہاب — محمد بن سلامہ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

71 مفردات الفاظ القرآن — العلامہ الراغب الاصفہانی، دار الکاتب العربی

72 المعجم الاوسط — ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، دار الحرمین، القاہرہ (1415ھ)

73 المعجم الکبیر — ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل

74 مصنف ابن ابی شیبہ — ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی، دار الکتاب العربی

75 مصنف عبدالرزاق — ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المکتب الاسلامی، بیروت

Marfat.com

76 مکارم الاخلاق — ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی
دار الآفاق العربیہ، القاہرہ
77 موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان — امام علی بن ابوبکر الہیثمی
دار الکتب العلمیہ، بیروت
78 موطا امام مالک — امام مالک بن انس اصبحی
دار احیاء التراث العربی
79 المواہب اللدنیہ — الشیخ احمد بن محمد القسطلانی
دار الکتب العلمیہ، بیروت
80 نقوش (رسول نمبر) — محمد طفیل
ادارہ فروغ اردو، لاہور

Marfat.com

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی پہلو

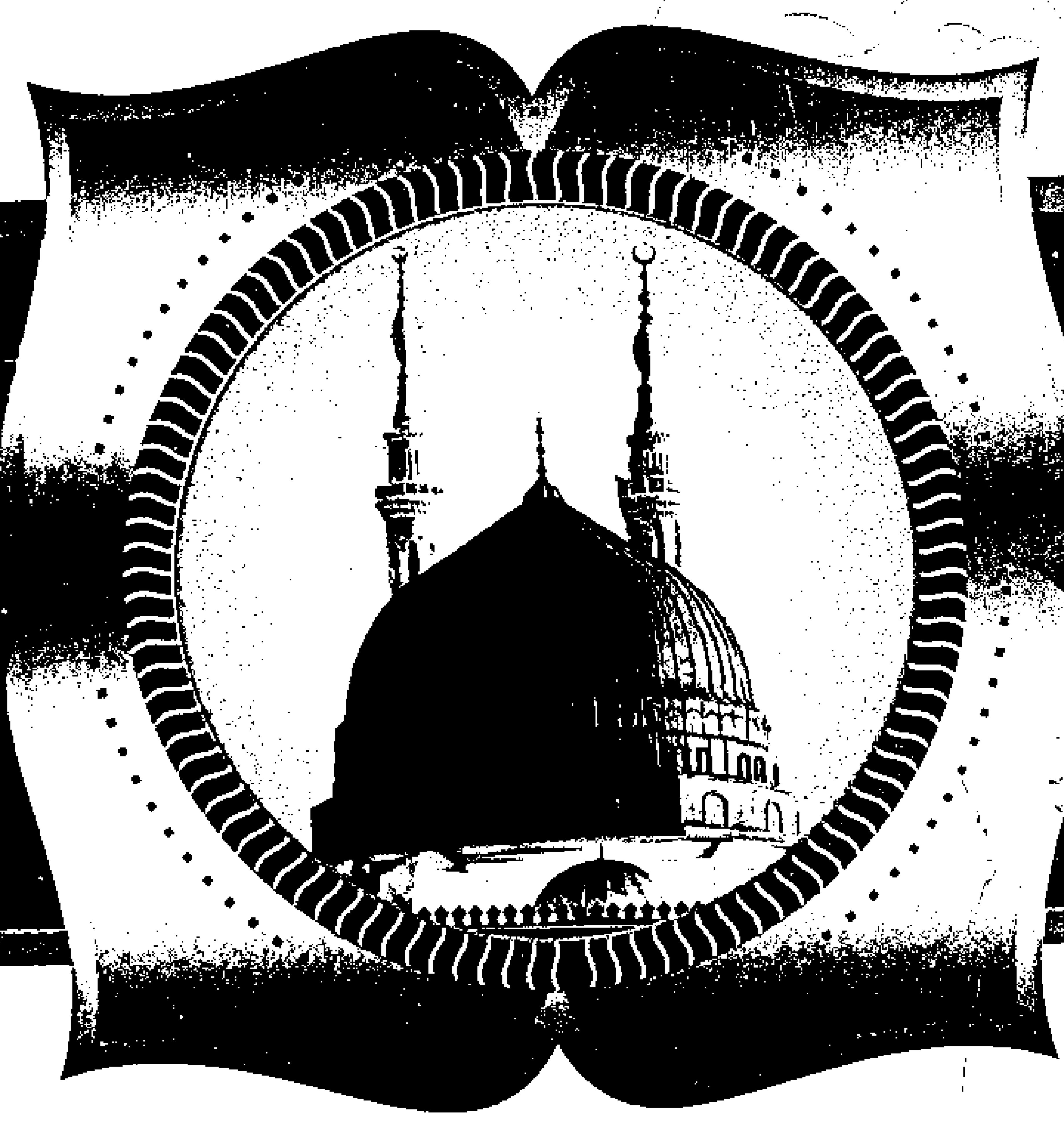

پروفیسر ڈاکٹر حبیب اللہ چشتی

Marfat.com